رسول اور نائبین رسول

تصنیف

مجاہد العلماء مفتی احمد میاں برکاتی

شیخ الحدیث و رئیس دارالافتاء دارالعلوم احسن البرکات حیدرآباد

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور - کراچی ○ پاکستان

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور
نائبین رسول رضی اللہ عنہم

تصنیف

محامد العلماء مفتی احمد میاں برکاتی

شیخ الحدیث و رئیس دارالافتاء دارالعلوم احسن البرکات حیدرآباد

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور - کراچی ○ پاکستان

نام کتاب	رسول اور نائبین رسول
مصنف	احمد میاں برکاتی، مفتی، علامہ
محرک	میاں محمد نوری، مولانا۔ سید اشتیاق علی چشتی
تقریظ	سید سعادت علی، قادری، علامہ
سال اشاعت	ستمبر 2006ء
کمپوزنگ	سید منیر احمد، کمپوزنگ سینٹر، حیدر آباد
پروف ریڈر	حماد رضا خان نوری، مفتی/ نعمان رضا خان، برکاتی
بتعاون	مکتبہ قاسمیہ برکاتیہ، شاہراہ مفتی محمد خلیل خاں، حیدر آباد
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	1Z 93
قیمت	-/150 روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953 فیکس:۔ 042-7238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7225085-7247350

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-221201-2630411۔ فیکس:۔ 021-2210212

e-mail:- sales@zia-ul-quran.com

zquran@brain.net.pk

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

انتساب !

اپنے شفیق رہبر، مجدد برکاتیت، قاطع نجدیت۔گل گلزار قادریت، احسن العلماء،

حضرت علامہ مفتی حافظ قاری سید مصطفٰے حیدر حسن قادری علیہ الرحمتہ والرضوان

اور

اپنے والد،.................مُربّی...............اور استاذ،

خلیل العلماء...........خلیل ملت

علامہ مفتی محمد خلیل خاں القادری البرکاتی النوری قدس اللہ سرہٗ

کے نام:

جن کی حَسین تربیت.............اور نفیس تعلیم اور روحانی توجہ کی وجہ سے

چند سطور لکھنے کے قابل ہوا۔

فقیر قادری احمد میاں برکاتی، غفرہ الحمید

خادم الحدیث والافتاء

دار العلوم احسن البرکات، حیدر آباد

۲۰ ربیع الاوّل ۱۴۲۷ھ

۱۹ اپریل ۲۰۰۶ء

چہار شنبہ

مضامین کی ترتیب

ترتیب

حمد رب تعالیٰ جل جلالہ

(سورۃ فاتحہ کی روشنی میں)

سب کا اللہ سب کا آقا تو ہی مالک تو ہی مولیٰ
سب کا حامی سب کا داتا تو ہی مالک تو ہی مولیٰ

تیری شاں اَلْحَمْد سے آگے سارے عالم کا تو رب ہے
تو ہی رَحْمٰن سب کا شاھا تو ہی مالک تو ہی مولیٰ

تیری رحمت سے مایوسی مومن کو، کب جائز ہے؟
تو ہی رحیم دارِ اُخریٰ تو ہی مالک تو ہی مولیٰ

تیری عطا میں مضمر ہے بدلہ ذرے ذرے کا
یَوْمُ الدِّیْن کا کون ہے؟ داتا تو ہی مالک تو ہی مولیٰ

تیری عبادت کرتے ہیں ہم اور مدد کے طالب ہیں
تو ہی کرم فرمانے والا تو ہی مالک تو ہی مولیٰ

سیدھی رہ پہ ہم کو چلانا قول و عمل کے لمحوں میں
تجھ سے دعا ہے ہر دم داتا تو مالک تو ہی مولیٰ

رستہ ان کا جن پر تیری، نعمت اتری رحمت بری
جن کو کیا ہے تو نے اعلیٰ تو ہی مالک تو ہی مولیٰ

تو نے ہی مختار بنایا ان کو دی ہے جنت بھی
غیب بھی تو نے ان کو بخشا تو ہی مالک تو ہی مولیٰ

تیری عطا سے وہ مالک ہیں سارے خزانے ان کے ہیں
ان کا اعلان سَلْ مَا شِئْتَ تو ہی مالک تو ہی مولیٰ

اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرْ ساری کثرت تو نے دی ہے
قاسمِ نعمت ان کو بنایا تو ہی مالک تو ہی مولیٰ

اور بچانا ان رستوں سے تیرا غضب ہے جن پہ ہوا
گمراہوں سے اُمن میں رکھنا تو ہی مالک تو ہی مولیٰ

طالب ہوں میں تیری عطا کا یا رب تیرا مجرم ہوں
آمیں یارب، آمیں شاھا، تو ہی مالک تو ہی مولیٰ

دیتا ہے قرآں کا وسیلہ، حافظؔ تیرا خاطی بندہ
بخشش فرما اس کی آقا، تو ہی مالک تو ہی مولیٰ

٭٭

از: احمد میاں حافظؔ البرکاتی

نعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

8

یا حبیب خدا یا شفیع الوریٰ، آپ جیسا نہیں کوئی بھی ہر طرف
از ازل تا ابد، از زمیں تا فلک، آپ ہی آپ ہی آپ ہی ہر طرف

آپ شمس الضحیٰ، آپ بدرالدُّجیٰ، آپ محبوبِ رب، آپ نور خدا
کیا زمیں کیا زماں، کیا مکاں لامکاں، آپ کے نور کی روشنی ہر طرف

عرش سے فرش تک فصل گل آ گئی، مہکا سارا جہاں جاں میں جاں آ گئی
زلف لہرائی جب روئے والشمس پر، رحمتوں کی گھٹا چھا گئی ہر طرف

سرد ایراں کا آتشکدہ ہوگیا، قصر کسریٰ کے کنگرے گرے ٹوٹ کر
آپ تشریف لائے تو باطل گیا، نورِ حق کی ہوئی روشنی ہر طرف

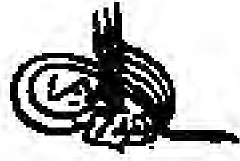
ذہن و دل آدمی کے جلا پاگئے، جو تھے بھٹکے ہوئے راہ پر آگئے
یہ کرمِ آپ کا یہ عطا آپ کی، آدمی کو ملی زندگی ہر طرف

سمٹا ہر فاصلہ، وقت ٹھہرا رہا، اُدْنُ مِــــــنِّــــــی کی تھی ہر اک لحہ صدا
عرش سے فرش تک نور ہی نور تھا، ماہِ اَسْــــــریٰ کی تھی چاندنی ہر طرف

خوف وڈر غیر کا دل میں وہ لائیں کیوں؟ ان کے جو ہو گئے غم سے گھبرائیں کیوں؟
حافظؔ ان کے جو ہیں، ان پہ سرکار کی ہے نگاہِ کرم ہر گھڑی ہر طرف

××××××××××××××××××××××××××××××

از: (احمد میاں حافظؔ البرکاتی)



تعریض

از: صاحبزادہ محمد جواد رضا خاں برکاتی

خلیل ملت علیہ الرحمتہ والرضوان، نے والد گرامی علامہ غلام محی الدین خاں القادری المعروف احمد میاں برکاتی، دامت برکاتہم کو، جو روحانی اور ظاہری کمالات عطا فرمائے، ان میں ایک تحریر بھی ہے، اسی عطا کا نتیجہ ہے کہ والد گرامی مدظلہ ہمیشہ لکھنے کا ذوق رکھتے ہیں۔ اور مضمون نگاری کی طرف مائل رہتے ہیں، زیرِ نظر کتاب میں، حضرت کے وہ مضامین اور مقالات ہیں، جو آپ نے مختلف مواقع پر تحریر فرمائے اور ان میں سے بعض رسائل کی شکل میں کئی بار طبع ہوئے اور تقسیم ہوئے، کچھ مضامین وہ ہیں، جو ریڈیو پاکستان سے، قومی اور علاقائی پروگراموں میں نشر ہوئے۔ بعض مقالات، حضرت نے کچھ احباب اور اداروں کی خواہش پر تحریر فرمائے، اور وہ ہر سال چھپتے رہے۔ زیر نظر مجموعہ میں نو ریڈیائی تقاریر ہیں، نو رسائل ہیں اور باقی متفرق مضامین ہیں۔ میں ممنون ہوں صاحبزادہ سید حفیظ البرکات شاہ صاحب کا کہ انہوں نے حسب سابق، شفقت فرماتے ہوئے، اس کتاب کی اشاعت کا ذمہ لیا، اللہ جل جلالہٗ ہم سب کو استقامت علی الدین نصیب فرمائے۔ آمین۔ فقط

محمد جواد رضا خاں برکاتی

منیجر، مکتبہ قاسمیہ برکاتیہ، حیدرآباد

دارالعلوم احسن البرکات

۲۰ ربیع النور شریف ۱۴۲۷ھ / ۱۹ اپریل ۲۰۰۶ء

حمد اس کے لئے جو حمد کا ولی ہے جل جلالہ

اور درود و سلام اس مقدس ذات پر جو اس کا رسول و نبی ہے صلی اللہ علیہ وسلم

جس ذات کو اللہ تعالیٰ نے، سارے نبیوں پر خلق عظیم کے ساتھ فضیلت دی

عرض مصنف!

فقیر قادری جب درجہء ثالثہ، (تیسری جماعت میں درس نظامی) میں پڑھتا تھا، تو طلبہ میں مضمون نویسی کا مقابلہ ہوا، ۔شوق میں مضمون لکھا، اور دوسری پوزیشن لی، انعام میں ملک العلماء علامہ ظفر الدین محدث بہاری علیہ الرحمتہ کی کتاب ''حیات اعلیٰ حضرت'' (جلد اوّل) ملی، وہ مضمون تو ''بزم امجدی رضوی'' دارالعلوم امجدیہ کراچی، کی کسی فائل میں محفوظ ہوگا۔ مگر انعام ملنے کی خوشی میں، مضمون لکھنے کا چسکہ لگ گیا، اور پھر تو کئی مضامین لکھے، چھوٹے بڑے، سب طرح کے۔ پھر صحافیت کا شوق چرایا، تو ماہنامہ ''ترجمان اہلسنت کراچی''، استاذی المحترم علامہ مفتی سید شجاعت علی قادری علیہ الرحمتہ نے، راقم الحروف کی ''حرکتیں'' دیکھتے ہوئے، سپرد فرما دیا اور فرمایا، یہ رسالہ نکالنا، آپ کی ذمہ داری ہے، حرکتیں کیا تھیں۔ پہلے تو ''امجدیہ'' میں پندرہ روزہ قلمی اخبار ''الرضا'' جاری کیا۔ اس زمانے میں بزم امجدی رضوی کا کوئی نہ کوئی عہدہ، فقیر کے پاس ضرور رہا، پھر طلبہ میں گروپ بندی ہوئی اور الیکشن میں ''برکاتی گروپ'' ہار گیا۔ تو ''الرضا'' پر بھی فاتح گروپ نے قبضہ کر لیا۔ اور یوں ''الرضا'' کا معیار، بلندی سے نیچے آ گیا۔ تو راقم الحروف کے گروپ نے، پندرہ روزہ ''الماجد'' کا آغاز کر دیا، استاذ گرامی علامہ عبدالمصطفےٰ الازہری علیہ الرحمتہ کا تخلص ''ماجد'' تھا۔

پھر دونوں اخباروں میں مقابلہ اور مکالمات شروع ہو گئے۔ تو ایک اور ادیب طالب علم مولانا حافظ الاسد صاحب نے ''الایام'' کے نام سے، قلمی اخبار شروع کر دیا۔ جب یہ تیسرا اخبار منظر عام پر آیا تو ''رقیبوں نے جا جا کے تھانے میں رپٹ لکھوادی''۔ یعنی حضرت شیخ الحدیث استاذی المکرم ممتاز المحدثین علامہ عبدالمصطفٰے الازھری علیہ الرحمۃ والرضوان کے پاس جا کر شکایتیں جمع کرانا شروع کر دیں۔ حضرت نے ایک ''آرڈر'' جاری فرمایا اور تینوں اخبار ایک ساتھ بند کر دئے، چند ماہ بعد ''الرضا'' کو دوبارہ شروع کر دیا گیا۔ جو آج تک جاری ہے۔ آج کے مدیروں کو شاید ''الرضا'' کی یہ تاریخ معلوم نہ ہو، جب اپنی ''سر'' گرمیاں، حضرت استاذی مفتی سید شجاعت علی قادری علیہ الرحمۃ نے دیکھیں، تو ۱۹۷۳ء میں، ماھنامہ ''ترجمان اہلسنت'' کراچی، فقیر راقم الحروف کے حوالے کر دیا، اس وقت تک میں بھی زمانہ تعلّم سے نکل کر، زمانہ تعلیم میں داخل ہو چکا تھا۔ دورہ حدیث میں، تنظیم المدارس کے پہلے سالانہ امتحان میں، دوسری پوزیشن لی تھی، اور فاضل عربی میں کراچی بورڈ سے تیسری پوزیشن لی تھی۔ اس دور میں، پورے کراچی میں ایک ہی ''برکاتی'' معروف و مشہور تھا۔ وہ تھا فقیر ''احمد میاں برکاتی'' غفرہ الحمید۔ اس دوران ماھنامہ ترجمان اہلسنت کے لئے، علماء سے انٹرویو لئے، ہفت روزہ ''اخبار جہاں'' کے لئے بھی انٹرویو لئے، جو اِن میں طبع ہوئے۔ یہ تھی اپنی صحافت کی داستان۔ جماعت اہلسنت کے ناظم اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے، اس زمانہ میں علامہ سید سعادت علی قادری مدظلہ نے، یہ رسالہ بند نہ ہونے دیا اور مجھ سے فرمایا، ''مولانا برکاتی! کچھ بھی ہو، رسالہ پابندی کے ساتھ وقت پر نکالتے رہیں''۔ حضرت نے بھرپور مالی تعاون فرمایا، فقیر نے تن تنہا کامل یکسوئی کے ساتھ، یہ رسالہ تین سال پابندی سے نکالا اور اس کے چند مخصوص ایڈیشن بھی نکالے، جن میں جنگ آزادی ۱۸۵۷ء نمبر پر سخت محنت کی اور وہ بہت مشہور ہوا، اس دور میں آج جیسی سہولتیں تو تھیں ہی نہیں۔ کتابت کرانا سب سے مشکل کام تھا۔

ان تینوں سالوں میں، فقیر نے دارالعلوم امجدیہ میں تدریس کے فرائض بھی انجام دیئے اور دارالافتاء میں بھی ذمہ داری پوری کی۔ پھر والد گرامی نے حیدرآباد بلالیا، ان کے فیض صحبت میں مزید چار سال فتویٰ نویسی کی مشق کی۔ ۱۹۷۹ء میں حضرت والد گرامی خلیل ملت علیہ الرحمتہ نے، اجازت دی کہ اب فتویٰ خود جاری کرسکتے ہو، عام فتاویٰ دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ حتیٰ کہ والد گرامی ۱۹۸۵ء میں واصل بحق ہوئے، حضرت کی تفاسیر، ریڈیو پاکستان سے پابندی سے نشر ہوتی رہیں۔ اور مختلف تقاریر کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ جب یہ باب بند ہوا۔ تو حیدرآباد ریڈیو کے ارباب اقتدار نے، فقیر کو یاد کیا اور مضامین کی خواہش ظاہر کی، اس طرح یہ باب پھر کھل گیا۔ اور ''احسن البرکات'' جسکے، اساتذہ حیدرآباد ریڈیو سے اس وقت سے وابستہ ہیں، جب یہ ہوم اسٹیڈ ہال میں قائم ہوا تھا، تو اس وقت صبح کی تلاوت کرنے فقیر کے استاذ (حفظ، ناظرہ، نعت) اور احسن البرکات کے مدرس، والد گرامی کے تلمیذ، حضرت قاری حافظ عبداللطیف ملتانی مدظلہ، ریڈیو پاکستان جاتے تھے، پھر والد گرامی وابستہ رہے۔ دارالعلوم کے مدرس علامہ سید محمد ہاشم فاضل شمسی علیہ الرحمتہ، مدرس مولانا علامہ صوفی رضا محمد قادری عباسی، مولانا روشن دین مدرس، مفتی محمد محمود صدیقی کشمیری مدرس، مفتی عبدالحفیظ قادری علیہ الرحمتہ مدرس، مولانا سید عظمت علی شاہ مدرس، سب ہی لوگ، وابستہ رہے۔ فقیر کی لکھی ہوئی تقاریر، چند پروڈیوسرز حضرات نے چیک کیں، پھر ایک مرتبہ جناب محمود احمد صدیقی صاحب نے فرمایا، کہ آپ کی تقاریر ہم چیک نہیں کریں گے۔ آپ براہ راست ریکارڈ کرائیں اور بحمد اللہ کبھی ان میں ترمیم نہ کی گئیں، مکمل نشر ہوتی تھیں۔ کئی بار مذاکرے بھی ہوئے، سوال جواب کی نشست بھی ہوئی۔ صدیقی صاحب نے ہمیشہ فرمایا، آپ کی تقاریر وتحاریر نہایت مکمل اور جامع ہوتی ہیں، کبھی ہمیں مشکل پیش نہ آئی۔

اب عزیزم حافظ قاری محمد حسین، فاضل احسن البرکات، اس شعبہ میں ہیں اور حسب سابق، بلاتے رہتے ہیں، وہ سارے ذخیرے، فقیر رکھتا رہا۔ اُن، میں سے بھی کچھ

مضامین شامل کتاب ھذا ہیں۔ اصولاً تو ریڈیو کے مضامین، ان کی امانت ہوتے ہیں، لٰہذا جناب فخر الدین بلوچ صاحب سے رابطہ قائم کیا۔ کہ ان مضامین کو شائع کرانے کی اجازت دے دیں۔، انہوں نے بخوشی اجازت دی، اجازت نامہ بھی، اس کتاب میں شامل ہے۔
ریڈیو کے مضامین کی اشاعت کی تحریک کا سہرا صاحبزادہ مولانا مفتی شجاع الدین رتوی مدظلہ کے سر جاتا ہے۔ جنہوں نے سب سے پہلے اجازت سے اپنے مضامین شائع کئے، اور فقیر کو مشورہ دیا کہ یہ علمی خزانہ طبع ہو جائے تو افادہ اور استفادہ بڑھ جائے گا، کتاب کے بعض مضامین، ایسے بھی ہیں جو احباب نے، بہ زور اور بہ جبر اور بہ اصرار لکھوائے ہیں۔

ہاں، وہ ترجمان اہلسنت میرے بعد صرف ڈھائی سال رہا اور پھر اہلسنت کا ترجمان بند ہو گیا، میرے بعد شہید حافظ محمد تقی مرحوم نے اسے سنبھالا، کچھ دنوں محرّم الحاج شمیم الدین صاحب نے چلایا، پھر اپنی اپنی بولیاں بول کر یہ سب اُڑتے چلے گئے۔ مالی بحران ہو گیا، فقیر تو ان دنوں صرف رکشہ کا کرایہ لیتا تھا، مگر میرے بعد لوگوں کی تنخواہیں مقرر ہو گئیں اور اسطرح یہ رسالہ مرحوم و مغفور ہو گیا۔

حیدر آباد سے رسالہ نکالنا چاہا، مگر یہاں کی ''زرخیز'' زمین نے میرا ساتھ نہ دیا اور میں باز رہا۔

پھر تمام توجہ تدریس، افتا، اور مضمون نگاری پر لگا دی اور اس پورے عرصہ کا نچوڑ، حاضر ہے، فقیر نے اپنے مضامین اور مقالات کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے

شخصیات ...... دروس حدیث ...... متفرقات

ابھی تقریظات اور تقدیمات کا ایک حصّہ باقی ہے جو زیرِ ترتیب ہے۔
بس قارئین دعا فرمائیں کہ فتاویٰ خلیل ملّت کو جلد منظر عام پر لا سکوں، آج کل اسی میں مگن ہوں، آخر میں شکر گزار ہوں عالمی مبلغ اسلام علامہ سید سعادت علی قادری دامت

فیوضہم کا، کہ انہوں نے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا، اور میری کتابوں کو بالاستیعاب پڑھ کر، اپنی خوبصورت اور وقیع رائے تقریظ کی شکل میں تحریر فرمائی۔ ساتھ ہی میں شکریہ ادا کرتا ہوں، احسن البرکات کے قدیم فاضل، پروفیسر رضی الدین احمد ذاکر جماعتی کا، انہوں نے اپنی طرف سے چند کلمات، عنایت فرمائے، اللہ تعالیٰ ان اکابر کا سایہ قائم رکھے۔

آمین

فقط، طالبِ دعا

فقیر قادری احمد میاں برکاتی غفرہ الحمید

رئیس دارالافتاء وخادم الحدیث

دارالعلوم احسن البرکات، حیدرآباد

۲۲ ربیع النور ۱۴۲۷ھ

۱۲ اپریل ۲۰۰۶ء

یوم جمعۃ المبارکہ

مصنف کا خط، اسٹیشن ڈائریکٹر ریڈیو پاکستان کے نام

مکرم ومحترم اسٹیشن ڈائریکٹر صاحب

پاکستان براڈ کاسٹنگ کارپوریشن، حیدرآباد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

گزارش یہ کہ فقیر احمد میاں برکاتی، کی تقاریر اور درس حدیث، متفرق اوقات میں، آپ کی وساطت سے، حیدرآباد اسٹیشن سے نشر ہوتے رہتے ہیں، احباب کی خواہش ہے کہ، ان کو طبع کرایا جائے تاکہ مزید لوگ ان سے مستفیض ومستفید ومستنیر ہوں۔

اگر آپ اجازت عطا فرمادیں تو دیگر مضامین کے ساتھ، یہ مضامین، آپ کے شکریہ کے ساتھ شاملِ کتاب ہوجائیں۔ براہِ کرم تحریری اجازت نامہ عنایت فرمائیں، آپ کا ممنون ومتشکر ہوں گا۔

والسلام مع الاکرام

فقیر قادری احمد میاں برکاتی غفرہ الحمید

۱۷؍رجب المرجب ۱۴۲۴ھ

۱۵؍ستمبر ۲۰۰۳ء

Ref No S,D(5)-2003 Date 22-9-2003

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

عالی مرتبت مکرمی جناب ابوحماد مفتی احمد میاں برکاتی صاحب

زاد اللہ تعالیٰ فیوضہم و برکاتہم و مدظلہم العالی

مہتمم و شیخ الحدیث

دارالعلوم احسن البرکات، حیدرآباد

آپ کی جانب سے ۱۵ر ستمبر ۲۰۰۳ء کو ارسال کردہ مراسلہ بسلسلہ ریڈیو پاکستان، حیدرآباد سے نشر ہونے والی تقاریر برائے اجازت طباعت موصول ہوا۔

عالی مرتبت آپ جیسے جید عالمِ دین کی تحریریں جو کہ ریڈیو پاکستان کی وساطت سے نشر ہوئیں ان سے عوام الناس مستفیض و مستفید و مُستنیر ہوئے اور طباعت کے بعد مزید ہوں گے تو یہ ہمارے لئے بھی باعثِ افتخار ہوگا، ان سب کا حاصل یہی ہے کہ اُمت ہر شعبہء زندگی کے متعلق دین کی روشنی میں واقف ہو اور ان کو اپنا مقصد زندگی بنائے۔ اور عوام الناس کو فائدہ پہنچے۔

بندہ احقر طباعت میں ریڈیو پاکستان، حیدرآباد سے نشر ہونے والی تقاریر و تحریروں کو شامل کرنے کی اجازت کے ساتھ ساتھ بارگاہِ رب العزت میں دست بہ دعا ہے کہ وہ کارِ خیر کو شرفِ قبولیت بخشے اور اپنے فیض و کرم سے لوگوں کو اس سے زیادہ فیض پہنچائے اور حضرت مؤلف کے لئے اس کو صدقہء جاریہ بنائے۔ آمین ثم آمین

انہ علیٰ کل شیٔ قدیر۔

نیاز مند

دستخط (فخر الدین بلوچ)

اسٹیشن ڈائریکٹر



Telegram: "BROCAST" Hyderabad
Tel
Fax
Res.

Pakistan Broadcasting Corporation
Broadcasting House,
Hyderabad.

Date 22/9/2003

Ref No. S.D (5)/2003

الحمد للہ وحدہٗ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

عالی مرتبت مکرمی جناب ابو حماد مفتی احمد میاں برکاتی صاحب
زاد اللہ تعالیٰ فیوضہم و برکاتہم و مدظلہم العالی۔
مہتمم و شیخ الحدیث
دارالعلوم احسن البرکات، حیدرآباد

آپکی جانب سے ۱۵ ستمبر ۲۰۰۳ء کو ارسال کردہ مراسلہ بسلسلہ ریڈیو پاکستان، حیدرآباد سے نشر ہونے والی تقاریر برائے اجازت طباعت موصول ہوا۔

عالی مرتبت! آپ جیسے جید عالم دین کی تحریریں جو کہ ریڈیو پاکستان کی وساطت سے نشر ہوئیں اُن سے عوام الناس مستفیض و مستفید و متیقن ہوئے اور طباعت کے بعد مزید ہوں گے تو یہ ہمارے لئے بھی باعث افتخار ہوگا، ان سب کا حاصل یہی ہے کہ اُمت ہر شعبۂ زندگی کے متعلق دین کی روشنی میں واقف ہو اور ان کو اپنا مقصد زندگی بنائے۔ اور عوام الناس کو فائدہ پہنچے۔

بندۂ احقر طباعت میں ریڈیو پاکستان حیدرآباد سے نشر ہونے والی تقاریر و تحریروں کو شامل کرنے کی اجازت کے ساتھ ساتھ بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہے کہ وہ کار خیر کو شرف قبولیت بخشے اور اپنے فیض و کرم سے لوگوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ فیض پہنچائے اور حضرت مولف کیلئے اس کو صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین ثم آمین۔
انہ علیٰ کل شیئ قدیر۔

نیاز مند:۔
(فخرالدین منجوج)
اسٹیشن ڈائریکٹر۔

تقدیم

از قلم بین الاقوامی مبلغ اسلام حضرت مولانا علامہ

سید سعادت علی قادری مدظلہ

ہالینڈ
حال مقیم کراچی

خصوصی تبصرہ برائے

مقالاتِ برکاتی

پیر ۱۶ / شعبان المعظم ۱۴۲۴ھ / ۱۳ / اکتوبر ۲۰۰۳ء

پیش نظر ہیں عزیزم مفتی احمد میاں برکاتی سلمہ الباری، کے چند مقالات، جن پر موصوف نے مجھ سے تبصرہ کرنے کی فرمائش کی ہے جبکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ ایک ضعیف اور ناتواں قلم ایک نوجوان وتوانا اور دانا قلم پر تبصرہ کرنے کی ہمت نہیں کر پارہا لیکن صاحب مقالات کی محبت اوران کے خلوص کے باعث یہ چند سطور ہدیۂ قارئین ہیں جو اگرچہ مقالات کی طرح معیاری نہیں تاہم "گر قبول افتدز ہے عزوشرف"

مفتی صاحب زیدحبہ نے اپنی ریڈیائی تقاریر اور خصوصی مقالات کو یکجا کر کے کتابی شکل دینے کا فیصلہ کیا ہے جو خواص وعوام کے لئے نہایت اہم اور مفید ہیں بالخصوص خطباء، ان مقالات سے بہت استفادہ کر سکتے ہیں، ان نثری مضامین کو درج ذیل عنوانات کے تحت یکجا کیا گیا۔

رسول اور نائبین رسول،

برکات حدیث

عنوان اوّل کا پہلا مقالہ ''صاحب خُلقِ عظیم ہے'' جو اگرچہ مختصر ہے لیکن وقت کی اہم ضرورت ہے اور نہایت مفید ہے اس کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لئے یہ سطور ملاحظہ ہوں آپ لکھتے ہیں ''حقیقتاً اچھے اخلاق ہی کسی قوم کی خوشحالی اور سیاسی و معاشی آسودگی کا ذریعہ ہیں ہمارا یہ دور شاہد ہے کہ اخلاق کے انحطاط نے ہمیں کتنا کمزور کر دیا ہے بدحال کر دیا ہے، ہمارے دور کی اصل الجھن، گرانی، رشوت ستانی، ظلم و ستم، سیاسی بحران، بے روزگاری اور باہمی نفرت نہیں بلکہ حسنِ اخلاق کا فقدان ہے۔ جس کو ہم تعلیمات نبوی ﷺ کو اپنا کر حاصل کر سکتے ہیں اور اپنے تمام مسائل حاصل کر سکتے ہیں''۔

رفیق رسول اکرم ﷺ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زیر عنوان مقالہ نگار رقم طراز ہیں، ''سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں حضور ﷺ کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، آپ نے حضور ﷺ کے عشق میں غارِ ثور میں اپنے انگوٹھے میں سانپ سے ڈسوایا، اپنا سارا مال و دولت خدا کی راہ میں قربان کیا، جب اسلام لائے تو آپ کے پاس چالیس ہزار دینار تھے آپ نے وہ سب حضور ﷺ پر خرچ کر دیے جب وصال ہوا تو پاس کچھ نہ تھا۔

عبارت میں ذرا جملہ پر غور کیجئے ''محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی'' کس قدر سادہ اور عام جملہ ہے لیکن کثرتِ محبت کی اس سے بہتر ترجمانی کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ ہاں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ کے یہ دو اشعار ضرور قابلِ غور ہیں آپ فرماتے ہیں کہ:

سایۂ مصطفیٰ ﷺ مایۂ اصطفےٰ — عز و نازِ خلافت پہ لاکھوں سلام
یعنی اس افضل الخلق بعد الرسل — ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام

حضرت عمر فاروق ﷺ سے متعلق علامہ برکاتی کی ایک عبارت ملاحظہ ہو لکھتے ہیں ''آج کی اصطلاح میں حضرت عمر ﷺ ایک عملی انسان تھے آپ اپنی تقاریر میں سعی فرماتے تھے کہ لوگ یہ سمجھ سکیں کہ اپنی روزمرہ زندگیوں کو کس طرح احکامِ الٰہی اور فرمانِ خداوندی کا مظہر بنا سکتے ہیں اسی تقریر کے دوران فاروق اعظم ﷺ امت کے افراد کو قرآن وسنت کی روشنی میں ہدایت اور ادب اور معرفتِ نفس اور قول وعمل میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی راہ دکھاتے تھے، خلاصہ یہ کہ عمری ادب گاہ دین اور دنیا کا باغ ہوتی تھیں'' جبکہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ حضرت فاروق اعظم ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

وہ عمر جس کے اعدا پہ شیدا سقر　　　اس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام
فارِق حق و باطل امام الھدیٰ　　　تیغ مسلول شدت پہ لاکھوں سلام

سلطان الھند حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمتہ سے مقالہ نویس کی عقیدت ملاحظہ کیجئے علامہ ابوحماد رقم طراز ہیں ''انسانیت آج پریشان ہے سرگرداں ہے وہ کبھی تو اپنی مشکلات کا حل اور امراض کا علاج کسی ''ازم'' میں ڈھونڈتی ہے اور کبھی کسی جمہوریت کے دامن میں پناہ تلاش کرتی ہے لیکن دراصل انسانیت کی نجات اور فلاح و بہبود خواجہ غریب نواز جیسی عظیم اور پاک شخصیتوں کے کردار، تعلیمات اور سیرت واحوال میں پوشیدہ ہیں، کیونکہ اولیاء کے دل اس ذاتِ جلال لایزال کے نور سے مُنور، روشن اور تاباں ہیں اور وہ تاریکی کو دور کرنے والے ہیں خلوص ان کا ہتھیار ہے اخلاق ان کی ڈھال ہے، صدق ان کی تلوار ہے، عشق ان کا تیر ہے، تحمل ان کا شعار ہے توکل وقناعت کی دولت ان کے پاس بے شمار ہے۔

بلاشبہ یہ ربِ کریم کا بے پناہ کرم ہے کہ اس نے اپنے رؤف ورحیم کے صدقہ ہم بے نواؤں اور بے سہاروں کو اولیاء کرام کا مضبوط سہارا نصیب فرمایا کہ وہ ہمارے لیے قرب

الٰہی کا وسیلہ ہیں جبکہ ان سے دوری اللہ سے دوری اور اس کی ناراضگی کا باعث ہوتی ہے۔

چوں تو خواہی ہمنشینی با خدا ——— رُو نشیں تو در حضورِ اولیاء

چوں شُدی دور از حضور اولیاء ——— در حقیقت گشتہء دور از خدا

نائبین رسول کے زیر عنوان ایک مقالہ نواب ابوبکر خاں شیروانی سے متعلق ہے موصوف کو نائبین رسول کے زمرہ میں بایں صورت شامل کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں علم و علماء کی بہت خدمت کی وہ علماء کرام کا بیحد احترام اور طلباء دین سے محبت کرتے تھے، اسی ذوق و شوق کی تسکین کے لئے انہوں نے اپنی ریاست دادوں میں ایک مدرسہ، بنام "مدرسہ حافظیہ سعیدیہ" قائم کیا جو دادوں کی گڑھی کی ایک شاندار اور وسیع عمارت میں قائم تھا اس عمارت کا نچلا حصہ طلبہ کی رہائش اور بالائی حصہ درس تدریس کے لئے وقف تھا۔ یہ مدرسہ اس دور میں صوبہ یوپی کا سب سے بڑا اور بہ اعتبار تعلیم بہترین سمجھا جاتا تھا، اس دور کے مشہور عالم دین مولانا وجیہہ الدین علیہ الرحمتہ کو رامپور سے بلا کر صدر مدرس مقرر کیا گیا اسی دور میں احقر کے والد گرامی حضرت مولانا مفتی سید مسعود علی قادری علیہ الرحمتہ یہاں زیرِ تعلیم رہے مولانا وجیہہ الدین رحمتہ اللہ علیہ کے بعد حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی رحمتہ اللہ علیہ صدر مدرس مقرر ہوئے حضرت کے تشریف لے جانے کے بعد والد ماجد علیہ الرحمتہ کو بدایوں سے بلا کر صدر مدرس کی ذمہ داری سونپی گئی اسی زمانہ میں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمتہ ایک مرتبہ معتقدین و متوسلین کی دعوت پر چند دن کے لئے دادوں تشریف لائے تو فقیر کو حضرت کی زیارت کا شرف حاصل ہوا غالباً اس وقت میں مرقات قدوری وغیرہ کا طالب علم تھا۔ نواب ابوبکر خاں مرحوم علماء کے بیحد قدرداں تھے مدرسہ سے متعلق علماء کے قیام کے لئے وسیع مکانات فراہم کئے جاتے تھے بہترین کھانے اور اچھی تنخواہوں کا اہتمام ہوتا تھا طلباء کو بھی

مہمانوں کی طرح رکھا جاتا تھا والد ماجد رحمتہ اللہ علیہ بتاتے تھے طلباء کے لئے صبح بہترین ناشتہ اور دونوں وقت عمدہ کھانے کا انتظام تھا بعض علماء اور طلباء کے لئے فرمائشی کھانا بھی تیار کیا جاتا تھا یہاں موجود طلباء میں اکثر بنگال سے اور کچھ افریقہ وغیرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ طلباء کی باقاعدہ فٹ بال ٹیم تھی جس کے لئے دادوں میں ایک وسیع گراؤنڈ بنایا گیا تھا جہاں طلباء کو روزانہ فٹ بال کی پریکٹس کرائی جاتی تھی ڈیرہ دون اور دیگر مقامات پر یہ ٹیم میچ کھیلنے جاتی تھی۔ اس میں والد صاحب علیہ الرحمتہ بھی شامل تھے۔ کچھ عرصہ وہ ٹیم کے کپتان بھی رہے۔ اس زمانے کا ایک گروپ فوٹو ہمارے پاس ہے، جو بیتی کہانیوں کی یاد دلاتا ہے علماء اور طلباء کے جملہ اخراجات کے لئے کوئی چندہ نہ ہوتا تھا ریاست کی کچھ زمین مدرسہ کے لئے وقف تھی جن سے اخراجات پورے ہوتے تھے۔ نواب ابوبکر خان کا تو جواں سالی میں انتقال ہو گیا تھا ان کے اکلوتے صاحبزادے مولوی محمد جان شیروانی مرحوم ان کے جانشین ہوئے اور موصوف بھی باپ کی طرح علم دوست اور باذوق انسان تھے لہٰذا ان کے دور میں بھی مدرسہ سابقہ آن بان کے ساتھ چلتا رہا اسی دور میں والد صاحب علیہ الرحمتہ یہاں صدر مدرس مقرر ہوئے جبکہ دیگر اساتذہ میں مولانا محمد یونس بدایونی مولانا اکبر علی نیز مولانا نور محمد، حافظ غلام ربانی علیہم الرحمتہ شامل تھے۔ مدرسہ عربیہ حافظیہ سعیدیہ اب تک چل رہا ہے۔ غرضیکہ نواب ابوبکر خاں شیروانی مرحوم نے دین اور علماء دین کی بڑی خدمت کی اللہ تعالیٰ اجر عطا فرمائے اسی لئے علامہ برکاتی نے نائبین رسول کے زمرہ میں ان کا تذکرہ کیا ہے ممکن ہے کہ نواب صاحب کی خدمتِ دین کی قبولیت کا اثر ہو۔

حضرت علامہ مفتی احمد میاں برکاتی، اپنے والدِ گرامی مفتی سندھ، خلیل العلماء، حضرت علامہ مفتی محمد خلیل خاں برکاتی علیہ الرحمتہ والرضوان کے باصلاحیت صاحبِ علم وفضل،

باوقار وجیہہ، نہایت موزوں اور صحیح جانشین ہیں۔ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کے علم وفضل اور ان کے دینی وعلمی کارناموں کی اشاعت میں شب وروز مصروف ہیں ایک بیٹے کے لیے اس سے زیادہ خوش بختی کیا ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے نامور باپ کے نام کو مزید اجاگر کرے اور بلاشبہ یہ باپ کے تقویٰ وخلوص اور دینی خدمات کا اللہ کی طرف سے دنیا میں صلہ ہے کہ ایسا نامور بیٹا میسر آیا، جو خود ہی باپ کے علم وتقویٰ کا وارث نہیں بلکہ اپنے وارثین تیار کرنے میں کامیاب ہو چکا ہے کہ علامہ احمد میاں برکاتی کے کئی، صاحبزادے، حافظ اور نہایت باصلاحیت عالم بن چکے ہیں۔ الحمدللہ رب العالمین۔ بہرحال پیش نظر مقالات میں ایک مقالہ مفتی سندھ علیہ الرحمۃ سے متعلق بھی ہے جس سے مفتی صاحب کی مختصر زندگی کا علم ہوتا ہے احقر چونکہ خود ایک قلمکار ہے لہٰذا میں نے مفتی صاحب کے شعبۂ تصنیف کا بغور مطالعہ کیا بہت حد تک معلومات میں اضافہ ہوا اگرچہ تشنگی باقی ہے مفتی صاحب علیہ الرحمۃ ساٹھ سے زیادہ کتابوں کے مصنف ہیں اکثر کتابوں کا مطالعہ کرنے کا مجھے موقع ملا ہے جبکہ ''ہمارا اسلام، سنی بہشتی زیور، ہماری نماز وغیرہ'' میں جب بیرونِ ملک دوروں پر جاتا ہوں تو احباب میں تقسیم کرنے کے لئے ضرور لے کر جاتا ہوں کہ یہ تینوں کتابیں نہایت مفید ہیں اور بہت پسند کی جاتی ہیں اور اب نہایت مسرت ہوئی انگلش میں ہمارا اسلام دیکھ کر جسے ضیاء القرآن پبلیکیشنز نے نہایت خوبصورت اپنے اعلیٰ معیار کے مطابق چھاپا ہے۔

مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کی کتابوں سے متعلق ایک تفصیلی مقالہ درکار ہے جو لکھا جانا چاہئے ہاں پیش نظر مقالہ سے ایک اہم انکشاف ہوا کہ حضرت مفتی صاحب نے قرآن کریم کی تفسیر کا بھی کچھ حصہ تحریر فرمایا تھا۔ آج سے پہلے مجھے بالکل یہ معلوم نہ تھا اور نہ ہی کبھی مولانا احمد میاں برکاتی نے اس کا ذکر کیا مجھے حیرت ہے اور افسوس بھی ہے کہ آج تک برکاتی صاحب

نے اس کی تکمیل واشاعت پر توجہ نہ دی جبکہ یہ ایک نہایت ہی اہم اور بڑا کام ہے وقت کی ایک ضرورت ہے جبکہ برکاتی صاحب اس کا بقیہ حصہ لکھنے کی یقیناً استعداد و صلاحیت رکھتے ہیں!۔

بہر حال اب میں اپنا حق استعمال کرتا ہوں کہ برکاتی صاحب کو تاکید کرتا ہوں کہ وہ آج ہی اور ابھی تفسیر کا مسودہ نکالیں اور اس پر کام کا آغاز کریں اس سلسلہ میں فقیر کے جس تعاون کی ضرورت ہو وہ پیش کرونگا، اگر یہ مکمل نہ ہو سکی تو میرے خیال سے مفتی صاحب کی جانشینی کا حق ادا نہ ہوگا ان کا مشن مکمل نہ ہو سکے گا لہذا توجہ ضروری ہے۔

مفتی سندھ علیہ الرحمتہ سے ملاقات کا مجھے کئی مرتبہ کراچی و حیدرآباد میں شرف حاصل ہوا ہے اسلاف کی طرح نہایت سادہ طبع، بیحد منکسر المزاج، نرم خو اور خوش کلام، باوقار شخصیت کے مالک تھے۔ گفتگو سنکر ہی آپ کی علمی صلاحیت تقوے اور پرہیز گاری کا اندازہ کیا جاسکتا ہے آپ نہایت ذی استعداد مدرس اور مفتی تھے، خوش بیاں اور موثر مقرر تھے بہل قلم مصنف تھے بہترین منتظم تھے اور نہایت باکمال نعتیہ شاعر تھے، پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد نے ''جمالِ خلیل'' کی تقدیم لکھتے ہوئے مفتی صاحب علیہ الرحمتہ کی شاعری پر ایک نہایت خوبصورت تبصرہ فرمایا ہے۔ جو ہمیں بیحد پسند آیا یہی ہماری طرف سے بھی ہدیۂ شاعر اور ہدیۂ قارئین ہے پروفیسر صاحب رقم طراز ہیں۔

''مفتی محمد خلیل خان برکاتی طبقۂ علماء میں ممتاز تھے۔ وہ سخن گو اور سخن سنج بھی تھے اور فنِ شعر گوئی میں امتیاز رکھتے تھے انہوں نے مختلف اصنافِ سخن میں شاعری کی، مثلاً حمد، نعت، منقبت، غزل، سہرا، قطعہ، مسدس، مربع وغیرہ۔ ان کی بعض غزلیں اور نعتیں تو مرصع ہیں اور یہ بات اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب شاعر زبان و بیان پر قدرت رکھتا ہو اور اس کے خیالات میں روانی اور جذبات میں جولانی ہو۔ ان کے بعض مطلع اور مقطع بھی خوب ہیں ان کی شاعری

بڑی وسیع ہے۔اس میں تمام وہ خوبیاں موجود ہیں جوایک اچھی شاعری میں ہونی چاہئیں۔ان کی شاعری میں معنیٰ آفرینی بیساختگی، محاکات آفرینی، موسیقیت و ترنم، حسن تراکیب، رعایت لفظی، روزمرہ، محاورہ، معانی و بیان، صنائع و بدائع سب ہی کچھ ہے ان کے ہاں غم روزگار بھی ہے اور غم جاناں بھی اور خمریات بھی، عرفان معرفت بھی، اور قرآن و حدیث کی جھلکیاں بھی ہیں، سچا شاعر نہ اپنے ماحول سے آنکھیں بند رکھتا ہے نہ اپنے وجود سے، اس کی شاعری میں زمانہ کا سایہ اور وجود کا عکس صاف نظر آتا ہے"۔

ہمارے نزدیک شاعری سے، جذبات، خوشبودار پھولوں اور حسین و خوبصورت گلدستوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں جبکہ ان جذبات کا باعث کوئی سچا عشق اور کسی کی سچی محبت ہو یہ پھول اور گلدستے سدا بہار رہتے ہیں اگر محبوب باکمال اور سدا بہار ہو، اور خوش نصیب وسدا بہار ہیں وہ شعراء جنہیں لَمْ تَرَیٰ قَطُّ عَیْنِیْ کے مصداق حسن و جمال کو بہار بخشنے والے، محبوب رب العلمین ﷺ کے دربار میں منظوم گلدستہائے عقیدت و محبت پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ان ہی سعادتمندوں کے سرخیل، شاعر دربار رسالت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں جبکہ انہی کے کاسہ لیس اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ و الرضوان ہیں جن کے خوشہ چیں خلیل العلماء مفتی محمد خلیل خاں قادری برکاتی نور اللہ مرقدہ ہوئے۔

ان کی آنکھوں کو دیکھتا ہوں خلیلؔ — گویا ساغر اٹھا کے پیتا ہوں

بزبان خلیلؔ دعا کیجیے:

گناہگاروں کی عصیاں پناہیوں پہ نہ جائیں — کہ عفو جود و سخا آپ کی تو خو ہے حضور ﷺ

نگاہِ لطف سے بس اب تو شاد کام کریں — کہ بے قرار مری طبع بادہ جو ہے حضور ﷺ

حضرت علامہ مفتی احمد میاں برکاتی سلمہ الباری کے مجموعہ مقالات کا دوسرا عنوان ''برکاتِ حدیث'' ہے جس میں موجود، مقالات نہایت حسین علمی گلدستے ہیں ان میں اکثر ریڈیو پاکستان حیدرآباد سے نشر شدہ تقاریر ہیں، یہ مقالات بلاشبہ موصوف کی علمی صلاحیت کا مرقع ہیں۔

مقالہ ''خاتم النبیین'' کا تعلق عقیدے سے ہے دیگر عنوانات اخلاقی اور اصلاحی ہیں کہ مومن کے لئے عقائد کی درستگی کے بعد سب سے زیادہ اہم اخلاق و کردار کی اصلاح ہے کہ ایک باکردار و بااخلاق شخص کو اس سے اچھے اخلاق، عادات، و اطوار کا دنیا و آخرت میں صلہ اسی صورت ملے گا جب کہ اس کا عقیدہ صالح اور مبنی برقرآن و احادیث ہو جبکہ عقائد اور اخلاق و کردار کے حسن سے بصورتِ عبادات ایک مہکتا گلدستہ وجود میں آتا ہے جو مومن کی شخصیت کو پرکشش اور باوقار بنا دیتا ہے گویا عقائد حقہ حسنِ اخلاق و کردار و پُرخلوص و عادات سب کا مجموعہ، کمالِ ایمان کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔

ان مضامین میں میرا پسندیدہ اہم مضمون ''نظم و ضبط'' ہے جو مسلمان کی شان ہے پہچان ہے اور اس کی پابندی نیز اسے قائم کرنا مسلم معاشرے کے افراد کی ذمہ داری ہے۔ جس سے باہمی محبت والفت پیدا ہوتی ہے کاموں میں سہولت ہوتی ہے ہر شخص کو بروقت اور باآسانی اپنا حق ملتا ہے مہذب اقوام اپنی اس خوبی پر ناز کرتی ہیں لیکن افسوس آج ہم اپنے اس معاشرے میں، اس سے محروم ہیں جبکہ غیر مسلم اقوام اس پر سختی سے کاربند ہیں ان کے ہر عمل اور ہر کردار میں آپ کو نظم و ضبط نظر آئے گا جبکہ ہر گوشہ زندگی میں بدنظمی کا شکار ہیں۔ بے ضابطگی کو ہم نے ایسے گلے لگایا ہے کہ ہم اس کے عادی بن گئے ہیں اب یہ بے نظم و ضبط زندگی ہمارے نزدیک کوئی عیب نہ رہی بلکہ ہماری عادت بن گئی مزید ستم ظریفی یہ کہ جب غیر مسلم

اقوام میں اسی نظم وضبط کو ہم دیکھتے ہیں تو بڑا اچھا لگتا ہے بڑا تعجب ہوتا ہے ان اقوام کی تعریف کرتے نہیں تھکتے لیکن یہ نہیں سوچتے کہ جانوروں سے بدتر زندگی بسر کرنے والوں نے یہ انسانی علامت اور خوبی کہاں سے پائی۔

دوستو! یہ ہمارا ہی ورثہ ہے جس پر وہ قابض ہیں یہاں ایک عنوان ہے ''عصبیت'' لسانی اور علاقائی عصبیت جو قوم کا شیرازہ بکھیر دیتی ہے ایک نظریہ اور ایک دین کو ماننے والے آپس میں قتل وغارت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ معاشرے میں امن وامان تباہ ہو جاتا ہے خود محافظ ہی اپنے گھروں کو جلا کر خاک کر دیتے ہیں پھر اپنے حکمرانوں کی گردنیں دباتے ہیں ان پر قیام امن میں ناکام ہونے کا الزام لگاتے ہیں قاتل ہی قاتلوں کی گرفتاری کا مطالبہ کرتے ہیں۔ غور فرمایئے کس قدر بھیانک صورت نظر آتی ہے صرف تصور ہی نہیں بلکہ یہ صورتحال ہم آئے دن اپنے معاشرے میں دیکھتے ہیں۔ روتے ہیں واویلا مچاتے ہیں لیکن کبھی اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنی حالت پر توجہ نہیں دیتے کہ مجرم کون ہے؟

دوستو! مجرم وہ ہے جو اپنے علاقے کو اپنی پہچان بتاتا ہے اپنی زبان کو دوسری پر برتری اور فوقیت کا ذریعہ سمجھتا ہے کوئی اس مجرم کو گرفتار کرے کہ یہی پوری قوم کا قاتل ہے۔ میرے آقا حضرت محمد ﷺ نے کعبہ میں موجود ۳۶۰ بتوں سے پہلے عصبیت کے بُت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ فرمایا کہ اگر یہ باقی رہتا تو کعبہ کے بت کبھی مسمار نہ کئے جاسکتے تھے۔ آپ ﷺ نے اس بت کو نیست ونابود کرنے کے لئے جو اقدام کئے، ادیانِ عالم میں اس کی نظیر نہیں ملتی کہ مدینہ منورہ پہنچ کر مسجد نبوی شریف کی تعمیر کے بعد آقا نے اپنے مہاجر وانصار غلاموں کو جمع کیا اور ان کے درمیان رشتہ اُخوت قائم فرمایا جو سارے رشتوں سے زیادہ مضبوط اور سب پر غالب رہا جس کے بعد نہ مہاجر، مہاجر رہے نہ انصار، انصار سب شیر وشکر ہوگئے

صرف ایک رشتہ باقی رہا اسلام کا رشتہ اسی رشتہ میں منسلک ہو کر سب نے متحد و منظم ہو کر پہلی اسلامی ریاست کی تعمیر کی جہاں امن وامان اور سکون کے سوا کسی چیز کو اہمیت حاصل نہ تھی اسی رشتہ میں منسلک ہو کر سب نے آقا علیہ السلام کے احکام کی تعمیل میں اسلام کی حفاظت کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائی، جب وہ دشمن کے مقابلے پر ہوتے تو مہاجر و انصار نہ ہوتے صرف مسلمان ہوتے صرف اللہ کے سپاہی ہوتے تھے اور اسی لئے غلبہ، فتح و نصرت اِن کا مقصد ہوتا تھا۔

بہر حال عزیزم! علامہ مفتی احمد میاں برکاتی سلمہ الباری نے نہایت اہم عنوانات پر قلم اٹھایا ہے اور جو کچھ لکھا ہے خوب لکھا ہے اس قدر جامع اور پر مغز لکھا ہے کہ ہر مضمون پر تفصیلی تبصرہ ایک ضخیم کتاب کی شکل اختیار کر سکتا ہے ظاہر ہے تبصرہ نگار کے لئے یہ حد سے تجاوز کرنا ہوگا۔ میں نے جو کچھ لکھا وہ ڈرتے ڈرتے لکھا، لیکن مجبور تھا کہ قلم رواں تھا، لکھتا چلا گیا اور جب صفحات پر نظر ڈالی تو گفتگو خاصی طویل ہو چکی تھی۔ تاہم ان باتوں کو عرض کرنا ضروری تھا سو عرض کر دیں ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ علامہ برکاتی کا قلم رواں، دواں رکھے، وہ اشاعتِ دین کا مزید کام کر سکیں لیکن ہماری خواہش ہے ہے کہ سب سے پہلے اپنے والدِ گرامی علیہ الرحمتہ کی تفسیر مکمل کرنے پر توجہ دیں تاکہ ہم بھی استفادہ کر سکیں۔ اللہ حامی و ناصر ہو۔

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ افضل الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

جناب پروفیسر رضی الدین احمد ذاکر جماعتی نقشبندی کراچی

مولانا غلام محی الدین خان المعروف مفتی احمد میاں برکاتی شیخ الحدیث والتفسیر دارالعلوم احسن البرکات حیدرآباد میرے استاد محترم حضرت خلیل العلماء مفتی محمد خلیل خاں القادری البرکاتی علیہ الرحمۃ والرضوان کے فرزندِ اکبر ہیں۔ موصوف نے دارالعلوم امجدیہ میں اکابر اساتذہ وعلماء اہل سنت علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمۃ اللہ علیہ۔ مفتی وقارالدین رضوی علیہ الرحمۃ۔ قاری محمد مصلح الدین علیہ الرحمۃ۔ مفتی سید شجاعت علی قادری رحمۃ اللہ علیہ۔ علامہ محمد حسن حقانی مدظلہ العالی سے شرف تلمذ حاصل کیا ہے۔ کافی حد تک اپنے ان اکابر اساتذہء کرام اور والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک وطریقہ کو بعینہ تھام رکھا ہے۔

راقم الحروف نے مفتی صاحب کی کتاب ''رسول اور نائبین رسول'' کا مسودہ دیکھا، ''رسول اور نائبین رسول'' میں مفتی صاحب نے اکابر علماء اہل سنت کے حالات وواقعات اور دینی وملی خدمات قلم بند کر کے عوام اہل سنت تک پہنچانے کی خوبصورت کوشش کی ہے۔ جیسا کہ کتاب سے ظاہر ہے کہ اس میں ریڈیائی تقاریر کا مجموعہ بھی ہے اور ریڈیائی تقریر میں مختصر

وقت میں بہت کچھ کہنا ہوتا ہے تاکہ سامع پورے طور سے استفادہ کرسکے۔ مفتی صاحب نے یہ ایک نیک قدم اٹھایا ہے کہ ان تقاریر کو زیور طباعت سے آراستہ کر کے سامعین سے قارئین تک پہنچا دیا ہے۔ اس طرح نہ صرف علمی خزینہ محفوظ ہوگیا بلکہ آج کے تیز رفتار دور میں کم وقت میں زیادہ معلومات فراہم کر کے تبلیغی ضرورت کو بھی پورا کیا ہے۔

دعا ہے کہ مولائے کریم عامۃ المسلمین و قارئین کو استفادہ کرنے کی توفیق ارزاں فرمائے۔

والسلام رضی الدین احمد

۵/صفر ۱۴۲۶ھ

۱۶/مارچ ۲۰۰۵ء

بروز بدھ

میرے ماموں صاحب؛ میرے آغا جان!

از: زوار احمد خاں اظہر قادری برکاتی

ایک عظیم شخصیت! جس نے حیدر آباد، کی تاریخ بدلنے میں نمایاں حصہ لیا

آج سے تقریباً ۵۵ سال قبل، میر پور خاص شہر میں، ۲۹ ستمبر ۱۹۵۱ء بیسویں صدی کے دوسرے نصف کے پہلے سال میں، ایک ایسے ہونہار سپوت کی پیدائش ہوئی۔ جسے آگے چل کر، پاکستان میں اسلامی نظام کے عمل کو، بڑھاوا دینا تھا۔ ایک سال سے بھی کم مدت میں، یہ ہونہار بچہ، اپنے والد گرامی، میرے نانا جان خلیل ملت، مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد خلیل خاں برکاتی قدس سرہٗ کے ہمراہ، حیدر آباد آ گیا۔ ۱۹۵۲ء میں نانا حضور نے، حیدر آباد میں سب سے پہلے مدرسہ، دارالعلوم احسن البرکات کی بنیاد رکھی، بسم اللہ کی رسم کے بعد، اسی دارالعلوم میں، اس ہونہار ولد نے، تعلیم قرآن کا آغاز کیا اور ناظرہ کے بعد گیارہ سال کی عمر میں حفظ القرآن مکمل کیا۔ درس نظامی کے ابتدائی تین سال اپنے والد گرامی اور دیگر اساتذہ کی خدمت میں مکمل کئے، پھر تکمیل درس کے لئے، کراچی دارالعلوم امجدیہ، تشریف لے گئے۔ ۱۹۷۳ء میں ۲۲ سال کی عمر میں، سند الفراغ حاصل کی، اسی سال فاضل عربی کیا۔ جس میں پورے کراچی میں تیسری پوزیشن لی۔ ۱۹۷۴ء میں میٹرک کیا۔ درس نظامی مکمل کرنے کے بعد، اسی ادارہ میں، تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ میر پور خاص میں پیدا ہونے والے اس فاضل نے، ۱۹۷۶ء میں، واپس اپنے شہر حیدر آباد کا رخ کیا، اور اس شہر کے باشندوں کی روحانی اور دینی خدمات کرنے میں گویا، حیدر آباد کی تاریخ بنانے میں، عملی طور پر حصہ لینا شروع کر دیا۔ اور

دارالعلوم احسن البرکات کو ہی اپنا مرکز رکھا۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی ان کے نام سے واقف نہ ہو، یہ ہیں ''میرے پیارے ماموں صاحب؛ میرے آغا جان'' محامد العلماء، آبروئے اہلسنت؛ شیخ الحدیث والتفسیر، شیخ الادب العربی، حضرت علامہ مفتی اعظم سندھ و بلوچستان مفتی احمد میاں برکاتی مدظلہ۔ آپ کی بدولت اس دارالعلوم سے بہت سے لوگ ہر طرح فیض یاب ہوئے، آپ کے بارے میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ آپ جامع صفات شخصیت ہیں، بیک وقت، تفسیر، حدیث، افتاء، خطابت، تصنیف، ترجمہ، عربی، فارسی، انگریزی سے بخوبی آشنا ہیں بلکہ، بہترین استاذ، اور تمام فنون کے درس کی مہارت رکھتے ہیں۔ نعت خوانی بھی آپ کی عادت ہے، شاعری سے گہرا شغف رکھتے ہیں۔ آپ کے مشہور شاگردوں میں درج ذیل علماء ہیں، مولانا محمد سعد اللہ بروہی، کوئٹہ۔ مولانا نور محمد، کوئٹہ۔ مفتی عبدالرحیم نقشبندی، شہداد پور۔ مفتی عبدالرشید نوری۔ مفتی سید عظمت علی شاہ نوری اور آپ کے بڑے صاحبزادے مفتی حماد رضا خاں نوری۔ مولانا حافظ قاری بشیر احمد، انگلینڈ، ودیگر۔

۱۹۸۵ء آپ کے لئے، غم کا سال ثابت ہوا، جب آپ کے والد گرامی حضرت خلیل العلماء، علامہ مفتی محمد خلیل خاں علیہ الرحمتہ والرضوان اس دنیائے فانی سے پردہ فرماگئے۔ ان کے بعد، آپ نے ایک ذمہ دار بیٹے کی طرح، اپنے والد گرامی کے خواب کو پورا کرنے کے لئے، دارالعلوم احسن البرکات کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی اور اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دینے لگے۔

آپ علوم جدیدہ سے بھی اچھی طرف واقف ہیں اور علم وتقویٰ کے ساتھ ساتھ بہت، خوش طبع، خوش اخلاق، فراخ دل اور ہمدرد شخصیت کے مالک ہیں، بہت محنتی ہیں، اور اپنے والد بزرگوار کی طرح شب و روز، دین اسلام کی خدمت میں کوشاں ہیں اور احسن

البرکات کی ترقی میں مسلسل مصروف ہیں۔

آپ تقویٰ، پرہیزگاری، علم وفضل میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ آپ نہ صرف یہ کہ علما کی صف اوّل کے سرخیل ہیں، بلکہ صحافی بھی ہیں۔ عربی اردو کے بڑے ادیب ہیں۔ حیدرآباد شہر کے نامی گرامی شاعر بھی ہیں۔ علوم نقلیہ وعقلیہ میں مہارت رکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ، لیاقت میڈیکل کالج واسپتال جام شورو سے نو ۹ مرد اور خواتین ڈاکٹر حضرت سے ایک مسئلہ پر، تحقیق کے لئے آ گئے، سوال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جُنبی آدمی (جب غسل فرض ہو) پر نہانا کیوں لازم رکھا ہے، صرف چھپانے کی جگہ کو دھوکر، پاک کرلینا کافی ہونا چاہئے۔ پورے بدن کو دھونا کیوں فرض رکھا گیا۔ آپ نے ڈھائی گھنٹہ کی گفتگو میں ان ڈاکٹرز کو، بہت سے عقلی دلائل دیکر، قائل کرلیا کہ واقعی، صحت کے نقطہء نظر سے بھی یہ غسل بہت ضروری ہے۔

۳ مارچ ۱۹۸۶ء/ ۲۱ جمادی الاخری ۱۴۰۶ھ، خانقاہ برکاتیہ کے عظیم فرزند، سجادہ نشین، احسن العلماء حضرت مفتی سید حسن میاں قادری برکاتی علیہ الرحمۃ، جب پاکستان تشریف لائے، تو خلیل العلماء کے قدموں کی طرف، سخی سیدنا عبدالوہاب شاہ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ شریف کے احاطہ میں، ایک بہت بڑے مجمع عام میں جس میں علماء وعوام بڑی تعداد میں موجود تھے، انہوں نے، مفتی احمد میاں برکاتی کو خلافت سے نوازا، اور تمام اذکار و اوراد واشغال واعمال کی اجازت عطا فرمائی۔ اس سے قبل نانا جان بھی، تمام اجازات وخلافت عطا فرچکے تھے۔ مگر حضرت احسن العلماء نے، سلسلہء قادریہ کے فروغ کا حکم فرمایا، اور اس طرح سلسلہء عالیہ قادریہ کے لئے ایک اور عظیم ہستی تیار ہوئی۔

پھر آپ نے، بیعت شروع کرکے، بے شمار لوگوں کو سلسلہء علیہ قادریہ میں داخل

کیا۔ اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ اور یہ سب نشانی ہے، میرے ''آغا جان'' کی خدمات قبول ہونے کی،

اے اللہ! اسے اور زیادہ فرما۔

میرے بڑے بھائی نے، آپ کی بہت سی کرامات کو دیکھا، اور مجھے آگاہ کیا۔ میں نے آپ کی کرامات واخلاق اور شخصیت کو دیکھتے ہوئے، اپنے آپ کو آپ کے در کا کتا بنالیا اور آپ کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر بیعت ہو کر، اپنے آپ کو سلسلہ قادریہ برکاتیہ میں، حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔

اس ناچیز نے، آپ کی خدمات کو، خراج محبت پیش کرنے کے لئے، یہ چند سطور قلم بند کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور ہم سب کو آپ کے طفیل، کرم و فضل سے مالا مال فرمائے اور آپ کے فیض سے مستفیض ہونے کی توفیق عنایت کرے۔

آمین

خادم وسگِ برکات

زوار احمد خان اظہر۔ حیدر آباد

۲۵/اپریل ۲۰۰۶ء

صاحب خلق عظیم

۲۰ اگست ۷۴ءکوتحریر کیا گیا

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کو رہبر، راہنما اور حاکم بنایا تو اس ذمہ داری کو پور کرنے کی زبردست صلاحیتیں بھی عطا فرمائیں جن سے وہ ہر سختی کا مقابلہ کر کے ناسازگار حالات کے باوجود کام کرتے رہے اور قوموں تک پیغام الٰہی پہنچاتے رہے ان میں سب سے اہم اور بنیادی خوبی ''حسن اخلاق'' ہے کیونکہ اسکے بغیر کسی قوم کو راہ راست پر لانا تو درکنار کسی فرد سے بھی اپنی بات نہیں منوائی جا سکتی۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو حسنِ اخلاق سے اس قدر آراستہ ومزین کیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے قوم کے مظالم اور زبردست زیادتیوں کے باوجود احکامِ الٰہی پہنچانے کی ذمہ داری پوری کی اور صبر واستقامت، امانت وصداقت اور شفقت ومحبت کے ساتھ وہ اپنا کام کرتے رہے۔

یہ واضح حقیقت ہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داریاں گذشتہ انبیاء کی نسبت بہت زیادہ اور ان کا کام اپنے پیشرو حضرات کے مقابلہ میں بہت سخت تھا۔ اسلئے آپ کو صلاحیتیں اور خوبیاں بھی سب سے زیادہ دی گئیں۔ جس خوبی کا تذکرہ یہاں مقصود ہے اس کی کیفیت یہ تھی کہ حسن اخلاق کا کوئی ایک حصہ آپ میں نہ تھا بلکہ آپ کی ذات اس خوبی کا علم اور نشان تھی اور آپ خود ہی حسنِ اخلاق کا سرچشمہ ہیں۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ نے کسی دوسرے شخص سے یہ خوبی حاصل کی یا سیکھی۔ جب کہ اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ مسلم وغیر مسلم سب ہی نے اخلاق حسنہ، کردار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ

وسلم سے سیکھے۔ ان کی زندگی میں کہیں کوئی عیب یا نقص نہیں مل سکتا بلکہ آپکا ہر عمل، ہر ادا اور ہر قول انسانیت کی فلاح کا ضامن ہے۔

آپ ارشاد فرماتے ہیں:

بُعِثتُ لِاُتَمِّمَ	میں محاسن اخلاق کی
مَکَارِمَ الْاَخْلَاق	تکمیل ہی کے لئے بھیجا گیا ہوں

یعنی مقاصد بعثت میں سے ایک عظیم مقصد آپ کی بعثت کا یہ بھی ہے کہ دنیا والوں کو بتایا جائے کہ حسنِ اخلاق کیا ہوتا ہے اور جو لوگ اپنے آپ کو حسن اخلاق کے زیور سے آراستہ و مرصع کرتے ہیں تو وہ کس طرح عظمت و بلندی کا مقام پاتے ہیں حقیقتاً اچھے اخلاق ہی کسی قوم کی خوشحالی اور سیاسی و معاشی آسودگی کا ذریعہ ہیں ہمارا یہ دور شاہد ہے کہ اخلاق کے انحطاط نے ہمیں کتنا کمزور کر دیا ہے، بدحال کر دیا ہے۔ ہمارے دور کی اصل الجھن گرانی، رشوت ستانی، ظلم وستم، سیاسی بحران، بے روزگاری اور باہمی نفرت نہیں بلکہ حسن اخلاق کا فقدان ہے جس کو ہم تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا کر حاصل کر سکتے ہیں اور اپنے تمام مسائل حل کر سکتے ہیں۔ آپ دنیا میں بھیجے ہی اس لئے گئے ہیں کہ ان کی زندگی کو نمونہ بنایا جائے اور ان کے نقش قدم پر چلا جائے میرے آقا کے حسن اخلاق کا اعلان قرآن کریم اس طرح فرماتا ہے۔

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ

اس خلق عظیم کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ حضور علیہ السلام نبوت کے دسویں سال قبیلہ بنی ثقیف کو دعوت اسلام دینے طائف تشریف لے گئے جہاں آپ کو سخت اذیت کا مقابلہ کرنا پڑا۔ بدنصیبوں نے ایسا پتھراؤ کیا کہ جسم

اطہر لہولہان ہو گیا اور آپ کی نعلین مبارک تک خود آلودہ ہو گئیں۔ واپس تشریف لائے تو راستوں میں پہاڑوں کے فرشتے نے آپ کو اس حالت میں دیکھ کر عرض کیا

''یارسول اللہ اگر اجازت ہو تو ان ظالموں پر اخشبین (دو پہاڑ) الٹ کر تباہ کر دوں؟'' آپ نے منع فرمایا اور اُمید ظاہر کی کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایمان والے پیدا فرمائیگا۔

محبوبۂ سید المرسلین اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے عرض کی کہ حضور کے اخلاق کے بارے میں فرمایئے، آپ نے فرمایا تو دنیا کی سب چیزیں گن دے عرض کی دنیا کی سب چیزیں کون گن سکتا ہے آپ نے جواب دیا حق تعالیٰ دنیا کو قلیل اور خلق محمدی کو عظیم فرماتا ہے جب تمام دنیا شمار میں نہیں آسکتی تو آپ کے خلق عظیم کا بیان کس سے ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرآن — کہ حضور علیہ السلام کے عادات و اطوار قرآن کریم ہی تھے

قرآن کریم نے رحم کی دعوت دی تو حضور علیہ السلام نے رحم کر کے دکھایا، قرآن کریم نے عفو و درگزر کی تعلیم دی تو آپ نے صرف اپنوں ہی کی نہیں بلکہ غیروں اور دشمنوں کی بھی خطاؤں اور غلطیوں کو معاف فرمایا، قرآن کریم نے عدل و انصاف کا حکم دیا تو آپ نے ہر حالت میں عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا چاہے اس سے اپنوں کو فائدہ ہو یا نہ ہو۔ قرآن کریم نے بڑوں کا احترام کرنے اور چھوٹوں سے شفقت و محبت سے پیش آنے کا حکم دیا تو آپ کا یہی عمل

رہا۔قرآن کریم نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی آپ نے وہی اختیار فرمایا، غرضیکہ حقوق اللہ یا حقوق العباد، انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی، دینی معاملات ہوں یا دینوی، حضور علیہ السلام کی زندگی کے تمام شعبے ہمارے سامنے ہیں جو قرآن کریم کے عین مطابق ہیں۔

ایک مرتبہ بعض صحابہ کرام نے کفار کے مظالم سے تنگ آ کر عرض کیا

''یارسول اللہ! آپ مشرکین کیلئے بددعا فرمائیں''

آپ نے فرمایا

''میں لعنت کرنے والا بنا کرنہیں بھیجا گیا ہوں میں تو تمام جہانوں کیلئے رحمت بن کر آیا ہوں''

حضرت طفیل ابن عمرو کو حضور علیہ السلام نے قبیلہ دوس میں اسلام کی تبلیغ کرنے کیلئے بھیجا وہ واپس حاضر ہوئے اور عرض کی:

''یارسول اللہ قبیلہ دوس ہلاک ہو گیا کیونکہ انہوں نے دعوت اسلام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔بس اب آپ ان کی تباہی کیلئے دعا کریں''

لوگوں کو خیال ہوا کہ آپ ضرور بددعا کرینگے۔آپ نے ہاتھ اٹھائے اور بارگاہ الہی میں اس طرح عرض کیا:۔

اللّٰھُمَّ اھدِ دَوْسًا	اے اللہ قبیلہ دوس کو ہدایت
اتِ بھم مُسْلِمًا	دے اور انہیں مسلمان کر کے لا

(مسلم مناقب دوس)

حضرت عبداللہ بن عمر نے بیان کیا کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا ''یارسول اللہ ہم اپنے خادم کو دن میں کتنی دفعہ معاف کیا کریں

آپ خاموش رہے۔ دوبارہ اُس شخص نے یہی سوال کیا پھر بھی خاموش رہے تیسری مرتبہ پھر اس نے پوچھا تو آپ نے فرمایا ''ستر بار'' یعنی اگر تمہارا غلام ایک دن میں ستر بار بھی غلطی کرے تو بھی تم اس کو معاف کر دیا کرو''۔

(ابوداؤد کتاب الادب باب حق المملوک)

نبی کریم علیہ السلام کے اخلاق و عادات کے یہ چند واقعات آپ کی زندگی کے ہر پہلو کو نمایاں کرنے اور یہ واضح کر دینے کیلئے کافی ہیں کہ آپ کی ذات سرچشمہ اخلاق اور پیکر اخلاق ہے اور آپ کی یہی خوبی ہے جس نے آپ کو دنیا اور تاریخ انسانیت کے خود ساختہ لیڈروں اور مصلحین سے ممتاز کیا اور دنیا کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ بلاشبہ آمنہ کے گھر میں پیدا ہونے والا یہ یتیم بچہ، عرب کے ریگستانوں میں پروان چڑھنے والا یہ عظیم انسان ہی درحقیقت انسانیت کا مصلح، رہبر اور رہنما ہے۔ اس نے دنیا کو جو درسِ اخلاق دیا اس کی نظیر نہ آج تک پیش کی جا سکی اور نہ قیامت تک اس جیسا محسن انسانیت پیدا ہو سکتا ہے۔

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اُمت مسلمہ پر یہ عظیم احسان ہے کہ انہوں نے دیگر امہات المومنین کی بہ نسبت سب سے زیادہ حضور علیہ السلام کے عادات و اخلاق امت تک پہنچانے کا کام کیا۔ آپ نے فرمایا ''نبی کریم علیہ السلام کبھی کسی کو بُرا نہ کہتے تھے، برائی کے بدلے برائی نہ کرتے تھے بلکہ درگذر کرتے تھے اور معاف فرما دیتے تھے''۔

(جامع ترمذی و شمائل ترمذی)

یہ پیکر اخلاق صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت سے بھی یہی چاہتے ہیں کہ وہ بھی اچھے اخلاق و کردار کو اپنائے اور ''خیر امت'' کی حیثیت سے دنیا کے سامنے

اعلیٰ وکامیاب زندگی گذارنے کا نمونہ پیش کرے۔ اس لئے تو آپ نے فرمایا۔

اَکْمَلُ الْمؤ مِنِیْنَ اِیْمَانًا — مومن کامل وہ ہے جس کے

اَحْسَنُھُمْ خلُقًا — اخلاق اچھے ہوں۔

(مشکوۃ شریف)

نبی کریم علیہ السلام نے ہر حال میں خدا کی مخلوق سے حسن اخلاق، میل ومحبت اور نرمی کے ساتھ پیش آنے اور اچھا برتاؤ کرنے کی تعلیم دی اور آپ نے اپنی زندگی میں اس حقیقت کو ایک نمونہ کے طور پر پیش فرمایا کہ ایک انسان دنیاوی اور ظاہری وسائل نہ ہوتے ہوئے بھی صرف اپنی اچھی عادتوں اور بہترین اخلاق سے اپنے مقصد کو حاصل کرسکتا ہے۔ اپنے عزائم کی تکمیل کرسکتا ہے اور بگڑی ہوئی قوم چاہے کتنی ہی سخت ہو اس کو راہِ راست پر لاسکتا ہے۔ بلا شبہ آپ کا کمال حسن اخلاق اتنا عظیم تھا جس نے آپ کی شخصیت کو دیگر انبیاء کرام علیہم السلام سے ممتاز کردیا۔ اسی حق بات کو صاحب قصیدہ بردہ شریف نے ان الفاظ میں بیان کیا:

فَاقَ النَّبِیّیْنَ فِیْ خَلْقٍ وَّفِیْ خُلُقٍ — وَلَمْ یُدَا نُوْہُ فِیْ عِلْمٍ وَّلَا کَرَمٖ

"نبی کریم علیہ السلام کو خلقت اور اخلاق میں انبیاء پر فوقیت حاصل ہوئی اور ان کا سا علم اور ان کا سا کرم کسی کو نصیب نہ ہوا۔"

ھادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی
کی خانگی زندگی

خانگی زندگی کا اکثر تعلق عورت سے ہوتا ہے اور عورت اسلام سے پہلے بڑی مظلوم تھی، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے اس مظلوم گروہ کی وہ حق رسی ہوئی کہ دنیا کے کسی مذہب میں نہیں پائی جاتی۔ اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے عزت واحترام کے دربار میں عورت کو مردوں کے برابر جگہ دی اور بہت سے مفاسد کا انسداد فرمایا۔ باری تعالیٰ عزاسمہٗ نے فرمایا:

وعاشر وھن بالمعروف (نساء ع ۳) — عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے سے بود باش رکھو۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے

خیر کم خیر کم لا ھلہ وانا خیر کم لا ھلی (ابن ماجہ ترمذی دارمی) — تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے اہل کیلئے سب سے اچھا ہو اور میں اپنے اہل کیلئے تم سب سے اچھا ہوں

عورتوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اس قدر تھی کہ اگر آپ نماز کی حالت میں کسی بچہ کی آواز سنتے تو اس کی ماں کی مشقت کے خیال سے نماز میں تخفیف فرماتے (بخاری)

آپ کے ایک غلام سیاہ فام انجشہ نام کے تھے وہ اونٹوں کے آگے حدی پڑھا کرتے تھے ایک دفعہ سفر میں ازواج مطہرات ساتھ تھیں اونٹ تیز

چلنے لگی تو حضور نے فرمایا:

وَیُحَکَ یا اَنُجَشَہ رُوَیدکَ بالقواریر (بخاری)
انجشہ دیکھنا! شیشوں کو آہستہ لے چل۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کافی مزاح اور خوش طبعی فرماتے اور فرماتے کہ اللہ رب العزت صحیح اور درست مزاح کرنے والے پر مواخذہ نہیں فرماتا:۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب بدن میں ہلکی تھیں تو حضور علیہ السلام نے ایک سفر کے دوران ان کے ساتھ دوڑ لگائی حضرت عائشہ آگے نکل گئیں، حضور خاموش رہے اور حضرت عائشہ یہ واقعہ بھول گئیں کافی عرصہ بعد جب حضرت عائشہ کا بدن بھاری ہوگیا تو حضور نے ایک سفر میں پھر دوڑ لگائی اور اس مرتبہ آپ آگے نکل گئے تو ہنستے ہوئے فرمایا عائشہ یہ اس دن کا بدل ہے۔

حضور علیہ السلام اپنی ازواج مطہرات سے بہت محبت فرماتے تھے۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا کی اشیاء میں سے خوشبو اور عورت میرے لئے پسندیدہ بنائی گئی ہیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور سرور قلب فقط نماز میں رکھا گیا ہے۔

کبھی کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کو لوگوں کے قصص و واقعات بھی سنایا کرتے تھے جیسا کہ حضرت عائشہ نے بیان فرمایا ہے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ازواج مطہرات پر شرعی پردہ کے ساتھ بعض جنگی کرتب دیکھنے کی اجازت تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ حبشی لوگ

آئے اور وہ عید کے دن مسجد کے ساتھ احاطہ میں خالی جگہ پر لوک کھیل سے عید کی خوشی کا اظہار کرنے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا میں نے اپنا سر آپ کے کندھے پر رکھ دیا اور ان کا کھیل دیکھنے لگی حتی کہ تھک کر وہاں سے لوٹی آپ نے مجھے لوٹ جانے کا حکم نہیں دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی بہت سادہ تھی مگر اس سادگی میں بھی آپ تمام اہل خانہ کا بہت خیال رکھتے تھے جب نماز عصر ادا فرماتے تو سبھی ازواج کے ہاں تشریف لے جاتے اور ان کو سلام فرماتے خیر و عافیت دریافت فرماتے اور ضروریات معلوم کر کے ان کو پورا فرماتے۔ آپ کے گھریلو استعمال میں جو بستر استراحت تھا وہ چمڑے کا بنا ہوا تھا اور اس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ آپ کے پاس ایک چٹائی تھی دن میں اس کو بچھایا جاتا اور رات کو اسے اعتکاف کی صورت میں اردگرد کھڑا کر کے پردہ بنا لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی خانگی معاملوں میں حضور کے نقش قدم پر چلائے (آمین)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں کی نظر میں

رسول اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ، ان کی شخصیت، اور تعلیمات پر ہر زبان اور ہر ملک میں کتابیں موجود ہیں آپ کی سیرت طیبہ کا ایک ایک پہلو زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے اور ہمارے ہر مسئلہ زندگی کیلئے مستقل راہ ہے۔ آپ کی قدسی صفات شخصیت نے غیر مسلموں کو بھی اپنی دلکشی اور جاذبیت سے متاثر کیا ہے۔

دنیا میں سچا مذہب اور سچا رسول صرف وہی ہے جس کی سچائی، پاکبازی اور حق پرستی کے معترف نہ صرف اس کے اپنے پیرو ہوں۔ بلکہ اس مذہب کے مخالفین بھی اس کی صداقت کا اعتراف کریں۔

رسول اللہ کی ذات اقدس نے غیر مذاہب کے رہنماؤں پر کس قدر گہرا اثر کیا ہے اس کا اندازہ غیر مسلم زعما اور مستشرقین علماء کی ان تحریروں سے بخوبی ہو سکتا ہے جو مختلف کتابوں میں بکھری ہوئی ہیں۔

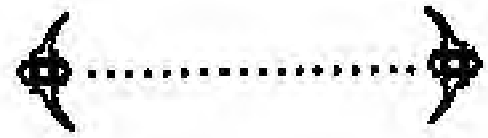
اگر چہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام اور سیرت طیبہ سے متعلق اصل مغرب کا رویہ صدیاں گذر جانے کے بعد بھی، عداوت کا آئینہ دار ہے اور مستشرقین خواہ بیسویں صدی کے سند یافتہ عالم ہوں یا قرون وسطی کے نیم خواندہ لوگ۔ آج تک یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ سیرت کے بغیر مذہب اسلام کا مطالعہ نا ممکن ہے اور اسی وجہ سے ایک عرصہ تک یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے متعلق ہر ممکن غلط بیانی کو عین تاریخی واقعہ کی شکل میں پیش کرنے کا

کام انجام دیتے رہے لیکن بالآخران لوگوں کو اعتراف کرنا پڑا کہ ’’محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی شک کے تمام پیغمبوں میں سب سے باکمال پیغمبر تھے‘‘ مسٹر کارلائل کے ان الفاظ میں یہ جملہ بھی موجود ہے کہ ’’اس عظیم انسان نے جو نصیحتیں کی ہیں وہ دنیا میں اربوں انسانوں کیلئے باعث ہدایت بنی ہیں‘‘۔ نپولین بوناپارٹ کا کہنا ہے کہ ’’آپ نے زندگی، محنت پسندی اور عُسرت میں بسر فرمائی لیکن دنیا میں کسی تاجپوش شہنشاہ کے احکام کی بھی ایسی اطاعت نہیں کی گئی جیسی پیوند پوش حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کی گئی‘‘۔ جارج برناڈ شا کا اعتراف ان الفاظ میں ملتا ہے ’’میں رسول اکرم حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کو ہمیشہ ہی عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں میری رائے میں آپ پوری بنی نوع انسان کے محافظ تھے‘‘۔ جارج برناڈ مزید یوں گویا ہوئے کہ آنے والے سو سالوں میں ہماری دنیا کا مذہب اسلام ہوگا مگر یہ موجود زمانے کا اسلام نہ ہوگا بلکہ وہ اسلام ہوگا جو محمد رسول اللہ کے زمانے میں دلوں، دماغوں اور روحوں میں جاگزیں تھا‘‘۔ اسفاڈک برگرونج کا کہنا ہے کہ ’’اسلام میں وہ صداقت موجود ہے جو عیسائیت سے سبقت لے گئی ہے‘‘۔ نکولس اس طرح دربار رسالت میں اعتراف عظمت کرتا ہے ’’مجھے یقین ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت بے ریا، نہایت سچے اور پُرجوش مصلح تھے اور ان پر بھی سچی وحی آئی تھی‘‘۔ پروفیسر باسورتھ اسمتھ اپنی کتاب محمڈ اینڈ محمڈن ازم میں یوں لکھتے ہیں ’’میرے خیال میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے متعلق تعجب خیز امر یہ ہے کہ انہوں نے قوت معجزہ سے کچھ نہیں کیا بلکہ جو وہ کر سکتے تھے وہی کہتے تھے اور مجھے یقین ہے کہ فلسفہ اور عیسویت ایک دن اتفاق کامل کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو

تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے"۔ ڈاکٹر ڈاڈسن کا کہنا ہے کہ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں نبوت کی دو بڑی نشانیاں موجود ہیں ایک وصل الی اللہ دوم سچائی کی طاقت"۔ ان کے علاوہ سینکڑوں مستشرقین، خاتم النبیین کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرتے نظر آتے ہیں۔ دوسرے غیر مسلمین بھی اس صف میں پیچھے نہیں رہے۔ چنانچہ بھارت سماچار کے ایڈیٹر پنڈت گوپال کرشن کا کہنا ہے "حضرت محمد صاحب کی تعلیمات سے ظلم وستم کے عادی لوگ ایسے دیالو (رحمدل) ہو گئے کہ دنیا کی کھوئی ہوئی سلامتی اور اس کا امن دوبارہ قائم ہوا"۔ ماسٹر شنکر داس صاحب گیانی نے لکھا کہ "محمد صاحب اپنے اندر ایسی چمکدار خوبیاں اور من موہنے اوصاف رکھتے تھے کہ جنہوں نے عرب کے بدوؤں کو بھی رام کر لیا"۔ ہنود کے مشہور لیڈر گاندھی جی ان الفاظ میں نذرانہ پیش کرتے ہیں "میں یقین سے کہتا ہوں کہ اسلام بہ زور شمشیر نہیں پھیلا، بلکہ اس کی اشاعت کے ذمہ دار، رسول عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایمان، ایقان، ایثار اور اوصاف حمیدہ تھے، ان صفات نے لوگوں کے دلوں کو مسخر کر لیا تھا"۔ دیوان سنگھ مفتوں کی گواہی ان الفاظ میں ہے کہ جن ہونٹوں سے الفاظ افضل الجہاد کلمۃ الحق عند سلطان جائر (افضل جہاد، ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے) نکلے ہیں ان ہونٹوں کی قدر وقیمت کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا"۔ پنڈت سندر لال نے ایک طویل گفتگو میں آپ کے اخلاق حسنہ کو مثالوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔ رانا بھگوان داس نے لکھا ہے کہ "حضرت احمد مجتبٰی کی سیرت مقدسہ کو خلاق اکبر نے بنی نوع انسان کیلئے نمونہ بنا کر پیش فرمایا ہے"۔ ہنود کے بہت سے شعراء نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے پہلوؤں پر منظوم، ہدیہ، عقیدت پیش کیا ہے۔ ایک شاعر

پنڈت جگن ناتھ پرشاد کے اس شعر پر ہم اپنی گفتگو ختم کرتے ہیں۔

مدح حسن مصطفیٰ ہے کہ ایک بحر بیکراں
اس کے ساحل تک کوئی شیریں بیان پہنچا نہیں



یہ تقریر اسلام آباد سے صبح کے قومی پروگرام میں ۲۴ جون ۲۰۰۱ کو ریڈیو پاکستان سے نشر ہوئی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل

ملائکہ مرسلین اور مقرب فرشتوں کے سرداروں کے بعد، عزت و منزلت اور رب العالمین کی بارگاہ قبولیت میں، مقام قُرب پر، سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور اہل بیت کرام فائز ہیں اور تمام مادرانِ اُمت، بانوان رسالت یعنی امہات المومنین، ازواج مطہراتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و علیھن وسلم صحابہ کرام کے زمرے میں داخل ہیں کہ صحابی ہر وہ مسلمان ہے جو حالتِ اسلام میں اس ذات حق رسا وحق بیں کی زیارت سے مشرف ہوا اور اسلام ہی پر دنیا سے گیا۔ مرد ہو خواہ عورت۔ بالغ ہو خواہ نابالغ۔

حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب ازواج مطہرات، طیبات، طاہرات دنیا و آخرت میں حضور ہی کی بیویاں ہیں۔ خود رب العالمین کو جناب ام المومنین محبوبہ سید العالمین طیبہ طاہرہ، عفیفہ حضرت عائشہ صدیقہ بنت جناب صدیق اکبر سے محبت کا یہ عالم ہے کہ حدیث قدسی میں ان کے حق میں ارشاد ہوا ''یہ حضور کی بی بی ہیں دنیا و آخرت میں'' (اعتقاد الاحباب امام احمد رضا خان)

جب اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ اس کے محبوب، حضرت عائشہ سے نکاح فرمائیں تو ان کی تصویر بہشتی حریر میں حضور کو دکھائی گئی چنانچہ بخاری کی روایت ہے:۔

عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لھا اریتک فی المنام مرتین اری انک فی سرقۃ من حریر ویقول ھذہ امراتک فاکشف عنھا فاذا ھی انت فاقول ان یک ھذا من عند اللہ یمضہ (بخاری ھجرت، تزویج عائشہ باب مناقب الانصار)

ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا مجھے خواب میں تجھے دوبار دکھلایا گیا میں نے تم کو دیکھا، ریشمی کپڑے کے ٹکڑے میں اور کہنے والا کہتا ہے کہ یہ آپ کی زوجہ ہیں اب میں اسے کھولتا ہوں تو وہ تم ہو میں کہتا ہوں اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو ہو کر رہیگا۔ (نزہۃ القاری ص ۲۳۱ ج ۷)

صحیح روایت یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات رمضان ۱۰ نبوی میں ہوئی اور ہجرت کے ایک سال قبل حضرت عائشہ سے نکاح ہوا اور واقعہ بدر کے بعد ۲ ھ میں زفاف ہوا، حضرت عائشہ سے نکاح سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ سے نکاح فرمایا تھا۔ نکاح کے وقت حضرت عائشہ کی عمر شریف چھ سال تھی اور رخصتی کی وقت نو سال کی۔

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ کی فضیلت اور رفعت منزلت کے اظہار کیلئے اتنا ہی بہت کافی ہے کہ جب ایک موقعہ پر آپ سیدہ کی ذات پر تہمت جوڑی گئی تو ان کی عفت و پاکدامنی کی گواہی خود رب کریم نے دی اور قرآن کریم کی سترہ آیات نازل فرمائیں اور ان کو خصوصیت کے ساتھ الطیبات کے کلمے سے ذکر فرمایا اور ان کی معیت میں دوسروں کیلئے بھی دنیا و آخرت میں

مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا۔ان آیات سے جو سورۃ نور میں ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا کمال فضل وشرف ثابت ہوا کہ وہ طیبہ طاہرہ ہیں۔

خود جناب ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ مجھے نو (9) خصوصیتیں ایسی ملی ہیں جو کسی اور کو نصیب نہ ہوئیں وہ یہ ہیں:۔

۱۔ جبریل امین علیہ السلام میری تصویر ایک حریر پر بارگاہ رسول میں لائے اور عرض کیا یہ آپ کی زوجہ ہیں۔

۲۔ جب میں حضور کے عقد مبارک میں لائی گئی تو باکرہ تھی اور میرے سوا کسی باکرہ (یعنی کنواری) سے آپ نے نکاح نہ فرمایا۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف میری گود اور میری باری میں ہوئی۔

۴۔ آپ کی قبر انور اور آخری آرام گاہ میرے ہی حجرے کو قرار دیا گیا۔

۵۔ بعض اوقات ایسی حالت میں حضور پر وحی کا نزول ہوا کہ میں آپ کیساتھ آپ کے لحاف میں ہوتی۔

۶۔ میں اُن کے صدیق و یارِ غار اور آپکے پہلے خلیفہ کی بیٹی ہوں۔

۷۔ میری برأت میں آیات قرآنیہ نازل ہوئیں۔

۸۔ میں پاک وصاف طیبہ وطاہرہ پیدا ہوئی۔

۹۔ مجھ سے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا گیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کیلئے حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت خیر النساء بی بی سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو حکم فرمائیں۔ ”فاطمہ تو مجھ سے محبت رکھتی ہے تو عائشہ سے بھی محبت رکھ کہ میں اسے چاہتا ہوں“۔ فقال

"احبی هذه"۔ سوال ہوا سب آدمیوں میں حضور کو محبوب کون ہیں جواب عطا ہوا عائشہ۔

وہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جن کا محبوبہ رحمۃ اللعالمین ہونا آفتاب نیم روز سے بھی زیادہ روشن ہے۔ وہ ام المومنین کہ جبرئیل امین انہیں سلام کریں اور ان کے کاشانہ عزت وطہارت میں بغیر اجازت کے حاضر نہ ہو سکیں۔ وہ ام المومنین کہ اگر کسی سفر میں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر ان کے جائیں تو ان کی یاد میں وَاعُرُوْسَا فرمائیں۔ وہ ام المومنین کہ کوزے میں جہاں منہ رکھ کر عائشہ صدیقہ پانی پئیں حضور اسی جگہ اپنے لب اقدس رکھ کر وہیں سے پانی پئیں۔ یہ وہی صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں جن کی ولادت اسلامی خون سے ہوئی اور جنہوں نے اسلامی شیر سے پرورش پائی۔ یہ تمام امہات المومنین میں وہ طیبہ ہیں جن کی شادی کا اہتمام خطیرہ القدس میں کیا گیا اور حضور نے اس شادی کو منجانب اللہ قرار دیا۔

یہ وہی صدیقہ علیہ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں:۔

فضل عائشه علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام (بخاری نزمۃ ۱۸۵ ج ۷) عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسے ہی ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر

اور اس فضیلت کیوجہ آپ کے وہ کمالات روحانیہ ہیں جن کی وجہ سے ان کا منصب بارگاہ الٰہی میں نہایت بلند تھا اور ان ہی کمالات کی وجہ سے آپ کو انوار نبوت سے بدرجہ اتم منور ہونے کی قابلیت حاصل ہو گئی تھی۔

یہ وہی بابرکت، ذی مرتبت، اعلیٰ منزلت، والا درجت، نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کی رفیقۂ حیات اور مسلمانوں کی مقدس اور قابل ہزار احترام ماں ہیں جن کے بارے میں صحابہ کرام یوں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے جب بھی کوئی آپ کی ناگواری کی بات سامنے آئی تو اللہ تعالیٰ نے خود اس میں وضاحت فرمائی اور مسلمانوں کیلئے بھی اس میں برکت ہی برکت پائی گئی (بخاری)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ جب کوئی نہایت پیچیدہ اور مشکل مسئلہ صحابہ کرام میں آ پڑتا تو وہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جانب رجوع کرتے اور ان کے پاس اس سے متعلق ضرور علم پایا جاتا تھا۔ آپ نے ۶۳ سال کی عمر میں ۱۷ رمضان المبارک ۵۷ ھج کو مدینہ طیبہ میں اجل طبعی سے وفات پائی اور جنت البقیع میں استراحت فرمائی۔ وما علینا الا البلاغ۔

۴، ربیع الاول ۱۴۲۲ ھج

۲۸ مئی ۲۰۰۱ء

رفیق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وہ ہستی ہیں جن سے افضل انبیاء کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ سلف صالحین اور محدثین کے علاوہ یورپی ماہرین علم نے بھی حضرت صدیق اکبر کی ذات پر بکثرت تصانیف پیش کی ہیں۔ اور اتنا کچھ لکھ دیا ہے کہ اس کے آگے شاید ہم جیسے ناکارہ تو نہ لکھ سکیں۔ ان ہی تصانیف وسیر کی کتابوں سے چند مدحیات پیش خدمت کی ہیں تاکہ ہر چھوٹا بڑا مختصر طور پر اپنے ذہن میں سیرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بآسانی رکھ سکے۔

نام ونسب اور پیدائش

آپ کا نام قبل اسلام عبدالکعبہ تھا اور بعد اسلام عبداللہ۔ کنیت ابوبکر اور لقب صدیق وعتیق ہیں۔ آپ کی پیدائش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو سال چھ ماہ بعد مکہ میں قبیلہ قریش کے خاندان بنو تمیم میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام عثمان اور ان کی کنیت ابوقحافہ تھی یہ حضرت ابوبکر کے اسلام لانے کے کافی عرصہ بعد ۸ ھ میں فتح مکہ کے موقعہ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضرت ابوبکر کی والدہ کا نام سلمٰی اور کنیت ام الخیر تھی۔ قریشی تمیمی تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے مشرف بہ اسلام ہوئیں۔

خصوصیات صدیق اکبر

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ بعض خصوصیات کی وجہ سے تمام

صحابہ کرام میں ایک امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) مردوں میں آپ سب سے پہلے شخص ہیں جسے اسلام کی دعوت پر لبیک کہنے کالا فانی اور زندہ جاوید شرف حاصل ہوا۔ (2) ہجرت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق بنے اور حضور نے آپ ہی کو ہمسفری کا شرف بخشا۔

(3) نماز میں آپ کے ساتھ رہ کر ثانی اثنین کا خطاب اللہ رب العزت سے پایا۔ (4) جب ساری قوم عرب نے حضور کی تکذیب کی تو صدیق اکبر نے تصدیق کی۔ (5) جب سب نے حضور کو بے مدد چھوڑا تو آپ نے ہی غمخواری کی اور اتباع کی۔ (6) بدر کے دن جب عریش (سائبان جہاں سرور کائنات آرام فرماتے تھے) میں حضور تنہا رہ گئے تو صدیق اکبر ساتھ تھے۔ (7) قبر انور میں بھی حضور کے بعد صدیق اکبر تشریف لے گئے۔ (8) حشر میں حوض کوثر پر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہوں گے۔ (9) تمام لوگوں سے حساب لیا جائیگا مگر ابو بکر صدیق سے حساب نہ ہوگا۔ (10) حضور کی امت میں سب سے پہلے صدیق اکبر جنت میں داخل ہونگے۔ (11) واحد صحابی ہیں جن کی چار پشتوں کو صحابی ہونے کا شرف حاصل ہے (12) حضور کے بعد امت پر سب سے بڑے مہربان ابو بکر صدیق ہیں۔ (13) تمام صحابہ میں سب سے افضل ہیں۔ (14) حضور کی بات کو سب سے زیادہ اور جلدی سمجھنے والے ہیں۔

(15) حضور نے اپنی حیات طیبہ میں آپ کو امامت کیلئے مقرر کیا۔

(16) عرب بالخصوص قریش کے نسب کو جاننے میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔

(17) اللہ رب العزت نے حضور کو حکم فرمایا تھا کہ اپنے خوابوں کی تعبیر ابو بکر

سے دریافت فرمایا کریں۔(18) حضور جب تک مکہ میں تشریف فرما رہے حضرت ابو بکر کے گھر صبح و شام تشریف لے جاتے رہے۔(19) حضور اپنے تمام معاملات میں مشورے کیلئے ابو بکر ہی کو ترجیح دیتے تھے۔(20) اسلام کی ہر آزمائش میں بھی سب سے بہتر طور پر پورے اترتے تھے۔ (21) ثبات قدم میں آپ کا کوئی مثل اور نظیر نہ تھا۔(22) یقین کامل کی دولت سے آپ سے بڑھ کر کوئی مالا مال نہ تھا۔(23) حضور اکرم کے معراج جسمانی کی خبر کو آپ نے بغیر کسی تردد، تذبذب اور تفکر کے قبول کیا (24) آپ تنہا وہ شخص تھے جنہوں نے حضور کے اہل مکہ سے وہ رعایت کرنے پر جو صلح حدیبیہ کے نام سے موسوم ہے اطمینان کا اظہار کیا جبکہ دیگر تمام صحابہ اس صلح کی شرائط سے مضطرب اور بے چین تھے۔(25) آپ نے سینکڑوں ان مسلمان غلاموں کو اپنی دولت بے دریغ لٹا کر آزاد کرایا جو مشرکین کے غلام تھے۔ (26) حضرت صدیق اکبر نے سب سے پہلے اپنے مکان کے سامنے مسجد تعمیر کی اور اس میں عبادت شروع کی (بخاری عن عائشہ) (27) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور سرور کائنات اور جبرئیل کی گفتگو کو سنا کرتے تھے مگر جبرئیل آپ کو نظر نہیں آتے (ابن ابی داؤد عن ابی جعفر) (ابو بکر صدیق : ڈاکٹر طہ حسین مصری، تاریخ الخلفاء، ترجمان اہلسنت کراچی ماہنامہ، قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین از شاہ ولی اللہ دہلوی)

صدیق اکبر قرآن میں

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ الخلفاء میں اکیس آیات قرآنیہ کا تذکرہ فرمایا ہے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

کے متعلق یا ان کی شان میں نازل ہوئیں۔ ان میں سے بعض آیات غار ثور میں سفر ہجرت کے قیام کے بارے میں ہیں۔ بعض میں مسلمانوں کو کافروں سے آزاد کرانے کے بہترین عمل کا تذکرہ ہے۔ بعض میں جہنم سے دور رہنے اور اللہ کی جانب سے بہترین بدلہ کا ذکر ہے۔ کہیں جنت میں آپ کے بلند مقامات کا تذکرہ ہے۔ کسی آیت میں حضور کو ابوبکر صدیق سے مشورہ کا حکم ہے۔ کہیں اللہ ان پر درود بھیج رہا ہے کہیں والدین کے ساتھ بھلائی کی وصیت ہے طوالت کے خوف سے چند آیات کے تراجم پر اکتفاء کرتے ہیں۔

(1) دو کے دوسرے جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ (سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے یار (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) سے فرماتے تھے، غم نہ کھا بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ نے اس پر اپنا سکینہ اُتارا۔ (القرآن پ ۱۰ سورۃ التوبہ آیت ۔۴۰۔ باتفاق مفسرین کرام اس آیت میں یار سے مراد صدیق اکبر ہیں (بحوالہ ابن ابی حاتم عن ابن عباس)

(2) تو وہ جس نے دیا اور پرہیزگاری کی اور سب سے اچھی کو سچ جانا تو بہت جلد ہم اسے آسانی مہیا کرینگے۔ (پ ۳۰ سورۃ اللیل آیت ۱ تا ۷) بہ روایت ابن مسعود بن عبداللہ زبیر)

(3) اور اس (آگ) سے بہت دور رکھا جائیگا جو سب سے بڑا پرہیزگار جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو اور کسی کا اسپر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے، اور بیشک قریب ہے کہ وہ (رب) راضی ہوگا (پ ۳۰ سورۃ اللیل آیت ۱۷ تا ۱۲)۔ یہ دونوں حصے حضرت صدیق اکبر کی شان میں نازل ہوئے جب انہوں نے حضرت بلال کو

آزاد کرایا۔ (بہ روایت طبرانی عن عروۃ بزار عن عبداللہ بن زبیر)۔

(4) قسم کا کفارہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے نازل ہوا (آج ساری امت اس سے مستفیض ہو رہی ہے) ورنہ لوگ جو قسم کھاتے ضرور پوری کرتے (بخاری)

(5) جو حق لائے اور جنہوں نے حق کی تصدیق کی (پ ۲۴ سورۃ الزمر آیت ۳۳) حضرت علی فرماتے ہیں اس آیت میں تصدیق کرنے والے سے مراد حضرت ابوبکر صدیق ہیں (بہ روایت بزار طبرانی عن اسید بن صفوان)

(6) جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہوئے ڈر سے اس کیلئے دو جنتیں ہیں۔ (پ ۲۷ سورہ الرحمٰن آیت ۴۶) بہ روایت ابن ابی حاتم عن ابن شوذب اس سے مراد صدیق اکبر ہیں۔

(7) وہی ہے کہ درود بھیجتا ہے تم پر وہ اور اس کے فرشتے (پ ۲۲ سورۃ احزاب آیت ۴۳)۔ حضرت مجاہد اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آیت درود نبی پر نازل ہوئی تو ابوبکر صدیق نے عرض کیا ''یارسول اللہ جب آپ کو اللہ تعالیٰ کوئی فضل و شرف عطا فرماتا ہے تو ہم نیازمندوں کو بھی آپ کے طفیل میں نوازتا ہے حضرت ابوبکر صدیق نے اتنی اچھی اور پیاری خواہش کا اظہار انوکھے الفاظ میں کیا تو اللہ نے ساری امت پر درود بھیجا۔

صدیق اکبر اور فرمان نبی

(1) اگر رب کے علاوہ کسی کو دوست بنانا چاہتا تو ابوبکر کو بناتا (بخاری مسلم عن ابی سعید) (2) تم میں سے ہر شخص کے دروازے پر ظلمت ہے مگر ابوبکر کے دروازے پر نور ہے کہ تم نے جھٹلایا اور انہوں نے تصدیق کی، تم نے مال روکا اس

نے سخاوت کی تم نے بے مدد چھوڑا اس نے غمخواری کی (ابن عساکر عن مقدام)
(4) ابوبکر کی محبت اور ان کا شکریہ ادا کرنا میرے ہر امتی پر واجب ہے (ابن عساکر عن انس)۔(5) ہر نبی کے چار وزیر ہوتے ہیں میرے وزیر آسمان میں جبرئیل اور میکائیل ہیں زمین میں ابوبکر و عمر ہیں (ترمذی عن ابی سعید خدری)
(6) حضور ایک دن مسجد میں اس طرح داخل ہوئے کہ دائیں ہاتھ میں صدیق اکبر کا ہاتھ تھا اور بائیں میں فاروق اعظم کا، فرمایا کہ اسی طرح ہم قیامت میں اٹھائے جائیں گے (ترمذی و حاکم عن ابن عمر)۔ (7) ابوبکر و عمر میرے سمع (کان) اور بصر (آنکھ) ہیں (ترمذی حاکم عن عبداللہ بن حنظلہ) (8) ایک دن جبرئیل میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھ سے عمر کے فضائل بیان کئے اگر میں تمہیں عمر نوح کے برابر بھی وہ فضائل سناتا رہوں تو ختم نہ ہونگے حالانکہ عمر ابو بکر کی نیکیوں میں سے ایک حصہ نیکی رکھتے ہیں (ابویعلی عن عمار بن یاسر) (9) ہر نبی کی امت میں اس کے کچھ خاص دوست ہوتے ہیں میرے خاص دوست ابوبکر و عمر ہیں (طبرانی عن ابن مسعود)۔ (10) اگر تم (ابوبکر و عمر) دونوں کسی مشورہ میں متفق ہو جاؤ تو تمہاری مخالفت نہ کرونگا (حاکم و مسند امام احمد عن عبدالرحمٰن بن عمر)

صدیق اکبر اور خلفاء ثلاثہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

(1) ابوبکر ہمارے سردار ہیں (بخاری عن جابر)۔ (2) روئے زمین کے مومنین کے ایمان کو ابوبکر کے ایمان سے تولا جائے تو ابوبکر کا ایمان بھاری ہوگا۔

(بیہقی فی شعب الایمان)۔ (4) کاش کہ میں ابوبکر کے سینے کا ایک بال ہوتا (مسند مسدد) (5) میری خواہش ہے کہ جنت میں ایسی جگہ رہوں جہاں سے ابوبکر کو دیکھتا رہوں (ابن عساکر)۔ (6) ابوبکر صدیق کی خوشبو مشک کی خوشبو سے اچھی ہے (ابونعیم)۔ (7) ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمارے سردار، ہم میں سب سے بہتر اور ہم میں سے سب سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے والے تھے (ترمذی عن عائشہ) (7) میری خواہش ہے کہ میرے سارے اعمال کے بدلے صدیق اکبر کا ایک دن رات کا عمل مجھے مل جائے (مشکوۃ)۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اقوال مبارک

(1) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت اس شرط پر کی کہ آپ حضرت صدیق اور حضرت عمر کی سیرت پر عمل کریں گے حضرت عثمان نے اسے قبول کیا۔ (بخاری عن مسور بن مخرمۃ)۔

(2) حضرت عثمان کے دل میں حضرت عمر کی اتنی عقیدت واحترام تھا کہ فرمایا کہ میں خود میں عمر کی سنت پر عمل کی طاقت نہیں پاتا (جائیکہ حضرت صدیق اکبر کا مقام) (مسند احمد) (3) فرمایا کہ میں لقمان حکیم تو بن نہیں سکتا (یعنی میرے دونوں پیش رو بہت بلند مقام پر فائز تھے (ابوعمر فی الاستیعاب)۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا:۔

(1) اے لوگو سن رکھو اس امت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر ابوبکر ہیں (مسند احمد)۔ (2) کوئی شخص بھی مجھے ابوبکر و عمر پر فضیلت نہ دے ورنہ میں ایسے شخص پر بہتان لگانے والے کی حد جاری کر کے کوڑے لگاؤں گا

(ابوعمر فی الاستیعاب عن حکم بن جمل)۔ (3) محمد بن حنفیہ کا بیان ہے میں نے اپنے والد حضرت علی سے پوچھا حضور کے بعد سب سے بہتر کون ہے فرمایا ابوبکر (بخاری)۔ (4) میں حضور کے ساتھ تھا کہ اچانک ابوبکر و عمر تشریف لے آئے تو حضور نے فرمایا یہ دونوں انبیاء و مرسلین کے علاوہ تمام جنتی بوڑھوں کے سردار ہیں (ترمذی عن علی بن ابی طالب)۔ (5) میری محبت اور ابوبکر و عمر کا بغض کسی مومن کے دل میں جمع نہیں ہوسکتا (طبرانی اوسط عن جحیفہ)

صدیق اکبر اور عشق رسول

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دل میں حضور کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔آپ نے حضور کے عشق میں غار ثور میں اپنے انگوٹھے میں سانپ سے ڈسوایا۔اپنا سارا مال و دولت خدا کی راہ میں قربان کیا جب آپ اسلام لائے تھے تو آپ کے پاس چالیس ہزار دینار تھے آپ نے وہ سب حضور پر خرچ کر دیئے۔ جب وصال ہوا تو پاس کچھ نہ تھا۔حضور سرور کائنات فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہم نے سب کے احسانات کا بدلہ اتار دیا مگر ابوبکر کے احسان کا بدلہ اللہ اتارے گا (ترمذی عن ابو ھریرہ)۔ایک دن حضور نے صحابہ سے فرمایا کہ مجھے جو نفع ابوبکر کے مال نے دیا ہے وہ کسی کے مال نے نہ دیا تو ابو بکر رو دیئے اور عرض کی یارسول اللہ میں اور میرا مال سب آپ کیلئے ہے (احمد عن ابی ھریرہ)۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر کے مال میں ایسے ہی فیصلہ فرماتے تھے جیسا کہ اپنے مال میں کرتے تھے (ابن کثیر، عن علی، ابن عباس، انس، و جابر)۔حضرت ابوبکر نے حضور کے بہت سے عاشق اور جانثار

غلاموں کو خرید کر آزاد کیا۔ جن میں حضرت بلال بھی شامل ہیں۔ علاوہ ازیں بے شمار واقعات ہیں جن سے صدیق اکبر کے عشق رسول کا پتہ چلتا ہے۔ اور یہ مضمون اس کا محل نہیں ہے۔

صدیق اکبر کے عقائد

(1) حاضر و ناظر:۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ سے مال جمع کرنے کو کہا تو ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر کا تمام سامان ساتھ لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئے، حضور نے پوچھا کہ صدیق گھر میں کیا چھوڑ آئے ہو، جواب دیا کہ گھر والوں کیلیے اللہ و رسول کو چھوڑ آیا ہوں (ابو داؤد، ترمذی عن عمر بن الخطاب)۔ قارئین غور فرمائیں کہ صدیق اکبر کا جواب ہے کہ گھر والوں کیلئے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں حالانکہ حضور تو سامنے تشریف فرما ہیں۔ پتہ چلا کہ حضرت صدیق اکبر کا عقیدہ ہے کہ حضور اگر چاہیں تو ایک ہی آن اور ایک ہی لمحہ میں ایک سے ہزار جگہ ہو سکتے ہیں۔ اس لئے یہ جواب دیا۔

(2) علم غیب:۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی صدیق اکبر اور دوسرے صحابہ کرام سے پوچھتے کہ فلاں بات کے بارے میں تم کیا جانتے ہو تو صحابہ عرض کرتے کہ اللہ و رسولہ اعلم اللہ رسول زیادہ جانتے ہیں۔ تو پتہ چلا کہ حضرت صدیق اور دوسرے تمام صحابہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کے ساتھ ساتھ حضور کو بھی علم غیب ہے (جو عطائی ہے)۔

(3) وفات شریف کے بعد توسل

وفات شریف کے بعد بھی اکثر صحابہ کرام، مصائب و حاجات میں حضور کو پکارا کرتے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال شریف ہوا تو اس صدمہ سے آپ کے اصحاب کرام کا عجب حال ہو رہا تھا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ روتے ہوئے حاضر ہوئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک سے کپڑا اٹھا کر یوں عرض کرنے لگے:۔

"اگر آپ کی موت میں ہمیں اختیار دیا جاتا تو ہم آپ کی موت کو روکنے کیلئے اپنی جانیں قربان کر دیتے۔ یا محمد اپنے پروردگار کے پاس ہمیں یاد کرنا اور ضرور ہمارا خیال رکھنا" (مواہب لدنیہ بحوالہ ابن منیر)

یعنی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور اپنی ظاہری وفات کے بعد بھی اپنی امت کا خیال رکھیں گے۔

(4) نبی کے اہل قرابت سے وسیلہ:۔

جب ابو بکر صدیق نے مرتدین کے مقابلے میں لشکر اسلام کو روانہ کیا تو آپ حضرت عباس کے ساتھ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں شہر سے باہر نکلے اور کہا:۔

اے عباس مدد کی دعا مانگ میں آمین کہتا جاؤنگا۔ کیونکہ مجھے امید ہے کہ تمہاری دعا بیکار نہ جائے گی اسلئے کہ تمہارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ہے (عمدۃ القاری)

معلوم ہوا کہ جس کو نبی سے قربت ہو اس کو بھی وسیلہ بنانا جائز ہے

کیونکہ درحقیقت یہ نبی کو ہی وسیلہ بنانا ہوتا ہے اور یہی عقیدہ صدیق اکبر کا تھا۔

(5) نماز میں بھی سرکار کی تعظیم ضروری ہے اور نماز میں آپ کا تصور عظمت سے آنا چاہیے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور کی حیات میں امامت فرما رہے تھے کہ سرکار دو عالم تشریف لائے اور صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھ کر کھڑے ہو گئے لوگوں نے ابوبکر کو بتانے کیلئے چٹکیاں بجائیں تو ابوبکر اپنی جگہ سے پیچھے ہٹ آئے حضور نے حکم دیا کہ وہیں رہو لیکن وہ پھر بھی پیچھے آ گئے۔ حضور نے بعد میں پوچھا کہ تم پیچھے کیوں آ گئے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے سامنے میری کیا مجال کہ نماز پڑھتا (بخاری جلد اول ص ۹۴ و بخاری کتاب الصلح ص ۳۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عین نماز میں بھی جو کہ اہم ترین عبادت ہے حضور کی تعظیم فرض ہے چنانچہ جیسے ہی صدیق اکبر کو حضور کا تصور آیا کہ تشریف لا چکے ہیں آپ سراپا تعظیم بن گئے اور یہ عقیدہ صدیق اکبر کا ہے کہ نماز میں سرکار کا خیال آئے تو نماز جائز رہتی ہے۔ کچھ بدبخت جاہل یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نماز میں حضور کا خیال آئے تو چوڑھے چمار کا خیال آنے سے بھی بدتر ہے۔ (معاذ اللہ)

قارئین نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عقائد ملاحظہ فرمائے، الحمد للہ کہ یہی عقائد ہم اہلسنت و جماعت کے ہیں اور اس طرح ہم جہاں بھی کوئی کام کرتے یا عقیدہ رکھتے ہیں اس میں سرکار کی تعظیم و ادب و احترام و عشق رسول وغیرہ میں صحابہ کی سنت پر عمل کرتے ہیں۔

خواہشات صدیق اکبر

ایک دن ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک باغ میں داخل ہوئے دیکھا کہ ایک مرغی درخت کے سایہ میں ہے تو آپ نے ٹھنڈی آہ بھری اور کہا اے پرندے تو کتنا خوش نصیب ہے درخت سے کھاتا ہے اسکے سایہ میں آرام کرتا ہے اور بغیر حساب کے چلا جائے گا کاش ابوبکر تیری مثل پرندہ ہوتا (حاکم عن معاذ بن جبل)

ابوبکر نے فرمایا کہ ''کاش میں کسی بندۂ مومن کے سینے کا ایک بال ہوتا (احمد عن ابن عمر) جب صدیق اکبر نماز پڑھتے تھے تو خشوع الٰہی کی وجہ سے ایسے کھڑے ہوتے جیسے کوئی لکڑی کھڑی ہے (احمد عن مجاہد بحوالہ ابن الزبیر)

فرمایا کہ ''کاش میں ایک درخت ہوتا کہ جسے کاٹا جاتا اور کام میں لایا جاتا (احمد عن الحسن) فرمایا کہ کاش میں سبزہ ہوتا کہ جسے جانور کھا لیتے (احمد عن قتادۃ)۔

مرویات صدیق اکبر

امام نودی نے اپنی کتاب تہذیب میں لکھا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ایک سو بیالیس احادیث مروی ہیں اور حضرت عمر فرماتے ہیں کہ جو کچھ بھی حضور نے انصار کے بارے میں فرمایا صدیق اکبر نے وہ سب ہم سے بیان کر لیا اور اس میں سے کچھ بھی نہ چھوڑا۔ حضرت صدیق اکبر سے اتنی کم احادیث کے مروی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا وصال بہت جلد ہو گیا اور اس وقت تک صحابہ کو اتنی باتیں پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی، علامہ جلال الدین سیوطی

سے تاریخ الخلفاء ان میں سے ایک سوتین احادیث کا تذکرہ کیا ہے۔

اقوال صدیق اکبر

آپ اپنے خطبہ میں فرماتے تھے کہاں ہیں وہ پاکیزہ اور خوبصورت چہروں والے، اپنی جوانیوں سے لوگوں کو تعجب میں ڈالنے والے، کہاں ہیں وہ بادشاہ جنہوں نے شہر اور قلعہ تعمیر کیے، کہاں ہیں وہ جو جنگوں میں غلبہ پاتے تھے، ان سب سے زمانہ نے بے وفائی کی اور یہ سب قبروں کی تاریکیوں میں گھس گئے۔ (احمد وابونعیم عن یحیٰی بن کثیر)

ابوبکر صدیق دعا مانگا کرتے تھے، اللہ میری آخر عمر بہتر فرما، میرا خاتمہ سب سے بہتر فرما، میرا سب سے اچھا دن تجھ سے ملاقات کا دن ہو، (سعید ابن منصور عن معاویہ بن قرۃ) جسے رونے کی طاقت ہو وہ روئے ورنہ اسے رلایا جائیگا (احمد عن عرفجہ) مومن کی دُعا اپنے بھائی کے حق میں قبول ہوئی ہے (الادب المفرد عن الصنابحی) جو شکار کیا جائے یا درخت کاٹا جائے اس سے اللہ کی ایک تسبیح کم ہوجاتی ہے۔ (احمد عن میمون بن مہران)

امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

ذہن کے پردے پر جب کبھی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا نام ابھرتا ہے تو دس سالہ مختصر دور خلافت کے ساتھ بے شمار فتوحات اسلامی اور کثیر اصلاحات تمدنی، معاشرتی، اقتصادی، فوجی اور عوامی بھی اس کیساتھ ہوتی ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد مسلمانوں کی قیادت حضرت عمر فاروق کو اس وقت سونپی گئی جب حضرت ابو بکر فتنہ ارتداد کو ختم کر کے اسلامی فوج کو عراق اور شام کی سرحدوں اور ایران اور روم کی طاقتوں کے مقابلے میں لے آئے تھے۔ حضرت عمر کے دور خلافت میں اسلامی سلطنت کی حدود مشرق میں چین، مغرب میں افریقہ، شمال میں بحیرہ قزدین اور جنوب میں سوڈان تک وسیع ہوگئی اور ایران و مصر پر بھی اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا۔

حالات زندگی

آپ کا نام عمر، کنیت ابو حفص، اور لقب فاروق ہے۔ والد کا نام خطاب اور والدہ کا نام عَنتمہ ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ حضرت عمر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ کے بارہ سال بعد پیدا ہوئے آپ نے فن سپہ گری اور فن تقریر میں مہارت حاصل کی اور ابھی شباب کا آغاز ہی تھا کہ آپ کی جرأت وشجاعت کی دھاک سارے عرب میں بیٹھ گئی۔ پھر آپ نے تجارت کے سلسلے میں دور دور ملکوں کا سفر کیا تو دور بینی، وسیع النظری اور تجربہ کاری کے اوصاف بھی آپ

میں پیدا ہو گئے۔

آپ کی عمر 27 سال تھی جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی مکہ میں توحید کا اعلان فرمایا۔ حضرت عمر کو یہ آواز پسند نہ آئی اور آپ نے اس آواز کو بند کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ آپ کے اسلام قبول کرنے کی کئی روایات ہیں۔ مشہور روایت کے مطابق ایک مرتبہ شمشیر برہنہ ہاتھ میں لیکر اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے دارارقم کی طرف جا رہے تھے جہاں رسول اکرم اپنے جاں نثار صحابہ کرام کیساتھ تشریف فرما تھے۔ کہ راہ میں نعیم بن عبداللہ نے ٹوکا تو پہلے اپنی بہن فاطمہ اور بہنوئی کے گھر پہنچے جو حضرت خباب سے قرآن پڑھ رہے تھے اور دونوں کو مار مار کر لہولہان کر دیا۔ جب بہن کے خون بہتے دیکھا تو نادم ہوئے بہن کو محبت کی نگاہ سے دیکھا اور کہا لاؤ مجھے دکھاؤ ابھی تم پڑھ رہے تھے۔ دیکھوں تو سہی محمد کا پیغام کیا ہے۔ بہن نے پس وپیش کے بعد کچھ اجزاء قرآن کے دیئے تو پڑھ کر بولے "کتنا حسین اور بزرگ ہے یہ کلام"۔ یہ سنکر حضرت خباب رضی اللہ عنہ بھی سامنے آگئے اور کہا خدا کی قسم اے عمر! مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے تمہیں نبی کی دعوت کیلئے منتخب کیا ہے میں نے کل حضور کو یہ دعا مانگتے سنا ہے "الٰہی اسلام کو عمر بن ھشام یا عمر بن خطاب کے ذریعے عزت دے" اے عمر خدا بہر حال خدا ہے اس کے بعد آپ حضرت خباب کے ہمراہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔

حضرت عمر کے اسلام لانے کا واقعہ اسلام میں ایک خط امتیاز کھینچ دیتا ہے۔ کفر کی بجلی جب اسلام کی تلوار بن گئی تو مکہ کے ضعیف اور کمزور مسلمانوں کو بڑی طاقت حاصل ہوئی اور مسلمان جو اب تک چھپ چھپ کر عبادت کرتے

تھے۔کعبہ میں جا کر عبادت الٰہی کرنے لگے حضرت عمر کی خواہش پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی دو صفوں کو لے کر جن میں ایک کے قائد حضرت عمر تھے اور دوسری کے حضرت حمزہ کعبہ میں تشریف لائے اور با جماعت نماز ادا فرمائی (سیرت ابن ہشام)

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا جب سے عمر نے اسلام قبول کیا ہم بالادست ہو گئے (صحیح بخاری)

ہجرت

نبوت کے تیرہویں سال جب مسلمانوں کو مکہ سے مدینہ ہجرت کی اجازت ہوئی تو حضرت عمر نے بھی ہجرت کا ارادہ کیا، اپنے بدن پر ہتھیار سجائے اور کافروں کے مجمع میں گذرتے ہوئے خانہ کعبہ پہنچے بڑے اہتمام سے طواف کیا اور نماز ادا کی اور پھر بلند آواز سے اعلان کیا، میں مدینہ جا رہا ہوں جسے اپنی ماں کو اپنے غم میں رلانا ہو وہ اس وادی کے پار مجھ سے مقابلہ کرے مگر کافروں میں سے کسی کو آپ سے مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی اور بخیریت مدینہ منورہ پہنچ گئے (محاضرات)

رفاقت سرور کونین

بدر سے تبوک تک تمام غزوات میں آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور پہلو بہ پہلو لڑتے رہے جنگ بدر میں کافر قیدیوں کے بارے میں آپ کی رائے ہوئی کہ سب کو قتل کر دیا جائے دیگر کبار صحابہ نے فدیہ لیکر چھوڑنے کو کہا مگر وحی الٰہی نے عمر فاروق کی تائید کی۔غزوہ احد میں آپ نے ابو

سفیان کے نعرہ اعل ھبل کے جواب میں جوش میں آ کر اللہ اعلیٰ واجل کا
نعرہ لگایا تو کافروں کے دل دہل گئے اور مسلمانوں کی جیتی ہوئی جنگ شکست
کھانے کے بعد دوبارہ فتح میں تبدیل ہوگئی۔ جنگ خندق میں مدینہ کے چاروں
طرف جو خندق کھودی گئی اس کی حفاظت پر عمر فاروق بھی مامور تھے۔ صلح حدیبیہ
کے موقع پر بھی صلح نامہ کی بعض شرائط پر آپ کو اعتراض تھا۔ مگر حضور کے فرمان
کیوجہ سے آپ نے سکوت اختیار فرمایا اور اپنی رائے حضور کی رائے کے مطابق
نہ ہونے پر کفارہ ادا کیا۔ فتح مکہ کے بعد حضور نے خود تو مردوں سے بیعت لی اور
عورتوں کیلئے حضرت عمر فاروق کو اپنا نمائندہ اور قائم مقام تجویز فرمایا۔ غزوہ تبوک
کی موقعہ پر جب مسلمانوں نے قیصر روم کے حملے کے جواب کا ارادہ کیا تو عمر
فاروق نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپیل پر اپنے نصف مال کو حضور کے
قدموں میں لا ڈالا۔

عشق رسالت

اا ھ میں جب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اپنے پاس بلا لیا اور حضور
کے پردہ فرمانے سے جاں نثاروں کی آنکھوں میں دنیا تاریک ہوگئی تو سب اس
سے پریشان تھے مگر عمر فاروق کی کیفیت ہی کچھ اور تھی آپ تلوار کھینچ کر کھڑے ہو
گئے اور اعلان فرمایا کہ جو شخص کہے گا کہ حضور وفات پا گئے اسے زندہ نہ چھوڑوں
گا آخر ابوبکر صدیق آئے اور انہوں نے آیت قرآنی وما محمد الا رسول
سے حضرت عمر کے خیال کی تردید کی، تب آپ نے تلوار نیام میں ڈالی۔

خلیفہ اول کی رفاقت

عہد صدیق اکبر میں حضرت فاروق اعظم شروع ہی سے صدیق اکبر کے مشیر و معین رہے حضور کی وفات شریفہ کے بعد مسئلہ خلافت کی گتھی آپ ہی کے دست تدبیر سے سلجھی سب سے پہلے آپ ہی نے دست صدیق کی، بیعت کی۔ صدیق اکبر نے آپ کو لشکر اسامہ کے ساتھ جانے سے روک دیا تھا تا کہ خلافت کے کاموں میں آپ کی امداد کریں صدیق اکبر نے جس قدر اہم کام انجام دیئے سب فاروق اعظم کے مشورہ اور مدد سے انجام دیئے۔ قانون اسلامی کی بنیاد قرآن کریم کی جمع و ترتیب آپ ہی کی رائے سے عمل میں آئی۔ مقدمات کا فیصلہ جو خلافت کی ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری ہے آپ ہی سے متعلق رہا۔

آغاز خلافت

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ۲۲ جمادی الاخری ۱۳ ھ (۲۲ اگست ۶۳۴ء) کو بعد غروب آفتاب وفات پائی، تدفین میں حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت طلحہ، اور حضرت عبدالرحمن بن ابو بکر شامل تھے، وفات سے قبل صدیق اکبر نے کہا صحابہ کرام کو مہاجرین وانصار کے مشورے سے حضرت عمر کی خلافت پر بڑی حد تک اس کو متفق کر لیا مرض الموت میں بالا خانہ پر تشریف لے جا کر یہ اعلان فرما دیا تھا۔

لوگو! کیا تم اس شخص کو پسند کرو گے جس کو میں ولی عہد مقرر

کروں؟ خدا کی قسم! میں نے غور وفکر کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا اور اپنے کسی قرابت دار کو یہ منصب نہیں دیا میں عمر بن خطاب کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں میرا کہنا سنو اور مانو"۔

حضرت ابو بکر نے، حضرت عمر کو خلیفہ چننے سے متعلق ایک عہد نامہ بھی تحریر فرمایا اس کے بعد ابو بکر صدیق نے عمر فاروق کو بلایا اور وصیت کی۔

پہلا خطبہ

حضرت عمر ۲۴ جمادی الاخری ۱۳ ھ کو صبح مسجد نبوی میں تشریف لائے اور لوگوں سے بیعت کی، ظہر کی نماز کے وقت حضرت عمر منبر پر اس سیڑھی سے ایک سیڑھی نیچے کھڑے ہوئے جہاں صدیق اکبر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے۔ پہلے اللہ کی حمد وثناء بیان کی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا، اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق کے فضائل ومناقب بیان کر کے فرمایا۔

"لوگو! میں تم میں سے ایک انسان ہوں۔ اگر مجھے خلیفہ رسول کی حکم عدولی گوارہ ہو سکتی تو میں ہرگز یہ ذمہ داری قبول نہیں کرتا"۔ پھر آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر فرمایا۔

"یا اللہ! میں سخت ہوں مجھے نرم کر۔ یا اللہ میں کمزور ہوں مجھے طاقت دے۔ یا اللہ میں بخیل ہوں مجھے سخی بنا"۔

مہمات

آپ کے دور خلافت میں فتح عراق کی مہم تکمیل کو پہنچی۔ اس میں معرَ۔

نمارق، کسکر، مروحہ اور بویب قابل ذکر ہیں جنگ قادسیہ کا آپ نے خاص طور پر اہتمام کیا اور سعد بن ابی وقاص کو خود جنگی ہدایات بھیجتے رہے۔ قادسیہ فتح ہوا۔ پھر مدائن قصر ابیض فتح ہوئے اور اس کے بعد معرکہ جلولا، تکریت، فتح اھواز، فتح رامہر مزدنستر اور فتح نہاوند نے عہد فاروقی کا سکہ بٹھا دیا۔ اس کے بعد ایران میں، ھمدان، طبرستان، اصفہان، آذر بائیجان، باب خراسان، کرمان، بجستان، اور مکران یکے بعد دیگر فتح ہوئے۔ فتح دمشق میں کئی معرکوں نے جنم لیا۔ جنمیں قابل ذکر یہ ہیں، معرکہ فحل اور مرج روم۔ فتح حمص اور فتح قنسرین مشہور ہیں۔ فتح بیت المقدس کے سلسلہ میں حضرت عمر نے شام کا پہلا سفر کیا اور امیر المومنین نے اہل قدس کو اس تاریخی عہد نامہ پر دستخط کر کے امان دی۔ یہ عہد نامہ تاریخ اسلام کی اہم دستاویز ہے۔ (اتمام الوفا)

خاندان فاروق

قبل اسلام حضرت عمر نے زینب بنت مظعون سے جو خاندان بنی جمح سے تھیں شادی کی، ان کے بطن سے عبداللہ، عبدالرحمٰن اکبر، اور ام المومنین حفصہ پیدا ہوئیں۔ یہ بیوی مسلمان ہو گئی تھیں ان کے علاوہ مُلَیکہ بنت جرول، قُرَیبہ بنت ابی امیہ سے قبل اسلام ہی شادی کی اور اسلام نہ لانے کی وجہ سے بعد میں طلاق دیدی۔ ملیکہ سے عبیداللہ پیدا ہوئے۔ پھر مدینہ میں ام حکیم بنت حارث سے شادی کی ان سے فاطمہ پیدا ہوئیں۔ جمیلہ بنت قیس سے شادی کی ان سے عاصم ہوئے ان کو بھی آپ نے طلاق دیدی۔ ام کلثوم بنت علی سے شادی کی ان سے زید اور رقیہ پیدا ہوئے لہنہ عینہ سے شادی کی پھر ان سے عبدالرحمٰن اصغر پیدا

ہوئے پھر عاتکہ بنت زید سے شادی کی۔ جن صاجزادوں سے اولاد کا سلسلہ چلا وہ عبداللہ، عبیداللہ اور عاصم ہیں۔

فرمان رسول

آپ کے متعلق پیغمبر اسلام صلی اللہ علہ وسلم نے فرمایا الحق ینطق علی لسان عمر ۔ترجمہ حق عمر کی زبان پر بولتا ہے۔

درگاہ رب العزت میں آپ کے تمام افعال مقبول تھے یہاں تک کہ آپ کے ابتدائے اسلام کے زمانے میں جبرئیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا:۔

ترجمہ:۔اے محمد! آج آسمان والوں نے عمر کے اسلام لانے پر خوشی کا اظہار کیا ہے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ میں نے دودھ پیا دودھ کی تازگی اور خوشبو میرے ناخنوں میں سرایت کر گئی ہے پھر میں نے بچا ہوا دودھ عمر کو دے دیا ہے صحابہ کرام نے دریافت فرمایا کہ حضور اس خواب کی تعبیر کیا ہوئی آپ نے فرمایا ''علم'' (بخاری و مسلم راوی حضرت ابن عمر)

ایک دن آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے خواب میں جنت کو مشاہدہ کیا اور دیکھا کہ اس میں ایک عورت جنت کے قصر کی جانب بیٹھی ہوئی وضو کر رہی ہے، میں نے دریافت کیا یہ قصر کس کا ہے؟ فرشتوں نے کہا یہ قصر (حضرت) عمر کا ہے۔ (بخاری و مسلم راوی حضرت ابو ہریرہ)

ایک بار آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ لوگوں کو

میرے سامنے پیش کیا جارہا ہے انہوں نے جو قمیصیں پہن رکھی ہیں وہ بعض کے سینوں تک ہیں اور بعض کی اس سے کچھ زیادہ نیچی ہیں، جب عمر پیش کیے گئے تو ان کی قمیض زمین سے گھسٹتی جارہی تھی صحابہ کرام نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ قمیض کیا تھی فرمایا ''دین''۔ (بخاری ومسلم راوی حضرت ابو سعید خدری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عمر مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جس راستے سے تم گذرو گے اس راستے سے شیطان نہیں گذرے گا وہ دوسرے راستے سے جائیگا۔ (بخاری ومسلم راوی حضرت سعد ابن ابی وقاص)

آپ نے فرمایا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہی ہوتے (ترمذی، حاکم، راوی عقبہ بن عامر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''وہ شخص جس سے اللہ تعالیٰ سب سے پہلے مصافحہ فرمائیگا اور سلام بھیجے گا اور ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل کرے گا وہ عمر ہیں۔ (تاریخ الخلفاء بحوالہ ابن ماجہ وحاکم راوی ابن ابی کعب)

صحابہ کرام کے اقوال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمام روئے زمین پر مجھے عمر سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہے۔

(ابن عساکر)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم صالحین کا ذکر کرو تو

حضرت عمر کو کبھی فراموش نہ کرو کیونکہ کچھ بعید نہیں کہ ان کا قول الہام ہو اور فرشتے کی زبان بیان کر رہے ہوں (تاریخ الخلفاء) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر عمر کا علم ترازو کے ایک پلہ میں رکھا جائے۔ اور تمام دنیا کا علم دوسرے پلے میں رکھ کر وزن کیا جائے۔ تو عمر کا پلہ بھاری رہے گا۔ کیونکہ علم کے دس حصوں میں سے نو حصے علم آپ کو دیا گیا ہے۔ (طبرانی وحاکم) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اللہ سے تقرب کی خاطر حسن سلوک کرتا ہوں اور عمر خالص اسی تقرب کی خاطر اپنے اقرباء وغیرہ کو ہر قسم کی آسائش سے محروم کر دیتے تھے، اس کے بعد حضرت عثمان نے تین بار اس جملہ کا اعادہ کیا کہ ہم میں کون ہے جو عمر کی برابری کرے (ابو بکر صدیق اور فاروق اعظم، ڈاکٹر طہ حسین)۔

موافقات قرآنی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو کچھ رائے کسی اہم مسئلہ میں دیتے تھے قرآن حکیم کا حکم اسی کے مطابق نازل ہوتا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں اکثر حضرت عمر کی آراء موجود ہے (ابن عساکر) علامہ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں بیس سے زائد ایسے مقامات کا تذکرہ کیا ہے جہاں حکم قرآنی عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق آیا۔

دور حکومت کی خاص باتیں

آپ کے دور حکومت میں بیت المال مطلقاً امت کے افراد کیلئے

وقف تھا لوگوں کو غیر مشروط اوران پر کسی قسم کی شرائط عائد کئے بغیر اور بغیر کسی مطالبہ کے غذا تقسیم ہوتی ہے یعنی وہ دوسرے کام بھی کر سکتے تھے، آپ کے پاس پولیس کی کوئی طاقت بھی نہ تھی جو امن وامان رکھنے میں آپ کی اعانت کرے پھر بھی آپ نے اسلامی سیاست کو اس طریقہ پر چلایا کہ مسلمان خود آپ کیلئے پولیس کے فرائض ادا کرنے لگے تھے۔آپ نے اپنے دور میں بہت سے امور مملکت کو رائج کیا جن میں سے چند یہ ہیں۔(1) بیت المال (2) عدالت (3) فوجی دفتر (4) فوجیوں کی تنخواہیں (5) دفتر مال (6) پیائش (7) مردم شماری (8) نہریں (9) شہروں کی آبادی (10) جیل خانے (11) درہ کا استعمال (12) راتوں کا گشت (13) پولیس کا محکمہ (14) جا بجا فوجی چھاؤنی (15) پرچہ نویس کا تقرر (16) مکہ سے مدینہ تک مسافروں کیلئے مکانات کی تعمیر (17) راہ پر پڑے ہوئے بچوں کی پرورش (18) مختلف شہروں میں مہمان خانے (19) مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینہ کا تقرر (20) مکاتب کا قیام (21) معلمین اور مدرسین کے مشاہروں کا تقرر (22) قیاس کے اصول کا قیام (23) فجر کی اذان میں الصلوۃ خیر من النوم کا اضافہ (24) نماز تراویح با جماعت کا قیام (25) شراب کی حد کیلئے اسی کوڑوں کا تقرر (26) وقت کے طریقہ کی ایجاد (27) مساجد میں وعظ کا طریقہ (28) اماموں اور موذنوں کی تنخواہوں کا تقرر (29) مساجد میں راتوں کو روشنی کا انتظام (30) ہجو کہنے پر تعزیر کی سزا کا قیام (31) تجارت کے گھوڑوں پر زکوۃ اوران کے علاوہ اور بہت سی انکی اولیات ہیں جن کو ہم طوالت کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں۔

دانشمندانہ قیادت کی ایک جھلک

اپنی خلافت کے دور میں حضرت عمر نے عوام کے دنیاوی مسائل کی ہی جانب توجہ نہ کی تھی بلکہ ان کے دینی امور کی طرف بھی پوری توجہ فرماتے تھے چنانچہ مدینہ میں آپ مسلمانوں کو دین مبین کے مختلف مسائل سے واقف بھی کراتے تھے ہر روز آپ صبح کے وقت گھر سے باہر آ جاتے اور منبر پر بغرض تقریر بیٹھ جاتے آپ کی ان حکیمانہ مجلس آرائیوں کی بات دور ونزدیک ہر جگہ پھیل جاتی اور رموز دین جاننے اور عقل وحکمت کے موتی لوٹنے کی غرض سے لوگ جوق در جوق پہنچ جاتے تھے آج کل کی اصلاح میں حضرت عمر ایک عملی انسان تھے۔ آپ ان تقاریر میں سعی فرماتے تھے کہ لوگ یہ سمجھ سکیں کہ اپنی روز مرہ زندگیوں کو کس طرح احکام الٰہی اور فرامین خداوندی کا مظہر بنا سکتے ہیں۔ اسی تقریر کے دوران فاروق اعظم رضی اللہ عنہ امت کے افراد کو قرآن وسنت کی روشنی میں ہدایت اور ادب اور معرفت نفس اور قول وعمل میں اللہ کی رضا جوئی کی راہ دکھاتے تھے خلاصہ کلام یہ کہ عمری ادب گاہ، دین ودانش کا باغ ہوتی تھی۔

شہادت سیدنا فاروق اعظم

آپ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ حاکم کوفہ کے بھیجے ہوئے ایک مجوسی غلام ابولؤلؤ کی شکایت پر اس کا فوری فیصلہ نہ فرمایا بلکہ اسے سمجھایا تو اس سے وہ چڑ گیا اور آپ کا دشمن ہو گیا ایک روز آپ فجر کی نماز میں صف درست کرا رہے تھے کہ اس نے اگلی صف میں آپ پر خنجر سے حملہ کیا جس سے آپ گر پڑے اس

کے بعد اس نے مزید تیرہ افراد کو زخمی کیا کہ اتنے میں ایک عراقی نے اس پر کپڑا ڈالا وہ اس میں الجھ کر گرا اور اسی وقت خودکشی کر لی، حضرت عمر ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ بروز بدھ شہید ہوئے اور یکشنبہ کے دن محرم کی چاند رات کو دفن کیے گئے۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی، آپ حضرت عائشہ کی اجازت سے روضہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب مدفون ہوئے آپ کی نماز جنازہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ تہذیب میں لکھا ہے کہ آپ کی مہر خلافت پر یہ نقش کندہ تھا۔

وکفٰی بالموت واعظاً (موت آدمی کیلئے ایک پوری نصیحت ہے)

یہ تقریر ستمبر ۱۹۹۰ میں ریڈیو پاکستان حیدر آباد سے نشر ہوئی۔

مقربین رسالت

سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جانشین رسالت مآب خلیفہ دوم، حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب کی کنیت ابو حفص اور لقب فاروق اعظم ہے۔ آپ اشراف قریش میں بہت ممتاز ہیں اور آٹھویں پشت میں آپ کا خاندانی شجرہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ نسب سے ملتا ہے آپ واقعہ فیل کے تیرہ سال بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور نبوت کے چھٹے سال ستائیس برس کی عمر میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپ کے آغوش اسلام میں آتے ہی تاریخ اسلام کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ اس وقت تک اگرچہ ۴۰ یا ۵۰ آدمی مسلمان ہو چکے تھے مگر پھر بھی مسلمان اپنے فرائض منصبی علانیہ نہیں ادا کر سکتے تھے اور کعبہ میں نماز ادا کرنا تو بالکل ہی ممکن نہیں تھا۔ مگر آپ کے اسلام لاتے ہی ایک انقلاب آ گیا اور آپ نے نہ صرف برملا اپنے اسلام کا اعلان کر دیا بلکہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی۔ آپ سابقین اولین اور خلفاء راشدین میں بڑی بڑی اور عظیم الشان خصوصیات کے جامع ہیں بیعت الرضوان میں بھی آپ شامل ہوئے اور عشرہ مبشرہ میں یعنی وہ دس خوش نصیب صحابہ کرام جن کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ساتھ جنتی ہونے کی بشارت دی شامل ہیں۔ آپ سے ۵۳۹ احادیث مروی ہیں اور آپ کے فتاویٰ اور شرعی فیصلوں کا ایک ایسا عظیم مجموعہ ہے جو فقہ اسلامی کا نہایت قیمتی ذخیرہ اور بہترین علمی سرمایہ ہے۔ تمام خصوصیات آپ کو

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کیوجہ سے حاصل ہوئیں۔ حضور اکرم کے قرب کا ہی یہ فیض ہے کہ قرآن کریم کی بہت سے آیات بینات آپ کے فضائل وکمالات کے بارے میں نازل ہوئیں۔ یہاں تک کہ بعض مورخین کا بیان ہے کہ قرآن کی تقریباً بیس آیتیں حضرت عمر کی رائے کے مطابق نازل ہوئیں اسی لئے آپ کا ایک مشہور لقب "الموافق رایہ للوحی والکتاب" بھی ہوا اور حدیثوں میں آپ کے فضائل اس کثرت سے وارد ہوئے کہ اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک دفتر تیار ہو سکتا ہے۔ ایک حدیث میں سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے حق کو (حضرت) عمر کی زبان پر رکھ دیا ہے" یعنی وہ جب بھی اور جو کچھ بھی بولتے ہیں ہمیشہ حق ہی بولتے ہیں اور ان کی زبان صداقت نشان پر کبھی باطل کا گزر ہی نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ مرتبہ بھی حاصل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اسلام کیلئے خاص طور پر ان الفاظ کے ساتھ دعا فرمائی **اللھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب خاصة** اے اللہ! عمر بن خطاب کو خاص طور سے مسلمان بنا کر اسلام کو عزت وغلبہ عطا فرما۔ اور رحمت عالم کی یہ دعا قبول ہوئی۔ آپ اپنے قبل از اسلام دور میں بھی نمایاں نظر آتے ہیں اور آپ کا دور اسلام بھی نہایت شاندار خدمات سے بھرا ہوا ہے۔ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا قرب حاصل رہا جس نے آپ کو ممتاز بنا دیا، مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، تمام مشاہد میں حاضر رہے یعنی ۱ھ سے حضور کی رحلت مبارکہ تک جتنی لڑائیاں پیش آئیں، غیر مسلموں سے جو جو معاہدات عمل میں آئے اور اشاعت اسلام کیلئے وقتاً فوقتاً جتنی تدبیریں اور

انتظامات کئے گئے ان میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو حضرت عمر کی شرکت کے بغیر انجام پایا ہو۔ آپ سفر و حضر، صلح و جنگ، ہر جگہ ہر حال میں بارگاہ نبوت کے خاص الخاص رفیق و معین رہے فتح مکہ کے دن حضور نے عورتوں سے بیعت لینے کیلئے آپ ہی کو مقرر فرمایا۔ آپ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع میں حضور کے ساتھ تھے۔ آپ کے دور خلافت میں بیشمار اسلامی فتوحات ہوئیں، آپ نے ایک شاندار نظام سلطنت، امت محمدیہ کو دیا جس کا ایک جز احتساب عمل تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کو ایسا قرب حاصل ہے کہ آپ کی آخری آرامگاہ بھی حضور کے ساتھ ہی ہے اور یہ قرب قیامت اور بعد قیامت تک جاری رہے گا۔ نبی رحمت کے یہ جاں نثار اور مقرب یکم محرم ۲۴ھ کو شہادت کے مرتبہ پر فائز ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مرقد انور پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔

(آمین) وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ط

یہ تقریر ریڈیو پاکستان حیدر آباد سے ۱۹ جون ۱۹۹۳ء کو نشر ہوئی۔

سیدنا امام عالی مقام رضی اللہ عنہ

فلسفۂ شہادت

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۰ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

شہادت درحقیقت اللہ رب کریم جلالہ کی بارگاہ عظمت میں بندوں کے جذبۂ عبدیت کے اظہار کا ایک اعلیٰ اور مقدس طریقہ ہے اور چونکہ بندہ شہادت کے ذریعہ اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے اللہ ذوالجلال کے تقرب اور اس کے قرب خاص کی بلند منزل پر فائز ہو کر گویا خدا کے حضور حاضر ہو جاتا ہے اس لئے جان کی اس قربانی کو شہادت کے مقدس لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ شہید حق وہی ہوتا ہے جس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت اس درجہ پیدا ہو گئی ہو کہ اس کا دل چاہتا ہے کہ ایک نہیں بلکہ کروڑوں جانیں ہوں تو میں سب کو اپنے محبوب پر قربان کردوں۔ دنیا کی بیشمار نعمتوں سے انسان لطف ولذت حاصل کرتا ہے۔ کسی نعمت کو کھاتا ہے۔ کسی کو پیتا ہے۔ کسی کو سونگھتا ہے۔ کسی کو دیکھتا ہے۔ کسی کو سنتا ہے اور ان کے علاوہ مختلف طریقوں سے تمام نعمتوں کو استعمال کرتا ہے اور ان سے محظوظ ہوتا ہے۔ لیکن مرد مومن کو شہادت کی جو لذت حاصل ہوتی ہے اس کے سامنے دنیا کی ساری لذتیں ہیچ ہیں۔ یہاں تک کہ شہید جنت کی تمام نعمتوں سے فائدہ اٹھائیگا اور ان سے لطف اندوز ہوگا مگر جب اس کو اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سر کٹانے کا مزہ یاد آئیگا تو جنت کی بھی ساری نعمتوں کو بھول جائیگا اور تمنا کریگا کہ اے کاش! میں

دنیا میں واپس کیا جاؤں اور بار بار شہید کیا جاؤں۔ حدیث شریف میں ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد پھر کوئی جنتی وہاں کی رحمتوں اور نعمتوں کو چھوڑ کر دنیا میں آنا پسند نہ کریگا مگر شہید آرزو کریگا کہ ان یرجع الی الدنیا فیقتل عشر مرات وہ پھر دنیا کی طرف واپس ہو کر اللہ کی راہ میں دس مرتبہ قتل کیا جائے (بخاری، مسلم، مشکوۃ)۔ اسلام کی نشر و اشاعت اور اسکی بقاء کیلئے بیشمار مسلمان اب تک شہید کیے گئے مگر ان تمام لوگوں میں سید الشہداء، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت بے مثل ہے کہ آپ جیسی مصیبتیں کسی دوسرے شہید نے نہیں اٹھائیں۔ آپ تین دن کے بھوکے پیاسے شہید کیے گئے۔ اس حال میں کہ آپ کے تمام رفقاء، عزیز و اقارب واہل عیال سب بھوکے پیاسے تھے اور ننھے بچے پانی کیلئے تڑپ رہے تھے۔ اس موقع پر اہل بیت کے نوجوانوں نے خاک کربلا کے صفحات پر اپنے خون سے شجاعت وجواں مردی کے وہ بے مثال نقوش ثبت فرمائے جن کو فنا کے ہاتھ مٹانے سے قاصر ہیں۔ نیاز مندوں اور عقیدت کی ایسی معرکہ آرائیاں ہوئیں کہ جنہوں نے علمبردارانِ شجاعت کو خاک وخون میں لٹا کر اپنی بہادری کے غلغلے دکھائے۔ آخر اس قربانی کے پیچھے کونسا جذبہ کارفرما تھا؟ صرف یہی کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جائے اور بندہ بلند مرتبہ حاصل کر لے۔ اسلام کا فلسفۂ شہادت یہی ہے کہ بندہ ابتلاء و آزمائش کی کٹھن منزلوں سے گذرنے کے بعد اعزاز و اکرام کی سلطنتوں کا تاجدار بن جائے۔ قانون فطرت اور دستور قدرت یہی ہے کہ مصائب و تکالیف کی مشقتوں کو جھیلے اور برداشت کیے بغیر کسی کو بھی کوئی رتبہ اور مرتبہ نہیں ملا کرتا۔ عربی میں ایک مشہور مقولہ ہے العطایا علی

قــدر البــلايــا یعنی جتنا بڑا امتحان اتنا ہی بڑا انعام۔ حدیث پاک میں فرمایا'' سب سے زیادہ سخت اور بڑا امتحان حضرات انبیاء علیھم السلام کا ہوتا ہے پھر ان کے بعد جو جس درجے کا بلند مرتبہ ہوگا اسی قدر سخت اس کا امتحان ہوگا'' رب تعالی ان کو یہ سنا دیتا ہے کہ'' یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی درودیں ہیں اور رحمت اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں'' شہید کیلئے ان کے علاوہ اور بہت سی نعمتوں کا اعلان ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقا نے عملی طور پر مسلمانوں کو شہادت کا فلسفہ اس طرح سمجھایا کہ جو چیز بھی خدا کی راہ میں قربان کی جائے گی وہ ہمیشہ بڑھتی اور ترقی کرتی رہے گی۔ شہید کربلا کی اولاد میں سے صرف حضرت سیدنا زین العابدین زندہ سلامت واپس لوٹے اور مخالف فوج ہزاروں کی تعداد میں زندہ اپنے گھر پہنچی مگر تنہا ایک امام زین العابدین کی نسل اور اولاد میں خداوند قدوس نے اتنی برکت عطا فرمائی کہ آج عرب وعجم، حل وحرم، چار دانگ عالم میں حسینی سادات کرام کی تعداد لاکھوں میں موجود ہے۔ مگر بائیس ہزار یزیدی لشکر کی نسل منقطع ہوگئی۔ چونکہ امام عالی مقام خدا کی راہ میں قربان ہوگئے اسلئے خداوند عالم نے ان کی اولاد میں اتنی کثیر برکت عطا فرمادی۔ شہادت کا ایک فلسفہ یہ بھی ہے کہ سر کٹ جائے، خاندان قربان ہو جائے مگر دین کی شان و عظمت پر آنچ نہ آنے پائے۔ امام پاک نے میدان کربلا میں اپنی عظمت و مرتبت کے مطابق شاندار کردار کا مظاہرہ فرمایا وہ کربلا میں حق وصداقت اور دین کیلئے سینہ سپر ہوگئے انہوں نے ثابت فرمادیا کہ مردان حق کے سر کٹ تو سکتے ہیں باطل کے سامنے جھک نہیں سکتے۔ حضرت امام حسین کا ایثار قربانی اور صبر و رضا کا یہ مظاہرہ ایسا مقبول ہوا کہ آج حسینیت سربلندیوں اور سرفرازیوں کا عنوان ہو

گئی۔نام حسین ہر کسی کیلئے قرار جان ہو گیا۔محبت حسین جان ایمان ہو گئی۔امام نے شہید ہو کر پرچم حق کو ہمیشہ کیلئے بلند کر دیا اور امت مسلمہ کو باطل کیخلاف ڈٹ جانے اور سب کچھ قربان کر دینے کا وہ بے مثال لازوال جذبہ عطا کر دیا جو اہل حق کا امتیاز اور افتخار ہے۔

حشر تک زندہ ہے تیرا نام اے امین رسول
کر گیا ہے تو وہ احساں نوع انسانی کیساتھ

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو نیک جذبہ عطا فرمائے اور مقام شہادت سے سرفراز فرمائے۔(آمین)

یہ تقریر ریڈیو پاکستان حیدر آباد سے ۷ استمبر ۱۹۹۰ کو نشر ہوئی۔

سفیران رسالت

حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ

سیدنا حضرت دحیہ الکلبی رضی اللہ عنہ، کا تعلق عرب کے مشہور قبیلہ بنو کلب سے تھا، اس نسبت سے آپ کلبی کہلاتے ہیں، آپ قدیم الاسلام صحابی تھے اور جنگ بدر کے علاوہ، دوسری تمام جنگوں احد، احزاب، خیبر وغیرہ میں جو عہد رسالت میں ہوئیں، آپ کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب ہونا ثابت ہے۔ ایک مرتبہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاشانۂ نبوت میں تشریف فرما تھے کہ آپ نے ایک شخص کو ترکی گھوڑے پر سوار دیکھا جن کے سر پر عمامہ تھا، حضور ان کو دیکھکر تیزی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر جا کر اپنے دست مبارک ان کے گھوڑے کی ایال پر رکھ دئے اور مصروف گفتگو ہو گئے، جب واپس گھر کے اندر تشریف لائے تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ آپ نے ایک دم کھڑے ہو کر مجھے اس شخص سے ڈرا دیا'' حضور نے پوچھا کیا تم نے اسے دیکھا تھا؟ عرض کی ''ہاں''۔ فرمایا بھلا تم نے کس کو دیکھا تھا؟ ام المومنین نے عرض کی ''وہ دحیۃ الکلبی تھے''۔ حضور نے فرمایا ''نہیں وہ جبرئیل علیہ السلام تھے''۔ دحیۃ الکلبی رضی اللہ عنہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کبھی کبھی ان کی شکل میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کرتے تھے، یہی شرف ان کو دوسرے صحابہ سے ممتاز کرتا

ہے۔

حضرت دحیہ یقیناً ایسے اوصاف و خصائص کے حامل تھے کہ حضرت جبرئیل امین نے ان کی صورت میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا پسند کیا۔ امام بن شہاب زہری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے جس شخص کو سب سے زیادہ جبرئیل کے مشابہ دیکھا وہ دحیۃ الکلبی ہیں (طبقات ابن سعد)۔ حضرت دحیۃ الکلبی ان معزز و معتبر صحابہ کرام میں شامل ہیں جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمسایہ بادشاہوں اور عرب کے کچھ مقتدر لوگوں کی طرف اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ ابن اثیر جزری مشہور مورخ نے اپنی تالیف اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ حضور نے دحیہ کو قیصر روم کی طرف اپنا سفیر بنا کر بھیجا، یہ ذی قعدہ ۶ ھ صلح حدیبیہ کے بعد کا واقعہ ہے، جب حضور نے حضرت دحیہ کو دعوت اسلام کا ایک خط دیکر رومی شہنشاہ ہرقل کے پاس روانہ فرمایا، بعض روایات میں یہ تذکرہ ہے کہ حضرت دحیہ نے یہ مکتوب لکھ کر حضور کے حکم سے حاکم بصریٰ کو پہنچایا جب کہ بعض تواریخ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ مکتوب حاکم بصریٰ کی معرفت نہیں بلکہ خود حضرت دحیہ نے حمص جا کر ہرقل کو یہ مکتوب دیا اور ان کی اس سے ملاقات ہوئی۔ وہاں سے واپسی پر آپ نے غزوہ خیبر میں شریک ہو کر داد شجاعت دی، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ہرقل نے تخلیہ میں حضرت دحیہ سے ملاقات کی اور ان سے کہا ''میں جانتا ہوں کہ رسول عربی اپنے دین میں سچے ہیں، لیکن میں اپنی جان اور عمائد حکومت کے خوف سے علی الاعلان ان کا دین اختیار نہیں کر سکتا'' چنانچہ جب قیصر روم نے اپنا ایمان ظاہر کیا تو مسیحی علماء نے اس کو منع کیا۔ حضرت دحیہ نے یہ سب حال حضور سے بیان کیا، آپ نے

فرمایا کہ اللہ اس کی سلطنت کو قائم رکھے۔ بہر صورت حضرت دحیہ کی سفارت کامیاب رہی چنانچہ غزوۂ تبوک ۹ ھ کے موقع پر حضور نے ہرقل کے پاس ایک مرتبہ پھر اپنا سفیر بنا کر ایک اور مکتوب گرامی حضرت دحیہ کے ساتھ روانہ فرمایا۔ حضرت دحیہ کو حضور سے بے انتہا محبت اور عقیدت تھی، آپ بھی ان کو بہت عزیز جانتے تھے ایک دفعہ آپ کے پاس کچھ قبطی چادریں آئیں، ان میں سے ایک چادر آپ نے حضرت دحیہ کو عطا فرمائی۔ علامہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت دحیہ نے دو موزے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ پیش کئے، آپ نے وہ قبول فرما کر پہن لئے۔ آپ کے سال وفات کے بارے میں کتب سیر خاموش ہیں البتہ اتنا ثابت ہے کہ آپ ۵۹ ھ تک تو حیات تھے۔ اللہ رب کریم ان کی مرقد انور کو رحمتوں سے بھر دے آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

۱۲ مارچ ۱۹۸۶ کو یہ تقریر ریڈیو پاکستان حیدرآباد سے نشر ہوئی۔

خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

بفیض شافع محشر، بہ لطف حضرت حیدر
تو ہے سلطانِ بحر و بر، معین الدین اجمیری
بفیض خواجہ عثماں ہوئے ہو ہند کے سلطان
نہیں ہے آپ کا ہمسر، معین الدین اجمیری

(شارب)

بہت سے دیگر روحانی سلسلوں کی طرح چشتیہ سلسلہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی سے شروع ہوتا ہے اور خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور خواجہ معین الدین سجزی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان ۱۲ واسطے ہیں، یعنی سلسلۂ چشت میں مولا علی کے بعد دوسرے نمبر پر خواجہ حسن بصری اور ۱۶ ویں نمبر پر خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو سلطان الہند اور نائب رسول فی الہند کہلاتے ہیں۔

چشت خراسان کے ایک مشہور شہر کا نام ہے وہاں کچھ بزرگان دین نے روحانی اصلاح و تربیت کا ایک بڑا مرکز قائم کیا اس کو بڑی شہرت حاصل ہوئی اور وہ مقام اور نام کی نسبت سے چشتیہ سلسلہ کہلانے لگا۔ اگرچہ دوسرا مقام چشت اوچ اور ملتان کے درمیان بھی واقع ہے مگر چشتیہ سے مراد خراسان والا چشت ہے۔ حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۲۹ھ/۹۴۰ء) وہ پہلے بزرگ ہیں جن کے اسم گرامی کے ساتھ تذکروں میں چشتی لکھا ہوا ملتا

ہے۔

ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ

اگر چہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے قبل بھی کچھ چشتی بزرگ ہندوستان میں تشریف لا چکے تھے۔ ان میں ایک خواجہ ابو محمد بن ابی احمد چشتی ہیں جن کے متعلق مولانا عبدالرحمٰن جامی نے نفحات الانس میں لکھا ہے کہ یہ سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ چشتیہ سلسلہ کو ہندوستان میں جاری کرنیکا شرف خواجہ اجمیری ہی کو حاصل ہوا۔ آپ پرتھوی راجہ کے عہد میں پہلی بار اجمیر ۵۸۶ھ/ ۱۱۹۰ء میں جلوہ افروز ہوئے اور اجمیر کو اپنا مستقر بنا کر ہندوستان میں تبلیغ و اشاعت کا کام شروع کر دیا۔

ان دنوں اجمیر راجپوت سامراج کا مضبوط مرکز اور ہندوؤں کا مذہبی گڑھ تھا دور دور سے ہندو اپنی مذہبی رسومات پوری کرنے کیلئے وہاں جمع ہوتے تھے۔ چھوت چھات کا ماحول تھا۔ مگر خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس بھیانک ماحول میں بھی اسلام کا نظریہ توحید و رسالت عملی حیثیت سے پیش کیا اور جس کو تسلیم کر لینے سے ذات پات کی تفریق بے معنی ہو گئی اور ہندوستان میں زبردست دینی اور سماجی انقلاب آ گیا۔

آپ کی زندگی

حضرت خواجہ کی زندگی بہت سادہ لیکن دلکش تھی ہندوستان کے سب سے بڑے سماجی انقلاب کے یہ بانی ایک چھوٹی سی جھونپڑی اور مطابق سنت

پیوند لگی دو تہی میں لپٹے بیٹھے ہیں۔ مگر نظر کی تاثیر کا یہ عالم کہ جس کی طرف دیکھ لیں معصیت کے چشمے اس کی زندگی میں خشک ہوں اور اطاعت کی لہریں موجیں مارنے لگیں۔

حضرت خواجہ غریب نواز معین الہند، معین الدین اجمیری کی ذات والاصفات کسی تعارف کی محتاج نہیں لاکھوں انسانوں کے دلوں پر آپ کی عقیدت کی مہر لگی ہوئی ہے۔ لاکھوں انسان آپ کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔ لاکھوں انسانوں پر مشکل کے وقت آپ کا نام نامی بے ساختہ آ جاتا ہے۔ ایسی عظیم شخصیتیں صدیوں بعد بزم عشق سے محفلِ زمان و مکان میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔ آپ کی ہستی گراں مایہ روحانی سرچشمہ ہے جس نے ہندوستان کو خوب سیراب کیا۔ آپ کے نور ایمانی اور فیض روحانی نے تاریکی کو روشنی میں بدل دیا۔

پریشان حالوں کی جائے پناہ

انسانیت آج پریشان ہے، سرگرداں ہے وہ کچھ تو اپنی مشکلات کا حل اور امراض کا علاج کسی ''ازم'' میں ڈھونڈتی ہے اور کبھی جمہوریت کے دامن میں پناہ تلاش کرتی ہے لیکن دراصل انسانیت کی نجات اور فلاح و بہبود خواجہ غریب نواز جیسی عظیم اور پاک شخصیتوں کے کردار، تعلیمات اور سیرت و احوال میں پوشیدہ ہے کیونکہ اولیاء کے دل اس ذات جلال لایزال کے نور سے منور روشن اور تاباں ہیں اور تاریکی کو دور کرنے والے ہیں۔ خلوص ان کا ہتھیار ہے۔ اخلاق ان کی ڈھال ہے۔ صدق ان کی تلوار ہے۔ عشق ان کا تیر ہے۔ تحمل ان کا شعار ہے۔ توکل وقناعت کی دولت ان کے پاس بے شمار ہے۔

آپ کا فیض

خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ بعض مورخین کے مطابق ۴۵ پینتالیس یا چھیالیس سال اجمیر مقدس میں قیام پذیر رہے اس عرصہ میں آپ نے ہند کی سر زمیں پر جو انقلاب برپا کیا اس کے اثرات آج ۷۷۴ سال گذرنے کے بعد بھی نمایاں طور پر موجود ہیں۔ حتیٰ کہ انگریز کہہ گیا کہ ہندوستان پر کسی بادشاہ کی نہیں بلکہ ''ایک قبر کی حکومت ہے''۔ حضور خواجہ نے سفر آخرت بوقت شب ۶ رجب ۶۳۳ھ فرمایا۔ بعض تذکرہ نگاروں نے آپ کا سن وصل ۶۲۷ھ/۲۱ مئی ۱۲۲۹ء بیان کیا ہے۔ آپ کا مزار مبارک صدیوں سے مرجع خاص وعام ہے۔ عرس کے دوران خواجہ کے لاکھوں پرستاران وعقیدتمندان دور دراز سے مزار مبارک پر آپ کے فیوض وبرکات حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہو کر زبان حال سے کہتے ہیں۔

تم ابر کرم، تم بحر سخا، تم لطف نبی، تم فضل خدا
تم سب کے معین اے گنج عطا سلطان الہند غریب نواز

آپ کا مقام

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ فنافی الرسول کے درجے پر فائز تھے، آپ کے پیر ومرشد حضرت خواجہ عثمانی ہارونی آپ سے بہت خوش تھے، فرمایا کرتے تھے ''ہمارا معین خدا کا محبوب ہے، مجھے اس کی مریدی پر فخر ہے'' حضرت

خواجہ دن رات میں دو قرآن مجید ختم کرتے تھے۔ اپنے مریدوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے۔

"معین الدین اسوقت تک جنت میں قدم نہیں رکھیگا جب تک اپنے مریدوں اور مریدوں کے مریدوں کو جو قیامت تک سلسلے میں ہوں گے جنت میں نہ لے جائیگا"۔ آپ اپنے پیرو مرشد کی تعظیم کرتے کرتے اس مقام پر پہنچ گئے کہ تمام مقامات غوثی و قطب الاقطابی طے کر کے قطب وحدت کے درجہ پر فائز ہوئے۔ آپ کی تصانیف میں انیس الارواح۔ کشف الاسرار معراج الانوار، کنجل اسرار، رسالۂ تصوف منظوم، رسالۂ آفاق وانفس، رسالہ موجودیہ، دیوان معین ہیں۔ آپ کے در پر حاضر ہونے والوں میں بلا تفریق مذہب ہر شخص شامل ہے۔ ہندو، سکھ، عیسائی، جات ہر ایک آپ کے در کا بھکاری ہے۔

اندرا گاندھی ہر سال آپ کے در پر حاضر ہوتی۔ ہندوستان کا موجودہ وزیر اعظم بھی کئی بار حاضر ہوتا رہا ہے۔

تمہارے در سے غریب ہو گئے امیر نواز ☆ تمہارا در فیضان ہے غریب نواز

حضرت سخی عبدالوہاب شاہ جیلانی

دودمان غوثیہ کے چشم و چراغ جن کا فیض آج بھی جاری ہے

جب بھی ذہن کے دریچے میں اولیائے کرام کا تصور شدت سے جھانکتا ہے تو فوراً ہی کرامت کا خیال بھی ابھرتا ہے اور پھر کرامت اور معجزے سے تعلق تین سوال اکثر ذہنوں میں پیدا ہوتے ہیں۔(۱) کیا یہ امور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء اور اولیاء کرام کے اختیار میں کر دیئے جاتے ہیں؟ (۲) کیا کرامت اور معجزے میں ان کا اپنا کوئی دخل نہیں ہوتا؟ (۳) یا ان کی حیثیت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سامنے ایسی ہوتی ہے جیسے کاتب کے سامنے قلم کی ہوتی ہے اور اولیائے کرام کا کرامات کے صدور میں کوئی اختیار نہیں ہوتا۔

محققین کا مسلک اس بارے میں یہ ہے کہ افعال ممکنہ ہوں یا غیر ممکنہ سب کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن بندے کو کسب اور اختیار دیا جاتا ہے خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا" خلقکم و ما تعملون" اللہ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا فرمایا ہے۔ تو عام انسانوں کو عام افعال کا اختیار دیا جاتا ہے اور خاص بندوں انبیاء اور اولیاء کو خاص افعال (جو عادت کے خلاف ہوں) کا اختیار دیا جاتا ہے۔

محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ خاص بندے چونکہ عادت کے دائرے سے بڑھ کر یعنی فرائض و واجبات اور سنتوں کے علاوہ بھی اتباع شریعت کرتے ہیں اس لئے انہیں اختیار بھی زیادہ دیا جاتا ہے۔ جیسے حدیث قدسی میں

ہے۔ بخاری شریف اور مشکوۃ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعہ مجھ تک قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتی کہ میں اسکو اپنا دوست بنا لیتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو پھر میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اسکی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اس کو ضرور دیتا ہوں"

خدا کے ایسے ہی دوست کو ولی کہا جاتا ہے کہ اب اس کے کان، آنکھ، اور ہاتھ پیر میں خدائی قوت آ جاتی ہے لہذا وہ دور اور نزدیک دیکھتا سنتا ہے اور جس چیز کو چاہے پکڑ سکتا ہے وہ دور ہو یا قریب اور جہاں چاہے ایک ہی آن میں پہنچ سکتا ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

"ایک روایت میں، دل اور زبان بن جانے کا بھی ذکر ہے۔ مطلب یہ کہ ولی کے دل میں وہی باتیں آتی ہیں جو خدا کے ارادہ میں ہوتی ہیں اور اس کی زبان سے وہی باتیں نکلتی ہیں جو خدا کی باتیں ہوتی ہیں"۔

دراصل اللہ تعالیٰ سے محبت تین قسم کی ہوتی ہے فعلی، صفاتی اور ذاتی۔ فعلی محبت تو عوام کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے احسان کے سبب دوست رکھتے ہیں اور صفاتی محبت خاص لوگوں مثلاً شہداء کی ہے یعنی وہ اللہ کی ذات سے عشق کرتے ہیں۔ یہ مقام مقربین کو حاصل ہے محبت کے ان مراحل سے گذرنے کے بعد من عرف نفسہ معرفت کا درجہ آتا ہے جہاں سے مقربین کے اصل مقامات شروع ہوتے ہیں اس معرفت کا نتیجہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو اس

چیز پر قدرت عطا فرما دیتا ہے جو خود اس کی صفت ہے پھر اس صفت کا حصہ ملنے کے بعد جب بندہ تصرف کرتا ہے تو کوئی چیز اس کا کہا نہیں ٹالتی۔ چنانچہ بندے کی طرف سے احیاء موتیٰ (مردوں کو زندہ کرنا) ابراء الاکمہ مادر زاد اندھے کو بینا کرنا) اور ابراء الابرص (جذام والوں کو اچھا کرنا) اسی عطا کی ہوئی قدرت سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ ولی اللہ تعالیٰ کے جوار میں ہوتا ہے اور جو شخص اللہ کے جوار میں ہوتا ہے اس کی مشیت اور ارادہ کے مطابق افعال ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسے کہ اہل جنت جب جنت میں ہونگے تو اللہ کے جوار میں ہونگے تو وہ جو چاہیں گے اسی وقت ہو جائیگا۔

اللہ کے ایسے مقربین سے دنیا بھری ہوئی ہے کوئی گوشہ خالی نہیں۔۔ سید الاولیاء غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان مقربین کے سردار ہیں اور ان کے نائبین، خلفاء، اولاد و احفاد، ہر خطۂ زمین پر بکھرے ہوئے ہیں، داتا لاہوری ہوں یا خواجہ اجمیری، نظام الدین اولیاء، بابا فرید گنج شکر، لعل شہباز قلندر ہوں یا شاہ لطیف بھٹائی، سچل سرمست اور شاہ مکی ہوں بابا سرفراز ہوں یا عبداللہ اصحابی، یہ سب اسی سلسلۂ قربت کی کڑی ہیں۔ (رضی اللہ عنہم)

سندھ کے قلب حیدر آباد کو جن مقربین نے اپنا آخری مسکن بنانا پسند فرمایا ان میں سید تخی عبدالوہاب شاہ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام سرفہرست ہے۔ آپ کے حیدر آباد ورود مسعود کے بارے میں اس روایت پر اعتبار کیا جاتا ہے جو قلائد الجواہر میں علامہ محمد یحییٰ تادنی نے ابن نجار سے نقل کی ہے۔ دوسری صدی ہجری کے یہ مشہور مورخ اپنے پیشرو مورخ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت غوث اعظم کے ستائیس صاحبزادے ہوئے ہیں۔ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ جس

وقت سلطان العجم شاہ اسماعیل بغداد پر قابض ہوا اور خانقاہ کو مسمار کرایا تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد مختلف مقامات پر منتشر ہو گئی ان میں سے شیخ علاؤ الدین علی، ان کی اولاد، اور ان کے بھائی محی الدین اور زین الدین بہت بڑے شیوخ میں تھے۔

شیخ علاؤ الدین، پانچویں پشت میں حضرت غوث اعظم کے صاحبزادے ہیں ان کا انتقال ۸۵۳ھ میں ہوا۔ غالب گمان یہ ہے کہ سیدنا شیخ عبدالوہاب شاہ جیلانی اسی دوران سندھ میں تشریف لائے اور حیدر آباد کو رونق بخشی جیلانی خاندان کے ایک فرزند پیر سید یوسف الگیلانی البغدادی لکھتے ہیں غالباً ملتان کے مخدوم گیلانی اور حیدر آباد کے سید عبدالوہاب گیلانی حضرت سید عبدالجبار کی اولاد ہیں۔

تمام خاندانِ گیلانی کا تفصیلی شجرہ نسب اور ان کا بیان بغداد شریف اور استنبول کے سرکاری ریکارڈ میں موجود اور محفوظ ہے۔ بعض تاریخی روایات میں حضرت غوث اعظم کی اولاد کا مغربی ہند (موجودہ پاکستان میں سیاحت کے ساتھ تبلیغ اسلام کرنے اور یہیں آباد ہونے کا بھی ذکر ملتا ہے) خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے سجادہ نشیں، احسن العلماء حضرت علامہ مفتی سید حسن میاں برکاتی رضی اللہ عنہ نے ایک بار ارشاد فرمایا تھا کہ حضرت سید سخی عبدالوہاب شاہ جیلانی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ، حضرت سیدنا شاہ حمزہ عینی قادری علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی کتاب ''کاشف الاستار'' میں فرمایا ہے۔ یہ کتاب قلمی ہے اور خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف میں موجود ہے۔

اللہ کے یہ مقرب بندے حضرت سید عبدالوہاب شاہ صدیوں سے

حیدرآباد میں اپنا فیض لٹا رہے ہیں اور بھرنے والے اپنی جھولیاں بھر رہے ہیں۔

اس دوران آپ کی بہت سی کرامات دیکھنے اور سننے میں آئیں۔ آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ ایک ولی کامل بابا صلاح الدین مجذوب آپ کے در پر سالوں تک پڑے رہے اور زندہ جاوید ہستی کی شکل میں بندگان خدا کو فیض دیتے رہے ہیں اور اپنے انتقال سے کچھ پیشتر یہ فرما گئے۔

"لوگ کہتے ہیں کہ بابا گالیاں دیتا ہے اور اسلئے میرے پاس نہیں آتے ہاں میں گالیاں دیتا ہوں لیکن کسے انہیں جو کہتے ہیں کہ ان مزاروں پر کیا ملتا ہے، اندھوں کو یہ نہیں سوجھتا کہ اگر یہاں کچھ نہیں ملتا تو صلاح الدین کیوں یہاں پڑا رہتا ہے"۔

حضرت بابا صلاح الدین کا مزار کوٹری میں موجود ہے اور ہزاروں لوگ ایسے موجود ہیں جنہوں نے آپ کی زندگی میں آپ کی بیشمار کرامات دیکھیں اور بعد وفات بھی ان کا صدور جاری ہے۔ سخی عبدالوہاب شاہ جیلانی کی ایک کرامت کا تذکرہ بھائی خان چاڑی حیدرآباد کے صوفی عبدالغنی اس طرح کرتے ہیں کہ عرصہ دراز سے میری خواہش تھی کہ حج پر جاؤں مگر وسائل نہ ہونے سے یہ تمنا پوری نہیں ہو پا رہی تھی اور ہر سال اس مقدس موقع پر صرف سوچ کر رہ جاتا تھا۔ دو سال قبل آپ کے عرس مبارک کے موقع پر محفل نعت کا اختتام ہوا تو میں نے آپ کے مزار مقدس پر جالیاں تھام کر گڑگڑا کر حج کی دعا کی دعا سے فارغ ہو کر گھر پہنچا تو وہاں ایک پیغام میرا منتظر تھا جو میرے نواسے نے دبئی سے کسی صاحب کے ساتھ روانہ کیا تھا کہ حج کی تیاری کرو تمام انتظامات مکمل ہیں وہ صاحب اسی وقت دبئی سے آئے تھے۔

آپ کی ایک اور کرامت کا ذکر درگاہ شریف پر روزانہ حاضری دینے والے ایک شخص نے اس طرح کیا۔ چند سال پیشتر درگاہ پر روز حاضری دینے والے سعید نامی ایک شخص کے دونوں پیر اچانک ایک دن آگ میں جل گئے اور اس بری طرح جلے کہ اسپتال میں داخل کیا گیا اور ڈاکٹروں نے معائنے کے بعد فیصلہ سنا دیا کہ پیر کو کاٹنا ہوگا ورنہ زہر پھیلنے اور جان جانے کا خطرہ ہے مریض نے یہ سن کر ڈاکٹروں سے صاف منع کر دیا کہ وہ ہرگز ایسا نہیں کرنے دے گا انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ انہیں اسی وقت اسی حالت میں درگاہ حضرت عبدالوہاب شاہ جیلانی پر لے جایا جائے میں وہیں ٹھیک ہو جاؤں گا ڈاکٹروں نے صاف منع کر دیا لیکن پھر ان کے پیہم اصرار اور ضد پر دیوانہ کہہ کر مجبوراً لے جانے کی اجازت دیدی ساتھ جانے والوں نے ان کو کسی نہ کسی طرح درگاہ شریف پہنچا دیا۔ درگاہ شریف پہنچتے ہی یہ شخص مزار مبارک کی طرف منہ کر کے کہتا ہے آپ کے در پر آ گیا ہوں اپنے پیروں سے چل کر ہی جاؤں گا یہ صاحب ایک دو روز اسی طرح رہے۔ زخموں کا عالم یہ تھا کہ لوگ دیکھتے ہی دور ہٹ جاتے تھے۔ تیسرے دن ان کے پاس ایک شخص آیا اور کوئی دوا دے دی یہ لگاؤ ٹھیک ہو جاؤ گے چنانچہ اس دوا کو بطور مرہم استعمال کیا اور واقعتاً وہ خطرناک تکلیف چند روز میں دور ہو گئی اور وہ بالکل ٹھیک ہو کر درگاہ شریف سے اپنے پیروں سے چل کر گئے۔

اللہ کے اس مقرب دوست کی اور بھی بہت سی کرامتیں عوام میں مشہور ہیں۔

حضرت سید سخی شاہ عبدالوہاب شاہ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار

مبارک پر حاضری کیلئے عقیدت مند سینکڑوں میل دور سے آتے رہتے ہیں حاضری کا یہ سلسلہ معمولات زندگی کے تقریباً ہر گھنٹے میں جاری رہتا ہے اور لوگ اپنے خالی دامن بھرتے ہیں۔ آپ کا سالانہ عرس مبارک ۲۶ ربیع الاخر کو ہوتا ہے جس میں بہت سے صوفیائے کرام بھی شریک ہوتے ہیں۔ بعض اصحاب کشف کا بیان ہے کہ آپ کے مزار پر بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ بھی روحانی طور پر تشریف لایا کرتے ہیں اور جب بھی آتے ہیں شاہ مکی بابا پر بھی حاضری کیلئے تشریف لے جاتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت سخی سیدنا عبدالوہاب شاہ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ مبارک کے صحن میں حضرت خلیل ملت خواجہ مفتی محمد خلیل خان قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک بھی ہے جو دارالعلوم احسن البرکات حیدرآباد کے بانی ہیں۔

یہ تقریر ریڈیو پاکستان حیدرآباد سے ۱۸ نومبر ۱۹۸۹ کو نشر کی گئی۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

دہلی کو دارالاولیاء اور بیت الفقراء ہونے کا فخر حاصل ہے، ہزاروں مشہور و معروف صاحب نسبت اور صاحب اجازت اہل اللہ اس شہر میں بخواب نوشیں استراحت فرما رہے ہیں، ان ہی بزرگوں کی نسبت سے دہلی کو "بائیس خواجہ کی چوکھٹ" کہا جاتا ہے۔

سلطان المشائخ، محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی ان بائیس خواجگان میں شامل ہیں جن کو بجا طور پر قطب زماں اور مرشد دوراں کہا جاسکتا ہے۔ آپ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر کے جانشیں ہیں۔ ۲۷ صفر ۶۳۶ھ بعد طلوعِ آفتاب اس عالم میں رونق افروز ہوئے، آپ سادات سے ہیں، والد ماجد اور والدہ محترمہ کی طرف سے سید النسب حسینی ہیں۔ جب حضرت نظام الدین اولیاء کی عمر شریف پانچ سال ہوئی تو والد ماجد رحلت فرما گئے۔ آپ نے قرآن کریم سے اپنی تعلیم کا آغاز فرمایا اور تمام علوم ظاہری یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، معانی، منطق، حکمت، فلسفہ، ہیئت، ہندسہ، لغت اور ادب میں کمال حاصل کیا۔ ساتوں قراءۃ کے ساتھ قرآن شریف یاد کیا۔ تحصیل علوم کے بعد آپ اپنے وطن بعد الہجرت بدایوں سے چل کر دہلی میں رونق افروز ہوئے اسی دوران آپ نے بابا فرید گنج شکر کا شہرہ سنا تو پیر کامل کی تلاش آپ کو اجودھن لے آئی۔ ۱۱ رجب المرجب ۶۵۶ھ آپ اجودھن میں

داخل ہوئے بعد نماز ظہر حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوئے، قدم بوسی سے مشرف ہوئے، حضرت بابا فرید نے ایک شعر پڑھا اور فرمایا شاباش! خوب آئے، انشاء اللہ دین اور دنیا کی نعمتوں سے بہرہ مند ہوگے اور اسی دن، حضرت محبوب الٰہی کو وہ ٹوپی دی جو خود اوڑھے ہوئے تھے، ٹوپی کے علاوہ آپ کو اور تبرکات بھی دیئے، خرقہ، نعلین چوبیں، مصلی اور عصا آپ کے سپرد فرمایا، پھر یوں ارشاد فرمایا:

''اے نظام الدین! میں چاہتا تھا کہ ولایت ہندوستان کسی اور کو دوں مگر تم راستے میں تھے کہ مجھ کو غیب سے ندا پہنچی کہ ابھی ٹھہرے رہو، نظام بدایونی آتے ہیں اور وہی اس ولایت کے لائق ہیں، انہیں کو دینا چاہیے''۔

اس وقت محبوب الٰہی کی عمر ۲۰ بیس سال تھی، آپ ایک سال سے کم عرصہ اپنے مرشد کی خدمت میں رہے پھر مرشد گرامی نے آپ کو خلافت نامہ عطا فرمایا اور دہلی جانے کا حاکم دیا، بوقت رخصت فرمایا:

''مولانا نظام الدین کو بحکم الٰہی میں نے ہندوستان کی ولایت بخشی اور اس ملک کو ان کی پناہ میں چھوڑا اور اپنا صاحب سجادہ کیا''۔

اجودھن سے دہلی واپس آ کر آپ پیرانِ چشت کی مسند پر متمکن ہوئے اور خلق اللہ کی رشد و ہدایت کرنے میں مشغول ہوئے آبادی میں رہنے کی وجہ سے عبادات میں مخلوق خدا کے اژدھام کا اندیشہ آپ کو بفرمان الٰہی ایک گاؤں عنایت پورہ لے گیا جہاں آپ نے مستقل سکونت اختیار فرمائی اور تمام عمر شریف وہیں گذار دی آج کل اس جگہ کو نظام الدین کہا جاتا ہے، وہیں آپ کا مزار مبارک ہے جہاں ہر سال آپ کا عرس شریف تزک و احتشام کے ساتھ منایا

جاتا ہے، آپ کا وصال چار ماہ بیمار رہنے کے بعد ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ میں ہوا، حضرت محبوب الٰہی نے وفات سے چالیس روز قبل کھانا بالکل چھوڑ دیا تھا، ایک روز شوربہ آپ کو پیش کیا گیا آپ نے پینے سے انکار فرما دیا اور کہا:

''جس کے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مشتاق ہوں اس کو طعام دنیا سے کیا کام''۔

آپ نے اپنے وصال کے دن بعد نماز ظہر حضرت نصیر الدین چراغ کو اپنا نائب مقرر کیا اور ان سے فرمایا ''تم کو دہلی میں رہ کر لوگوں کی جفا و قضاء اٹھانی چاہئے''۔ حضرت محبوب الٰہی نے زندگی بھر شادی نہیں کی اور تمام عمر تنہا گذار دی۔ آپ کے لنگر خانہ میں آپ کے مرشد کی دعا کی بدولت روزانہ ستر من نمک خرچ ہوتا تھا، ستر اونٹ پیاز لہسن کے چھلکے روز آپ کے باورچی خانہ سے نکلتے تھے۔ آپ دنیا اور اہل دنیا سے بے تعلق تھے۔ شاہانِ وقت کو آپ کی زیارت کی تمنا رہتی تھی۔ حضرت محبوب الٰہی نے ترکِ دنیا کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ہمت بلند رکھنی چاہئے اور دنیا کی آلائشوں میں نہیں پھنسنا چاہیے، حرص و ہوس چھوڑ دینی چاہئے۔ ہر ایک کا ظلم سہنا چاہئے اور اس کا بدلہ لینے کی نیت بھی نہیں کرنی چاہئے۔ آپ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ایک جملہ ''ہنوز دلی دوراست'' اب بھی بطور ضرب المثل لوگوں میں مستعمل ہے، جو آپ نے سلطان غیاث الدین تغلق کیلئے ارشاد فرمایا تھا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

امام احمد رضا اور مرشدان مارہرہ مطہرہ

بہ فرمائش ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی پاکستان

صفر ۱۴۲۱ھ/مئی ۲۰۰۰ء

پھولتا پھلتا رہے گا باغِ مارہرہ مدام
کہہ رہی ہے یہ بہارِ برکتِ احمد رضا
(مفتی خلیل مارہروی)

امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالی عنہٗ کی شخصیت وفکر پر جو پردے پڑے ہوئے تھے۔۔۔ الحمدللہ اب وہ اٹھ چکے ہیں۔۔۔ اور بہت سے اٹھنے کو ہیں۔۔۔ امام احمد رضا سوادِ اعظم اہلسنّت کے سردار ہیں۔۔۔ انکے جذبے میں خلوص ہے انکی فکر میں بڑی گہرائی ہے۔۔۔ امام احمد رضا نے جذبۂ عشق کی جوبھرپور تحریک چلائی۔۔۔ اس نے مسلمانوں کے دلوں کو عشق مصطفٰی ﷺ کی گرمی سے گرما دیا۔۔۔ امام احمد رضا کو، میں نے دیکھا نہیں۔۔۔ بولتے ہوئے ان کو سنا نہیں۔۔۔ مگر مجھے ان سے محبت ہے۔۔۔ اسلئے کہ میرا اُن سے ایک رشتہ ہے۔۔۔ وہی رشتہ جو رازی سے ہے، وہی رشتہ جو سعدی، غزالی، رومی، ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل، بسطامی، بخاری اور مسلم سے ہے۔۔۔ مگر مجھے ان سب سے زیادہ محبت رضا سے ہے۔۔۔ شاید اسلیئے کہ جب اس جہاں میں آنکھ کھولی تو رضا کا نام سنا، ہوش سنبھالا تو رضا کا نام سنا۔۔۔ مجھے تو رضا کا نام گھٹی میں گھول کر پلا دیا گیا۔

تیری الفت میرے مرشد نے مجھے
دی ہے گھٹی میں پلا احمد رضا
(سید حسن میاں مارہروی)

پہلے صرف سنا۔۔۔ پھر پڑھا۔۔۔ پھر سنوایا گیا۔۔۔ پھر پڑھوایا گیا۔۔۔ یہ سب عمل اتنی مرتبہ ہوئے کہ رضا میرے شعور میں آگئے اور لاشعور میں بھی۔۔۔ بلکہ تحت الشعور میں بھی رضا نے بسیرا کرلیا۔

امام احمد رضا اپنے اعلیٰ اصول پر سختی سے کاربند رہنے کی وجہ سے مسند عظمت پر فائز ہوئے۔۔۔ وہ رہنما۔۔۔ رہبر۔۔۔ مقتدا۔۔۔ اور قائد بن گئے۔۔۔ انہوں نے حق گوئی کے ذریعے مسلمانوں کو فتنہ وفساد سے بچا کر صراط مستقیم کی طرف چلا دیا۔۔۔ امام احمد رضا کو یہ اصول ایک دولت کی شکل میں مارہرہ کی مقدس سرزمین سے حاصل ہوئے' اس دولت کو عشق کہتے ہیں۔۔۔ امام احمد رضا کو کالپی کی تقدس مآب بارگاہ سے گنج گراں ملا' جسے فنا کہتے ہیں۔۔۔ عشق نے فنا کی منزل تک پہنچایا۔۔۔ اور فنا کی منزل نے بقاء کی منزل کی طرف رہنمائی کی' یہ کونسا عشق ہے۔۔۔ یہ عشق، عشقِ رسول اور محبتِ آل رسول ہے۔۔۔ جو انسان کی حیات ابدی کی ضامن ہے۔۔۔ امام کو وہ حیات ابدی حاصل ہوئی' جسکو قرآن نے حَیٰوۃً طَیِّبَۃً فرمایا۔۔۔ آج امام کی آواز عشق ومحبت کی آواز ہے۔۔۔ حق وصداقت کی آواز ہے۔۔۔ امام نے جب عشق محبت کی آگ میں قدم رکھا۔۔۔ تو مرشد نے سونے کا کندن بنا دیا۔۔۔ پھر تو امام احمد رضا شریعت وطریقت کے ساتھ ساتھ معرفت وحقیقت کے بھی امام بن گئے۔۔۔ امام احمد رضا پر' مرشد برحق کی چند ساعتوں کی صحبت نے' ایسا رنگ چڑھایا کہ امام احمد رضا' مرشد

کی شبیہ بن گئے ---صورۃً بھی ---سیرۃً بھی ---ظاہرًا بھی ---باطناً بھی ---

پھر امام' امیدوں کا مرکز بن گئے ---عوام کیلئے بھی اور خواص کے لیئے بھی ---اور زمانے نے دیکھا کہ امام کی ذات سے علم کے ایسے ایسے چشمے بہنے لگے کہ ہر شخص اپنے اپنے ظرف بھرنے لگا۔

امام کے علوم کا ایک بحر ذخار "فتاویٰ رضویہ" کے نام سے پہچانا گیا ---
کیسے کیسے ماہرین فن' اس سمندر سے چلو بھرنے لگے ---کیا خطیب ---کیا واعظ ---کیا عالم ---کیا شاعر ---کیا تاجر ---کیا مفتی ---کیا محدث ---کیا مفسر ---کیا فقیہ ---کیا شیخ ---کیا ---حافظ ---کیا قاری ---سب ہی در رضا پر آنے لگے۔

حضرت سید شاہ ابو الحسین نوری

اور تو اور ---وہ جو آسمانِ ارشاد کا آفتاب تھا ---اور علم و دانش کا مہتاب تھا ---ایک عالم اس سے فیضیاب تھا ---جو خانقاہ مارہرہ مطہرہ کا عظیم فرد ---روحانیت کا شہنشاہ ---سید المشائخ ---چشم و چراغ خاندان برکات' علم و فضل میں نابغہ روزگار ---تصوف و سلوک میں یکتائے زمانہ ---اخلاق و اعمال میں نمونۂ سنت ---کرامات و تصرفات میں بے مثال ---یعنی کشور ولایت ---نور العارفین الکرام' سلالۃ الواصلین العظام' حامئی شرع مبین' رکنِ رکین دینِ متین' سیدنا و سندنا و مولانا مقتدانا' قطب عالم قدوۃ السالکین' یعنی حضرت سید شاہ ابو الحسین احمد نوری مارہروی قدس اللہ سرہ تاجدار مسند مارہرہ بھی امام احمد رضا سے جزئیات شریعت لیکر' لوگوں میں تقسیم کرنے لگے ---یہ وہ مرشد اعظم' احمد نوری ہیں ---جن کی تعریف میں امام احمد رضا جیسے فاضل اجل یوں رطب اللسان ہیں!)(۱)

بر تر قیاس سے ہے مقام ابو الحسین
سدرہ سے پوچھو رفعت بام ابو الحسین

جن سے خود امام احمد رضا کو شرف خلافت و اجازت حاصل تھا۔۔۔ان کی مدح میں امام نے کیا فرمایا۔ سنیئے!

آنَسْتُ مِنْ مَارَهْرَةَ نَاراً عَلٰی
طُورٍ اَشَا طُوراً بِهٖ يَهْدِيْنَا
طُوبٰی لِاَبْنَاءِ السَّبِيْلِ اِذَاهْتَدَوْا
وَمَشَوْا لِهٰذَا النُّورِ مُنْقَادِيْنَا
اَكْرِمْ بِنَارٍ ضَوْءُهَا يَجْلُوا الدُّجٰی
مِنْ اَحْمَدَ النُّورِیْ جَاءَ مُبِيْنَا
نُوْرُ الْهُدٰی بَحْرُ التُّقٰی بَدْرُ النُّقٰی
اَضْحٰی لَهٗ حِفْظُ الْاِلٰهِ مُعِيْنَا

(مفہوم) میں نے مارہرہ سے کوہ طور پر ایک آگ اٹھتے ہوئے دیکھی ہے۔۔۔ میں اسی آگ کی رہبری چاہتا ہوں۔۔۔ مبارک ہیں وہ منزل کی طرف چلنے والے جو اس کے پیچھے چلیں اور راستہ پالیں۔۔۔ کیسی بلند و بالا ہے وہ آگ جس کی چمک دمک تاریکیوں کو روشن کرے اور چمکا دے۔۔۔ یہ چمک احمد نوری سے پھوٹ رہی ہے۔۔۔ وہ احمد نوری جو ہدایت کا نور۔۔۔ تقویٰ کا سمندر۔۔۔ اور پاکیزگی کا ماہتاب ہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی حفاظت و پناہ ان کی مدد فرمائے۔۔۔

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے یہ عربی اشعار، حضرت خاتم الاکابر سید نوری میاں رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی تصنیف، "**العسل المصفی**" **فی عقائد ارباب سنۃ المصطفیٰ** کی تالیف وطبع کے موقعہ پر تاریخ نکالتے ہوئے کہے --- یہ کل سولہ ۱۶ اشعار ہیں ان تمام اشعار کو، جامعہ ازہر مصر (قاہرہ) کے ممتاز عالم، استاد ڈاکٹر حازم محمد احمد عبدالرحیم المحفوظ نے امام کے عربی دیوان "**بساتین الغفران**" میں بھی جمع کیا ہے (بحوالہ) حازم محمد احمد، استاذ، **بساتین الغفران**، مطبوعہ رضا دار الاشاعت لاہور، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء ص ۱۶۰ ص ۱۶۱ بحوالہ رسالۂ مذکورہ ۱۲۹۸ھ ۱۸۸۰ء ص ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، مطبوعہ میرٹھ ھند' باہتمام جماعت تجارت متفقہ اسلامیہ میرٹھ، و بحوالہ حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی" محمد مسعود احمد، ڈاکٹر، اسلامی کتب خانہ، سیالکوٹ، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۱ء ص ۷۳، ۷۴، ۷۵)

اس مرشد اعظم نے جب کتاب ''سراج العوارف'' تصنیف فرمائی' امام احمد رضا نے' گیارہ عربی اشعار میں تاریخ لکھی اور نثر میں تقریظ ---

سنئے امام کیا کہتے ہیں

> اَرَانَا سِرَاجُکَ بِاللَّیلِ شَمْسًا
> وَ شَمْس" بِلَیلٍ عَجِیب" وَ طَارِف"
> کَاَنَّ الْکِتَابَ فَقِیہ" مُفِیض"
> فَجَر" لِعَارِفٍ وَبَحر" لِغَارِفٍ

''آپ کی اس کتاب سراج نے ہمیں' رات میں سورج دکھایا' رات میں سورج نظر آنا' عجیب و نادر چیز ہے--- گویا کہ یہ کتاب--- فقیہ ہے جو فیض کے دریا

بہار ہی ہے ۔۔۔ جو عارف کیلئے دامن کوہ (۴) ہے اور چلو بھر نے والے کیلئے سمندر ہے۔"

ان گیارہ اشعار میں سے چھ ۶ اشعار استاذ حازم محمد احمد عبد الرحیم المحفوظ نے، امام احمد رضا کے عربی دیوان، بساتین الغفران' میں بھی جمع کئے ہیں ۔۔۔اور ساتھ ہی لکھا ہے کہ مجھے ان گیارہ اشعار میں سے یہ چھ ہی مل سکے ہیں، حالانکہ میں نے ان کو کئی کتب میں تلاش کیا۔(بساتین الغفران ،ص ۱۹۵،۱۹۶مطبوعہ رضا دار الاشاعت لاہور ۱۹۱۸ھ/۱۹۹۷ء)

(کاش کہ علامہ حازم محمد احمد، ترجمہ سراج العوارف، مسمّٰی بہ "نور علی نور" از خلیل ملت مفتی محمد خلیل خان برکاتی قدس اللہ سرہ ملاحظہ فرلیتے تو انہیں گیارہ اشعار مکمل مل جاتے۔فقیر احمد میاں برکاتی غفرلہ الحمید)

پھر امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے اسی پر بس نہ کیا ۔۔۔ بلکہ اپنے مرشد زادے سیدنا ابوالحسین نوری کے دو مناقب رقم فرمائے ایک حدائق بخشش حصہ دوم میں' اور ایک حصہ سوم میں ہے ۔۔۔ حضرت علامہ مولانا سیدنا ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمۃ والرضوان کی ولادت ۱۹ رشوال ۱۲۵۵ھ / ۲۶ دسمبر ۱۸۳۹ء کو ہوئی اور وصال ۱۱ ر رجب المرجب ۱۳۲۴ھ /۱۳/ اگست ۱۹۰۶ کو ہوا۔

حضرت احمد نوری' امام احمد رضا کے مرشد برحق مقتدی الواصلین مولٰی الکاملین' حضرت سیدنا شاہ آل رسول صاحب مارہروی قدس سرہ العزیز کے پوتے ہیں یعنی ان کے خلف اکبر حضرت سیدنا شاہ ظہور حسن صاحب علیہ الرحمۃ (م ۱۲۶۶ھ) کے فرزند ارجمند ہیں۔

امام احمد رضا نے' حضرت نوری میاں کی پہلی منقبت ان کی مسند نشینی کے

موقعہ پر (۱۲۹۸ھ میں) کہی تھی جو تئیس (۲۳) اشعار پر مشتمل ہے اور ردیف ہے ''ابوالحسین''۔۔۔ دوسری منقبت بہ عنوان تاریخی ''مشرقستان قدس'' ۱۳۱۵ھ میں لکھی جو ۱۱۴ اشعار پر مشتمل ہے۔ ردیف ہے ''احمد نوری'' (۵)

مطلع ہے

ماہ سیما ہے احمد نوری	مہر جلوہ ہے احمد نوری
نور احمد مجھے بھی چمکا دے	نام تیرا ہے احمد نوری ۶

اس قصیدہ مبارکہ کو سن کر حضور روشن ضمیر، قطب عالم امام الاولیاء سلطان المشائخ علامہ مولانا خواجہ نوری میاں قدس سرہ نے، امام احمد رضا کو ایک نفیس عمامہ معطر و معبر نہ صرف عطا فرمایا بلکہ اپنے دست اقدس سے آپ کے سر پر باندھا (۷)

حضرت خاتم اکابر ھند، سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ، جو خود علم و فضل کے منبع ہیں،۔۔۔ عطرِ مجموعہِ ھُدٰی ہیں۔۔۔ جو اپنے۔۔۔ ملفوظات میں دین و شریعت پر سخت پابند رہنے کو یوں فرمائیں، کہ:

''اپنے دین برحق پر ایسے سخت اور مضبوط ہوں کہ دوسرے انہیں متعصب (ہٹیلا) جانیں کہ دین حق میں تعصب مقبولیت کا نشان اور پسندیدہ ہے۔۔۔ اور جھوٹے دھرم میں پختگی، شقاوت کی پہچان ہے اور ناپسندیدہ'' (۸)

ان کی خدمت میں، جب سائلین سوال لیکر آئیں تو، خود جواب نہ دیں بلکہ وہ سوال امام احمد رضا کی طرف منتقل کر دیں، حالانکہ امام احمد رضا ان سے سن میں سترہ (۱۷) سال بعد ہیں۔۔۔ مگر چونکہ امام احمد رضا کو ان کے مرشد۔۔۔ کندن۔۔۔ بنا چکے ہیں۔۔۔ لہٰذا اب مرشد زادے بھی ان مقامات کا خیال فرماتے ہیں۔۔۔ جس

سے ایک طرف امام احمد رضا کی عظمت و جلالت علمی چمکتی ہے۔۔۔تو دوسری طرف اندازہ ہوتا ہے کہ سید المشائخ نوری میاں رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے سینے میں کتنی وسعت ہے!

یہ مسئلہ امامت سے متعلق ہے۔۔۔حضرت نوری میاں علیہ الرحمۃ والرضوان نے امام رضا کو بھجوایا۔۔۔۱۳۱۲ھ کا سن ہے۔۔۔سوال ہے کہ تو تلے کی امامت' ہکلے کی امامت کیسی ہے اور ایک شخص افیون بغرض دوا کھاتا ہے جس سے نشہ نہیں ہوتا' امامت مکروہ ہے یا نہیں؟

امام احمد رضا' فقہ کی نو کتب سے حوالہ دیتے ہوئے' اس مسئلہ کے تمام جزئیات کے احکام الگ الگ بیان فرما دیتے ہیں (۹)

دوسرا سوال: فاحشہ عورت سے پردہ سے متعلق ہے: یہ سوال حضرت نوری میاں قدس سرہ نے ۳۰/ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ کو بھجوایا: سوال و جواب ملاحظہ ہو:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک فاحشہ سے پردہ جو آیا ہے وہ جس مصلحت سے ہے معلوم ہے! مگر ایسا موقع ہو کہ باہم فاحشہ اور غیر فاحشہ مسلمہ' قرابتِ اخت عینی رکھتے ہوں تو وہ بھی اس حکم میں داخل ہے یا نہیں اور اگر کبھی کبھی بتقاضائے محبت خون اسے اپنے سے مل لینے دے تو کیا مرتکب کبیرہ ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب' قول علماء لا ینبغی للمراۃ الصالحۃ ان تنظر الیھا المراۃ الفاجرۃ کمافی السراج الوھاج والھندیۃ، و ردالمحتار' اور اسی طرح ارشادِ الٰہی عزوجل وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشیطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَالذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ ہر صورت کو عام ہے اور مصلحت بھی عام بلکہ ایسی قرابت قریبہ میں برا اثر پڑنے کا زیادہ احتمال کہ اجنبیہ سے نہ اتنا میل ہوتا ہے اور نہ اس کی طرف سے اتنا

میل و المهاجرة لا مثال هذا لا یعد من القطع المنهی عنه قد صح مثله عن الصحابته رضی الله تعالی عنهم فی اقل من هذا منهم عبد الله بن عمر رضی الله تعالی عنهما ہاں یہ حکم احتیاطی ہے اگر نادراً کبھی کچھ دیر کو اسے مل لینے دے تو کبیرہ نہیں کما یدل علیہ قولهم لا ینبغی مگر احتیاط ضروری ہے جب دیکھے کہ اب کچھ بھی برا اثر پڑتا معلوم ہوتا ہے فوراً انقطاع کلی کرے اور اس کی صحبت کو آگ جانے اور انصاف یہ ہے کہ برا اثر پڑتے معلوم نہیں ہوتا اور جب پڑتا ہے تو پھر احتیاط کی طرف ذہن قدرے دشوار ہے لہٰذا امان و سلامت جدا رہنے ہی میں ہے وباللہ التوفیق مولانا قدس سرہ العزیز مثنوی شریف میں فرماتے ہیں

ناتوانے دور شواز یار بد ☆	یار بد بد تر بود از مار بد
مار بد تنہا ہمیں بر جان زند ☆	یار بد بر جان و بر ایمان زند

واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۱۰)

ایک اور سوال جو مسئلہ طلاق سے متعلق ہے' حضرت نوری میاں قطب عالم قدس اللہ سرہ نے' امام احمد رضا کو بھجوایا: غالباً یہ ۱۳۱۹ ھج کا واقعہ ہے' (اگرچہ مطبوعہ نسخوں میں ۱۳۹۱ ھج طبع ہو گیا' جو قطعاً غلط ہے کہ ۱۳۲۴ ھج میں حضرت واصل باللہ ہو گئے تھے) سوال و جواب ملاحظہ ہو:

مسئلہ۔ از بدایوں مرسلہ اعلیٰ حضرت سید ابوالحسین احمد نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲۰ ر ذی قعدہ ۱۳۱۹ ھج' ایک عورت سے ایک مرد اجنبی نے جبریہ زنا کیا شوہر نے سنا تو اعتبار جبر نہ کر کے' یہ کلمات کہے کہ'' میرے کام کی نہ رہی میں نے چھوڑ دی اگر آئے گی تو ناک کاٹ لونگا جہاں چاہے چلی جائے جو چاہے سو کرے'' اس کو عرصہ سال

بھر سے زیادہ گزر گیا۔ آیا طلاق پڑی یا نہیں وہ عورت دوسرا نکاح کرے یا نہ کرے خاوند نے باوجود فہمائش بھی رجوع نہ کیا بدستور مصر اسی بات کا ہے جو کہی تھی الفاظ طلاق صریح نہ تھے یہی تھے جو کہے فقط۔

الجواب: - عورت کو چھوڑ دینا عرفاً طلاق میں صریح ہے خلاصہ و ہندیہ میں ہے **لو قال الرجل لا مراته تراچنگ باز داشتم اوبهشتم اوبله کردم وپائے کشادم کر دم ترا فهذا كله تفسير قوله طلقتک عرفاحتی یکون رجعیا ویقع بدون النیته** اور "جہاں جاہے چلی جائے" کنایات طلاق سے ہے کلام میں تقدُّمِ طلاقِ صریح کے باعث وہ بھی تنقیح نیت کا محتاج نہ رہا فی **التنویر کنایته مالم یو ضع له واحتمله وغیره فلا تطلق بها الا بنیّته او دلالته الحال فی ردالمحتار المراد بها الحالة الظاهرة المفیدة المقصودة و منها تقدم ذکر الطلاق بحر عن المحیط** اور جبکہ یہ بائنہ اوس طلاق صریح رجعی سے ملی وہ بھی بائنہ ہوگئی۔ **فان البائن یلحق الرجعی و ملحوقه یبطل خیار الرجعه فیصیر ان بائنین کما صرحوا به** پس صورت مذکورہ میں عورت نکاح سے نکل گئی اس پر دو طلاقیں بائن پڑگئیں اگر اس مدت میں عدت گزر گئی ہو تو اسے اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۱۱)

سید شاہ جی میاں

آیئے اب بقیۃ السلف' تاج الخلف' زینت سجادہ برکاتیہ' متمکن مسند احمدیہ' رہبر راہ ھدیٰ' مرشد حق نما' سندُ المتصلبین مولانا سید الشاہ ابوالقاسم محمد اسمٰعیل حسن عرف شاہ جی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں حاضر ہوں' آپکی ولادت اور امام

احمد رضا کی ولادت ایک ہی سال ۱۲۷۲ھ میں ہوئی - فرق اتنا ہے کہ حضرت سید شاہ جی میاں' امام احمد رضا سے نو ماہ آٹھ دن بڑے ہیں، آپ کو شاہ جی میاں کا لقب' حضرت خاتم الاکابر' مجدد برکاتیت' قدوۃ العرفاء' امام السالکین' زبدۃ العارفین سید شاہ آل رسول مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عطا فرمایا تھا - (۱۲)

حضرت شاہ جی میاں قدس سرہ' اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کو سوال بھجواتے ہیں-

مسئلہ: از مارہرہ مطہرہ مسئولہ حضرت ابو القاسم سید اسمٰعیل حسن میاں صاحب دامت برکاتہم ۲۷ محرم ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چاندی سونے کی گھڑیاں رکھنا یا سیم و زر کے چراغ میں بغرض بعض اعمال کے فتیلہ روشن کرنا جس سے روشنی لینا کہ مقصود و متعارفِ چراغ ہے مراد نہیں ہوتا' بلکہ قوتِ عمل' و سرعتِ اثر و تنبیہ موکلات مقصود ہوتی ہے' جائز ہے یا نہیں- بینوا توجروا

الجواب:- دونوں ممنوع ہیں علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں **قال العلامة الوانی المنهی عنه استعمال الذهب و الفضة اذالا صل فی هذاالباب قوله علیه الصلاة و السلام هذان حرامان علی ذکور امتی حل لاناثهم ولمابین ان المراد من قوله حل لاناثهم مایکون حلیالهن بقی ماعداه علی حرمته سواء استعمل بالذات اوبالواسطه اه واقره العلامة نوح وایده باطلاق الاحادیث الواردة فی هذالباب اه ابو السعود ومنه تعلم حرمة استعمال ظروف فناجین القهوة و الساعات من الذهب و الفضة اه ملخصا** علامہ شامی ردالمحتار میں ان تصریحات علامہ

طحطاوی کوذکر کرکے فرماتے ہیں وھو ظاھر' اسی میں ہے الذی کلہ فضۃ یحرم استعمالہ بای وجہ کان کما قدمنا ولو بلامس بالجسدولنا حرم ایقادالعودفی مجمرۃ الفضۃ کما صرح بہ فی الخلاصۃ و مثلہ بالاولی ظروف فنجان القھوۃ والساعۃ وقدرۃ التنباک التی یوضع فیھا الماء وان کان لا یمسھا بیدہ ولا بفمہ لانہ استعمال فیما صنعت لہ الخ اور یہ عذر کہ چراغ استصباح یعنی روشنی کیلئے ہوتا ہے اور یہاں اس نیت سے مستعمل نہیں تو جواز چاہیے لما فی الدر المختار ان ھذا اذا استعملت ابتداء فیما صنعت لہ بحسب متعارف الناس والا فلا کراھۃ نامقبول ہے کہ اولاً عندالتحقیق مطلق استعمال ممنوع ہے اگرچہ خلاف متعارف ہو لا طلاق الا حادیث والادلۃ کمامر کٹورا پانی پینے کیلئے بنتا ہے اور رکابی کھانا کھانے کو پھر کوئی نہ کہے گا کہ چاندی سونے کے کٹورے میں کھانا کھانا یا اس رکابی میں پانی پینا جائز ہے۔علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں ماذکرہ فی الدرر من اناطۃ الحرمۃ بالاستعمال فیما صنعت لہ عرفافیہ نظر' فانہ یقتضی انہ لو شرب و اغتسل بانیۃ الدھن او الطعام انہ لا یحرم مع ان ذالک استعمال بلا شبھۃ داخل تحت اطلاق المتون والا دلۃ الواردۃ فی ذالک الخ ثانیاً استصباح چراغ خانہ سے مقصود ہے' یہ چراغ اس غرض کیلئے بنتا ہی نہیں اور جس غرض کیلئے بنتا ہے اس میں استعمال قطعاً متحقق تو استعمال فیما صنع لہ موجود ہے اور حکم تحریم سے مفر مفقود۔ہاں اگر سونے کا ملمع یا چاندی کی قلعی کرلیں تو کچھ حرج نہیں علامہ عینی فرماتے ہیں اما التمویہ الذی لا یخلص فلا باس بہ بالا جماع لا نہ مستھلک فلا عبرۃ ببقائہ لو نا انتھی- واللہ تعالی اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب -(۱۳)

سید مہدی میاں

اور یہ ہیں: سید مہدی حسن صاحب' جو بیٹے ہیں' سید شاہ ظہور حسین صاحب چھٹو میاں ولد سید شاہ آل رسول قدس سرہ کے' ولادت ۱۲۸۷ ھ میں ہوئی اور اپنے والد ماجد کے انتقال کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ (۱۴)

دربار احمد رضا میں ۳ شعبان ۱۳۲۸ ھ میں سوال بھیجتے ہیں:

سوال رشید احمد گنگوہی کے ایک مرید سے متعلق ہے جو یہ دعوا کرتا ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں کوئی کراہت نہیں' وہ حدیث سے ثابت ہے۔

امام احمد رضا' مجدد وقت' چھ صفحات میں مفصل جواب عطا فرماتے ہیں اور آخر میں فیصلہ فرماتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا' احادیث کی روشنی میں بے ادبی و جفا ہے۔ امام نے اس فتوی میں' کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں چار حرج ذکر فرمائے' پھر ان کے عذاب کا ذکر کیا' چار احادیث ذکر فرمائیں۔ اور مخالف کے دلائل کے آٹھ جوابات دیئے۔ پھر وجہ ترجیح کے تین قانون ذکر فرمائے' اور ضمن میں بہت سے فقہاء اور اطباء اور محدثین کے اقوال لائے۔ (۱۵)

یہی حضرت سید مہدی حسن صاحب' ۱۳۱۶ ھ میں' امام احمد رضا مجدد وقت سے سوال پوچھتے ہیں کہ عورتوں کو لکھنا سیکھنا شرعاً کیسا ہے؟ امام احمد رضا قدس سرہ جواب میں پانچ صفحات تحریر فرماتے ہیں' جن میں ثابت کرتے ہیں کہ اجازت کی اصلاً کوئی حدیث نہیں ہے۔ ممانعت کی احادیث موجود ہیں' آپ تین حدیث نقل فرما کر' تفصیل کے ساتھ اس کے مفہومات پر بحث فرماتے ہیں۔ (۱۶)

تاج العلماء امام احمد رضا قدس اللہ سرہ' جواب دیتے وقت' سجادگان مارہرہ مطہرہ کے مقامات رفعت کا بہت لحاظ رکھتے ہیں' ایک موقعہ پر وہ' کہ جنہیں امام

احمد رضا نے "وارث الاکابر الاسیاد بالاستحقاق والانفراد" (بڑے بزرگ آقاؤں کے تنہا اور منفرد وارث) قرار دیا (۱۷)، امام احمد رضا کے درِ فقاہت پر آتے ہیں: یعنی سراج العرفاء، تاج العلماء، سید الشاہ اولادِ رسول مفتی سید محمد میاں قادری برکاتی قدس سرہ العزیز (ولادت ۱۳۰۹ھ (۱۸) / وصال ۱۳۷۵ھ (۱۹)) تو امام جواب سے پہلے، ان کے خاندانی برکات کا ذکر کرتے ہیں یہ سوال ان کی طرف سے ہے جو دینی معاملات میں نہایت متصلب ہیں، یہ سوال امامت فساق سے متعلق ہے: سوال و جواب ملاحظہ ہوں؛

مسئلہ: از سرکار مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ درگاہ کلاں مسئولہ حضرت صاحبزادہ والا مرتبت بالا منقبت حضرت سید شاہ محمد میاں صاحب زید مجدہم ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ۔

جامع کمالات منبع برکات مولٰنا المعظم زادت برکاتہم پس از سلام مسنون عارض ہوں فساق کی امامت علی المذہب المفتی بہ مکروہ تحریمی قابل اعادہ یا مکروہ تنزیہی یا کچھ تفصیل اگر فساق کی امامت سے صلحا بھی اور فساق دونوں نماز پڑھیں بر تقدیر اعادہ صرف صلحا کے لیئے نماز مکروہ تحریمی قابل اعادہ ہے یا صلحا و فساق دونوں کیلیے اور صلحا اگر منع فساق عن الامامۃ سے عاجز ہوں تو صلوٰت خمسہ بے جماعت پڑھنا یا فساق کی امامت سے پڑھنا اولی درمختار میں ہے کہ فساق واعمی وعبد و ولد الزنا وغیرہ کی امامت جب مکروہ ہے جب دوسرے ان سے اچھے موجود ہوں ورنہ نہیں اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ جو لوگ مکروہ کہتے ہیں ان کے نزدیک بھی یہی حکم ہے یا کچھ اور بینوا توجروا

الجواب

امامت فساق کی نسبت علماء کے دونوں قول ہیں کراہت تنزیہہ کما فی الدرو غیرہ اور کراہت تحریمی کما فی الغنیۃ و فتاوی الحجۃ والتبیین والشر نبلا

لیتہ وابی السعود والطحاوی علی مراقی الفلاح وغیر ھا اوران میں توفیق یہ ہے کہ فاسق غیر معلن کے پیچھے مکروہ تنزیہی اور معلن کے پیچھے تحریمی، مبتدع کی بدعت اگر حد کفر کو پہنچی ہو اگرچہ عند الفقہا' یعنی منکر قطعیات ہو اگرچہ منکر ضروریات نہ ہو تو صحیح یہ ہے کہ اس کے پیچھے نماز باطل ہے **کمافی فتح القدیر و مفتاح السعادۃ والغیاثیۃ وغیرھا** کہ وہی احتیاط جو متکلمین کو اس کی تکفیر سے باز رکھے گی اس کے پیچھے نماز کے فساد کا حکم دے گی **فان الصلاۃ اذا صحت من وجوہ و فسدت من وجہ حکم بفسادھا** ورنہ مکروہ تحریمی جن صورتوں میں کراہت تحریم کا حکم ہے صلحاو فساق سب پر اعادہ واجب ہے جب مبتدع یا فاسق معلن کے سوا کوئی امام نہ مل سکے تو منفرد پڑھیں کہ جماعت واجب ہے اور اسکی تقدیم ممنوع بکراہت تحریم اور واجب و مکروہ تحریم دونوں ایک مرتبہ میں ہیں **و درء المفاسد اھم من جلب المصالح** ہاں اگر جمعہ میں دوسرا امام نہ مل سکے تو جمعہ پڑھیں کہ وہ فرض ہے۔ اسی طرح اگر اسکے پیچھے نہ پڑھنے میں فتنہ ہو تو پڑھیں اور اعادہ کریں کہ **الفتنۃ اکبر من القتل (٢٠) واللہ تعالی اعلم**

دوسرا مسئلہ یوں ہے:

مسئلہ : از سیتاپور کوٹھی حضرت سید محمد صادق صاحب وکیل مرحوم مرسلہ صاجزادہ صاحب مولنا مولوی حضرت سید محمد میاں صاحب زیدت مکارمہم ۴ رمضان ۱۳۳۲ھ

مولنا صاحب معظم و مکرم دام مجدہم پس از اہدائے سلام مسنون۔ صورت یہ ہے کہ گھر کے چاہ (کنوئیں) میں ایک شخص نے بے احتیاطی سے ایسا گھڑا ڈالا جو گوبر سے مخلوط تھا مگر اسکا راوی کہ وہ ایسا گھڑا تھا ایک مسلمان غیر عادل وثقہ ہے۔ بہرحال میں نے اسکا پانی ایک ایسے ڈول سے جو علی العموم اس چاہ میں نہیں پڑتا بلکہ معمولی' اس چاہ

کے ڈول سے دوگنا بلکہ ڈھائی گنا تھا جسمیں ایک گھڑا بھر پانی کم از کم آجاتا ہے نکلوایا اور جب ڈول نصف بلکہ نصف سے کسی قدر کم آنے لگا تو پانی نکلوانا موقوف کرادیا ایک ہندو شخص نے پانی نکالا تھا اور نصف تک پانی ڈول میں آتے میں نے خود دیکھا تھا مگر اس ڈول کا نصف سے کم بھرنا یہ اس ہندو کی روایت ہے ندی کے قریب ہی چاہ ہے اس وجہ سے پانی برابر آتا رہتا ہے یہ ڈول اگرچہ اس خاص چاہ میں تو نہیں ڈالے جاتے مگر اسکے برابر دوسرا چاہ جو باغ میں ہے اس میں ڈالے جاتے ہیں پھر اس اودیو (پانی نکالنا) سے تھوڑی دیر پہلے اور بھی سو پچاس ڈول نکالے جا چکے تھے مگر چونکہ درمیان میں وقفہ ہو گیا پانی پھر بھر گیا لہذا نئے سرے سے یہ بار دیگر اودیو کرایا جسکا حال یہ ہوا اب آیا وہ کواں پاک ہو گیا یا نہیں اگر نہیں ہوا تو کس قدر پانی نکالنے سے پاک ہوگا اور کب پانی نکلوانا چھوڑا جائے اور کس ڈول کا اعتبار کیا جائے چونکہ رمضان المبارک کے دن ہیں دور سے پانی لانے میں تکلیف ہے لہذا جناب سے بہت قوی امید ہے کہ جواب سے مفصل جلد سے جلد مطلع فرمائینگے امید کہ فوراً جواب روانہ ہوگا مختصر جواب کہ یہ چاہ پاک ہے یا نہیں تو اس طرح پاک ہوگا درکار ہے مکرر یہ کہ اس قدر کم پانی اس چاہ میں ہو جاتے میں نے خود دیکھا تھا کہ ڈول کا پیندا تلے پر رکھا ہوتا تھا پانی میں ڈوبتا نہیں تھا ٹیڑھا کرنے سے پانی ڈول میں آتا تھا والسلام خیر ختام۔

الجواب

حضرت صاحبزادہ والا دامت برکاتہم۔ تسلیم مع التکریم۔ مخبر غیر ثقہ جس نے وہ گھڑا ڈالنے کی خبر دی اگر قلب پر اسکی بات نہ جمتی ہو اس بیان میں اسکی کوئی مصلحت ہو یا اتنا لاابالی ہو کہ محض بے سبب ایسے امور میں غلط باتیں کہتا ہو جب تو کوئیں کی نجاست ہی کا حکم نہیں اور اگر تحری سے اسکی بات قلب پر جمے تو حکم تطہیر ہے مگر تطہیر بیر میں موالات

شرط نہیں اعتبار اس کوئیں کے ڈول کا ہے مگر یہاں کہ نزح کل منظور ہے عدد الحاظ دلو کیا ضرور ہے ہاں نصف ڈول نہ بھرنے میں اتنے بڑے ڈول کا کہ اس ڈول سے ڈھائی گنا ہے نہ بھرنا کافی نہ ہوگا جبکہ اس کوئیں کے ڈول کا نصف یا ایسے ڈول کا جسمیں ایک صاع ماش آئے بھر سکتا ہو مگر اس سے پہلے جو سو پچاس ڈول نکالے گئے تھے وہ غالباً اس کمی کے پورا کرنے کو کافی بلکہ زائد ہوں پھر یہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ جمیع مافیہ وقت وقوع النجاستہ کا اعتبار ہے رجبکہ بوجہ قرب نہر پانی اس کوئیں میں ہر وقت آتا رہتا ہے تو ختم پر جو زیادت رہی وہ اگر تازہ آئی ہوئی ہے ملحوظ نہیں مثلاً مافیہ وقت الوقوع ہزار ڈول تھے ہزار نکال دیئے گئے طہارت ہوگئی اگرچہ بعد اخراج بوجہ جریان امداد پھر ہزار کے ہزار موجود ہوں۔ غرض صورت مستفسرہ میں غالباً کنواں طاہر ہوگیا۔ اور ان باتوں کا صحیح اندازہ جناب فرمائیں گے۔ اگر چند دلو (ڈول) کا اشتباہ ہو وہ چند اب نکلوا دیئے جائیں۔ والسلام، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۲۱)

ایک اور استفتاء حضرت تاج العلماء نے ۱۳۳۳ھ' میں ارسال خدمت کیا جس میں سوال تھا کہ بدن یا کپڑے کا کوئی حصہ نجس ہوگیا' تو دھونے کے بعد جو قطرے بچ رہے ہیں' ان کا کیا حکم ہے' حضرت نے سوال کے چار حصے کئے' امام احمد رضا نے تفصیل سے الگ الگ ہر حصہ کا حکم بیان فرمایا (۲۲) ☆☆☆

ایک اور سوال تاج العلماء نے' اسی ۱۳۳۳ھ میں ارسال خدمت کیا۔ سوال و جواب ملاحظہ ہوں:

مسئلہ مرسلہ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب' از مارہرہ شریف بروز یکشنبہ ۵ر جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ مولانا المعظم والمکرم دام مجدہم پس از آداب سلام نیاز معروض ایک عورت کے منہ سے یہ کلام نکلا کہ '' اللہ میاں کو خبر نہیں فرشتہ آئے روح

نکالنے کو' وہ کہتی ہے کہ میں نے اس سے مراد یہ لیا تھا کہ اللہ میاں نے حکم اور کی قبض روح کا دیا تھا یہ اور کی روح قبض کرنے کو غلطی سے آگئے یہ مراد نہیں لیا تھا کہ معاذ اللہ' اللہ میاں جاہل ہیں' اس کی نسبت شرعی حکم کیا ہے آیا یہ کلمہ اس مراد پر کیسا ہے' بہر حال جو حکم ہو اس سے فوراً مطلع فرمایا جائے جلد ضرورت ہے' اس وجہ سے جوابی کارڈ روانہ ہے' السلام

الجواب حضرت گرامی دامت برکاتہم بعد ادائے تسلیم' معروض یہ لفظ بہر حال کلمہ کفر ہے بلکہ صریح کفر ہے اس کے صاف معنی نفی علم ہیں اور اس کا کفر خالص ہونا ظاہر اور تاویل کہ اس نے بیان کی ان لفظوں سے علاقہ نہیں رکھتی وہ بھی یوہیں بنے گی کہ جس کی روح قبض کرنے آئے اس کا علم تو تھا یہ اپنی غلطی سے دوسرے کے پاس گئے جس کی اسے خبر نہیں تو اب دوہرا کفر ہو گیا' ایک نفی علم مولیٰ عزوجل دوسرا ملائک کی طرف براہ غلط خلاف حکم کرنے کی نسبت اور اگر بفرض باطل اس سے قطع نظر بھی ہو تو اس دوم کا تو وہ خود اپنی تاویل میں اقرار کرتی ہے' یہ کیا کفر نہیں **قال اللہ تعالیٰ ویفعلون ما یومرون' و قال تعالیٰ لا یسبقونہ با لقول وھم بامرہ یعملون** 'اس پر فرض ہے کہ تائب ہو کر اسلام لائے' اگر شوہر رکھتی ہے تجدید نکاح کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۲۳)

ایک اور موقع پر تاج العلماء دربار رضویت میں یوں گویا ہیں:

مسئلہ از مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ خانقاہ برکاتیہ مسئولہ والاحضرت عظیم البرکت مولانا مولوی سید محمد میاں صاحب قادری دامت برکاتہم ۳۰ رجب ۳۹ھ'

شب اسریٰ کے دولہا پر نچھاور ہونے والی تھی نہیں تو کیا غرض تھی اتنی جانوں کے بنانے کی

حضرت مولانا المعظم والمکرم والمحترم دامت برکاتہم العالیہ پس از تسلیم مع التعظیم والتکریم معروض خدمت ۔ جناب مولوی حسن رضا خان صاحب مرحوم کے نگارستان لطافت میں ان کی ایک غزل میں ان کا ایک شعر یہ ہے۔

یہ شعران کے دیوان ذوق نعت میں بھی موجود ہے، جس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ اتنی جانوں کے بنانے سے غرض یہ تھی کہ شب اسری کے دولہا پر ان کی نچھاور کی جائے حالانکہ افعال مولی عزوجل معلل بالاغراض نہیں ہوا کرتے، اس کا حل مجھے مطلوب ہے'

الجواب والاحضرت عظیم البرکت دامت برکاتہم العالیہ، تسلیم مع التعظیم، یہاں طرز ادادو ہیں، اول ہم نے یہ کام نفع زید کے لئے کیا ورنہ ہمیں کیا غرض تھی، دوم اور کیا غرض تھی، اول میں اپنی غرض، کی نفی مطلق ہے اور ثانی میں اس غرض کا اثبات اور غرض دیگر کی نفی، شعر میں طرز اول ہے، نہ دوم، تو اس میں مطلقاً نفی غرض ہے، بیان اس کا یہ ہے کہ فعل اختیاری کے لئے مصلحت یا غرض ضرور ہے ورنہ عبث ہوگا، اور مولی تعالی عبث سے پاک ہے اس کے افعال مصالح سے مملو ہیں اور اغراض سے منزہ، وہ مصالح بھی راجع بعباد ہیں مولی تعالی مصلحت ومفسدت سے پاک، مداح مرحوم مصلحت کا اس میں حصر کرتا ہے، لحدیث **خلقت الخلق لا عرفھم کرامتک ومنزلتک عندی ولولاک ماخلقت الدنیاء** رواہ ابن عساکر عن سلمان الفارسی تو عرض کرتا ہے کہ مصلحت یہ تھی کہ اگر غرض ومصلحت دونوں نہ ہوں تو عبث لازم آئے' اور وہ محال ہے' لیکن مولی تعالی غرض سے پاک ہے لاجرم یہی مصلحت تھی' وھو تعالی اعلم۔ (۲۴)

قارئین کرام:

ان مرشدان میں سے، بعض کی آراء امام احمد رضا کے بارے میں، نظر نواز ہوئی، مؤخر الذکر، حضرت تاج العلماء، سید محمد میاں قادری (مرشدی ومولائی) قدس سرہ العزیز امام احمد رضا کو اس طرح خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

''فقیر کو اگر چہ حضرت امام اہلسنت مولنا احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ سے تلمذ رسمی حاصل نہیں۔ مگر فقیر ان کو اپنے اکثر اساتذہ سے بہتر و برتر اپنا استاد جانتا ہے۔ ان کی تقریرات و تحریرات سے فقیر کو بہت کثیر فوائد دینی و علمی حاصل ہوئے اور چونکہ تقریر و تحریر میں ان کا طریقہ بے لوث اور مواخذات صوری و معنوی شرعی و عرفی سے منزہ و مبرا ثابت و محقق، لہٰذا فقیر بھی تابہ وسعت ان کے طریقہ کا اتباع کرنا پسند کرتا ہے۔ **اللهم وفقنا لما تحب و ترضى آمين يا رب العالمين**''۔ (۲۵)

یعنی شاگرد نہ ہونے کے باوجود اپنے بہت سے اساتذہ سے بہتر و برتر جانا' یہ سجادگان مارھرہ مطہرہ' کی وسعتوں کے مظاہر ہیں----- اور امام احمد رضا' جب ان حضرت کا مقام بیان فرماتے ہیں تو یوں گویا ہوتے ہیں:

تازہ بہ تو اے جانِ تنِ مارھرہ
خاندانِ برکات و چمنِ مارھرہ

(اے مارھرہ کے جسم و جان' آپ سے ہی خاندان برکات و چمن مارھرہ میں تازگی ہے۔) (۲۶)

سید حسین حیدر میاں

یہ وہ چند مرشدان مارھرہ ہوئے' جو گلستان برکاتیت کی بہار ہیں' مگر امام احمد رضا کی ذات' شہزادگان مارھرہ مطہرہ اور متعلقین خانقاہ برکاتیہ' مارھرہ کے لئے بھی مرجع

ہے چنانچہ حضور احسن العلماء مفتی سید حسن میاں شاہ صاحب برکاتی' سجادہ نشین مارہرہ مطہرہ کے دادا (تاج العلماء کے بہنوئی' سید آل عبا کے والد) علیہم الرحمۃ (۲۷) سید حسین حیدر میاں بھی مسئلہ کے حل کیلئے امام کی بارگاہ فقاہت سے رجوع کرتے ہیں:

یہ ۱۳/ر جمادی الاولیٰ ۱۳۰۷ ھج کی بات ہے' سوال کرتے ہیں' سادات محتاجین کو زکوۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ بہت سادات محتاج ایسے ہیں کہ خود مانگتے ہیں؟ اور سنا کہ علمائے رامپور نے جواز کا فتوی دیا ہے۔''

امام احمد رضا' فتاوی رضویہ کے چھ صفحات میں' جواب عطا فرماتے ہیں' اور فیصلہ دیتے ہیں کہ زکوۃ سادات کرام اور تمام بنی هاشم پر قطعی حرام ہے' مالداروں کو چاہیئے کہ وہ اپنے ذاتی مال سے' انکی خدمت میں نذر کریں۔

مجدد ملت امام احمد رضا قدس اللہ سرہ نے اس مسئلہ میں پہلے ۲۷ ستائیس احادیث نقل فرمائیں' پھر فقہائے کرام کی ۵۲ باون عبارتوں کی طرف اشارہ فرما کر' بعض کے اسماء بھی ذکر کیئے۔ (۲۸)

سید امیر حیدر گورے میاں

مارہرہ مطہرہ کے ہی ایک اور بزرگ حضرت سید امیر حیدر عرف گورے میاں رحمۃ اللہ علیہ (جو سسر ہیں' حضرت شاہ محمد باقر ولد حضرت سید العابدین سید شاہ اولاد رسول ولد سید شاہ آل برکات ستھرے میاں قدس اسرارھم' کے (۲۹) اور آپ سے ''موافقت زوجین'' کیلئے ایک مجرب عمل بھی منقول ہے' جو فقیر راقم الحروف کو اپنے والد گرامی خلیل ملت کی وساطت سے ملا ہے (۳۰)) نے ۲۲ /ر ذی قعدہ ۱۳۰۹ کو امام احمد رضا سے حرمت مصاھرت کے ایک مسئلہ پر ''تنہا ایک عورت کی گواہی'' پر فتوی چاہا' امام احمد رضا نے جواب ارشاد فرمایا کہ تنہا عورت کا بیان اصلاً قابل سماعت نہیں اور چار سطری جواب

میں آیت قرآنی اور تین کتب فقہیہ کے حوالے ارشاد فرمادئے' (۳۱)

سید ظہور حیدر میاں

ایک اور شہزادے سید ظہور حیدر میاں (بن سید محمد حیدر بن سید دلدار حیدر نواسہ حضرت سید شاہ آل رسول' قدس اللہ سرہ (۳۲) بھی امام احمد رضا سے رجوع فرماتے ہیں' سوال حرمت مصاہرت کے بارے میں ہیں جو داماد اور خوشدامن سے متعلق ہے: امام رضا قدس سرہ العزیز' مسئلہ کو تمام تر جزئیات کے ساتھ واضح فرماتے ہیں (۳۲)

سید حامد حسن

مارہرہ مطہرہ کے ایک اور شہزادے حامد حسن شاہ محمد باقر (جن کا ذکر اوپر گزرا) جو سید شاہ آل رسول قدس سرہ سے بیعت ہیں' ان کی ولادت ۱۴ شوال ۱۳۳۱ ھج کی ہے'' کہ اگر کسی بیوہ نے' معذوری کی وجہ سے اپنی طرف سے دو حج بدل کروادئے' اور اب اس نے نکاح کیا' اور خود قادر ہوگئی پھر حج کو نہ گئی تو وہ حج بدل جو پہلے کرائے' باقی رہے یا ساقط ہوگئے امام احمد رضا نے جواب عطا فرمایا کہ: قادر ہونے کے بعد اگر نہ گئی تو پہلے کے حج بدل ساقط ہوکر حج نفل رہ گئے، دوبارہ جائے' اور اگر پھر مجبور ہوگئی تو پھر حج بدل کرائے (۳۵)

حافظ امیر اللہ بریلوی

حضرت سید تاج العلماء سید محمد میاں قادری قدس سرہ کے ایک استاد (۳۶) حافظ امیر اللہ بریلوی' ۲۴ رجب ۱۳۱۸ ھج کو' امام احمد رضا سے مسئلہ پوچھتے ہیں' سوال و جواب ملاحظہ ہو:

مسئلہ از مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ مرسلہ مولوی حافظ امیر اللہ صاحب مدرس اول مدرسہ عربیہ درگاہ شریف ۲۴ رجب ۱۳۱۸ھ مُحلقین رُؤسَکُم وَمُقصرِیْنَ سے سر منڈانا اور کترانا مفہوم ہوتا ہے بابو لوگ یا نیا چرہ منڈاتے نہیں بہت چھوٹے چھوٹے بال رکھتے ہیں ذرا بڑھے تو کترا ڈالے کیا یہ شکل مُقصِرِیْن سے مفہوم ہے فقہ میں کیا ثابت ہے؟

الجواب: آیہ کریمہ میں حلق و تقصیر حج کا ذکر ہے' تقصیر حج یہ کہ ہر بال سے بقدر ایک پورے کے کم کر دیں چہارم سر کے بالوں کی تقصیر واجب ہے' کُل کی مندوب و مسنون' اسے عادی امور سے تعلق نہیں یہ طریقہ کہ ان کفرہ یا بعض فسقہ میں معمول ہے کہ چھوٹی چھوٹی کھونٹیاں رکھتے ہیں جہاں ذرا بڑھیں کتروا دیں خلاف سنت مکروہ ہے سنت یا سارے سر پر بال رکھ کر مانگ نکالنا ہے' یا سارا سر منڈانا فی رد المحتار عن الروضته السُنّة فی شعر الرأس اما الفرق و اما الحلق اور کراہت اس لئے کہ وضع کفرہ و فسقہ ہے فی الھندیته عن الذخیرۃ و الشامیته عن التتار خانیته عن الذخیرۃ و الشامیته و التاتار خانیته عن الذخیرہ ان یحلق وسط راسہ و یرسل شعرہ من غیر ان یفتلہ فان فتلہ فذلک مکروہ لانہ یصیر مشبھا ببعض الکفرۃ و اللہ سبحانہ تعالی اعلم (۳۷)

خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے ایک متوسل' محمد سلیم' اپنے مرشدان پاک کے اشارے پر' باب الرضا پر حاضر ہو کر سوال کرتے ہیں: ۱۶ رمحرم الحرام ۱۳۳۶ھ کا موقعہ ہے۔ یہ سوال حرمت مصاہرت سے متعلق ہے' جواب میں امام احمد رضا نے زانی کی عمر کو حرمت کا پیمانہ بتایا ہے۔ (۳۸)

سید آل مصطفےٰ

مرشدان مارہرہ مطہرہ کا امام رضا سے اس انداز میں استفاضہ کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ امام کو خود آگے بڑھ کر بعض مسائل میں لب وا کرنے پڑے' ایسا ہی ایک واقعہ' حضرت سید العلماء سید آل مصطفےٰ صاحب علیہ الرحمۃ زیب سجادہ مارہرہ کی زبانی سنیئے:

''امام احمد رضا اپنے مرکز عقیدت مارہرہ مطہرہ میں حاضر ہیں وہاں اپنے ایک معزز شاہزادے کی انگلی میں سونے کی انگوٹھی ملاحظہ فرمائی' امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا جذبہ جاگ اٹھا مگر ساتھ ہی ساتھ ادب کا خیال بھی دامن گیر رہا - چنانچہ مؤدبانہ عرض کیا کہ حضور آپ سخی ابن سخی کریم ابن کریم ہیں بھکاریوں اور سائلوں کو مایوس نہ کرنا آپ کا موروثی کردار ہے حضور کی انگوٹھی مجھے پسند آ گئی ہے سرکار آپ اسے مجھے عطا فرما دیں، شاہزادہ نے مسکراتے ہوئے وہ انگوٹھی اعلیٰ حضرت کو پیش کر دی۔ اسی دن اس امام وقت نے شرعی تقاضوں کے سامنے رکھتے ہوئے ایک چاندی کی انگوٹھی تیار کروائی پھر اس شاہزادۂ والا تبار کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے اور عرض کیا کہ حضور! جہاں آپ کے گھرانے کی کرم نوازیوں کا ایک رخ یہ ہے کہ آپ سائلوں کو محروم نہیں فرماتے وہیں نوازشات کا یہ رخ بھی تابناک ہے کہ آپ اپنے عقیدتمندوں کے تحائف و ہدایا کو قبول فرما کر انہیں سرخرو سرفراز بھی فرماتے ہیں اور ان کی دلجوئی اور دل دہی کا پورا خیال فرماتے ہیں تو یہ آپ کا ادنیٰ غلام بھی دو حقیر تحفے لے کر حاضر ہوا ہے، یہ کہتے ہوئے چاندی کی انگوٹھی آگے بڑھائی اور عرض کیا اسے حضور پہن لیں اور پھر وہی سونے والی انگوٹھی پیش کی اور کہا کہ حضور اسے میری طرف سے مخدومہ صاحبہ کی خدمت میں پیش فرما دیں اس دن سے آخری حیات لمحہ تک شہزادے

کی انگلی میں سونے کی انگوٹھی دیکھی نہیں گئی۔امام احمد رضا کا فریضۂ اصلاح بھی ادا ہو گیا اور ادب و تہذیب کی پیشانی پر شکن بھی نہ پڑی - انہی شہزادے کے میٹنگ روم میں ایک بار اعلیٰ حضرت کا داخلہ ہوا۔آپ کے ساتھ آپ کے پوتے حضور مفسر اعظم ہند بھی تھے اس وقت حضور مفسر اعظم ہند کے بچپنے کا عالم تھا۔اعلیٰ حضرت نے دیکھا کہ کمرے کے ہر چہار طرف دیواروں پر جانداروں کی تصویریں آویزاں ہیں۔حضور مفسر اعظم ہند دیواروں کو بغور دیکھنے لگے،اس پر اعلیٰ حضرت نے اپنے شہزادے سے عرض کیا کہ حضور یہ بچہ ان تصویروں کو بغور دیکھ رہا ہے ہوسکتا ہے یہ تصویریں اسے پسند آ گئی ہوں اگر حضور اجازت دیں تو میں اتارلوں۔فرمایا مولانا آپ بخوشی اتارلیں۔ اعلیٰ حضرت نے ان تصویروں کو فوراً اتارلیا اور باہر لے جا کر ضائع کرادیا اور پھر بہترین آستانوں، قرآنی آیات، اورارشادات رسول اور مناظر قدرت کے کتبے تیار کرا کے اس شہزادے کی عدم موجودگی میں ان کے کمرے میں لگوادیئے۔جس وقت وہ اپنے کمرے میں آئے اور یہ منظر دیکھا تو مسکرائے اور فرمایا کہ یہ ہمارے لئے مولانا کی اصلاح ہے پھر کبھی بھی ان کے کمرے میں جاندار کی تصویر کا گزر نہیں ہوا۔دیکھئے یہاں بھی وہی انداز ہے---اصلاح بھی ہوگئی اور نسبت رسول کا پاس ولحاظ بھی باقی رہا-(۳۹)

امام احمد رضا' پر اتنی نوازشات اور فیاضی کی وجہ ایک ہی ہے کہ' ان کو انکے مرشد حضرت سید آل رسول رحمۃ اللہ علیہ ایسی سند عطا فرما چکے تھے--- جو تمام سندوں پر وزنی ہے: ملاحظہ ہو'

شیخ کی عقیدت: جب آپ کو شیخ طریقت نے بیعت کے ساتھ ہی خلافت واجازت سے نوازا' تو حضرت مولانا شاہ ابوالحسین نوری میاں قدس سرہ نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے شیخ طریقت سے اس طرح فرمایا:

''حضور! آپ کے یہاں تو طویل عرصہ با مشقت مجاہدات وریاضات کے بعد خلافت واجازت دیجاتی ہے' تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ان دونوں (اعلیٰ حضرت اور آپ کے والد قدس سرہما) کو بیعت کرتے ہی خلافت دے دی گئی؟''

تو حضرت نے ارشاد فرمایا: ''اور لوگ زنگ آلود میلا کچیلا دل لیکر آتے ہیں اور اسکی صفائی و پاکیزگی کیلئے مجاہدات طویلۂ ریاضات شاقہ کی ضرورت پڑتی ہے' یہ دونوں حضرات صاف ستھرا دل لیکر ہمارے پاس آئے ان کو صرف اتصال نسبت کی ضرورت تھی اور وہ مرید ہوتے ہی حاصل ہوگئی۔۔۔ پھر آپ کے مرشد نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: ''مجھے اس بات کی بڑی فکر رہتی تھی کہ ''جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے آل رسول! تو میرے لئے دنیا سے کیا لایا؟ تو بارگاہِ الٰہی میں کیا پیش کرونگا' لیکن آج وہ فکر میرے دل سے دور ہوگئی' کیونکہ جب اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ اے آل رسول! تو میرے لئے کیا لایا ہے تو میں عرض کرونگا الٰہی تیرے لیئے احمد رضا لایا ہوں۔(۴۰)

مفتی محمد خلیل خاں

امام احمد رضا کی نسبت چونکہ' ایسے اچھوں سے ہوگئی اسلیئے وہ سب کے مقتدا اور پیشوا ہوگئے' اسی مفہوم کو' مارہرہ مطہرہ کے ایک خلیفہ' اور تاج العلماء کے چہیتے مرید' احسن العلماء کے منفرد استاد' حضرت خلیل العلماء مفتی محمد خلیل خاں قدس سرہ نظم میں یوں بیان کرتے ہیں:

بَارَکَ اللہ فیضِ عامِ حضرتِ اچھے میاں
اچھے اچھوں کا ہے قبلہ سیرتِ احمد رضا
(۴۱)

اور فرماتے ہیں:

اچھے اچھوں سے نسبتوں کے طفیل
اچھے اچھوں کا پیشوا ہے رضا
(۴۲)

حضرت سید حسن میاں

مرشدان پاک مارہرہ مطہرہ کا یہ استفاضہ' بعد وصالِ امام بھی جاری ہے' چنانچہ احسن العلماء سید مصطفٰے حیدر حسن عرف سید حسن میاں شاہ قادری برکاتی 'نوراللہ مرقدہ' اپنے دونوں بڑے شہزادوں کو بیعت کیلئے امام احمد رضا کے شہزادے مفتی اعظم ہند کی خدمت میں حاضر کرتے ہیں اور فیوض و برکات کے حصول کیلئے بھی' ان ہی کے درعالی سے رجوع کا مشورہ دیتے ہیں۔ چنانچہ امین البرکات' ڈاکٹر سید محمد امین میاں برکاتی' سجادہ نشین مارہرہ مطہرہ فرماتے ہیں:

''۱۹۷۳ میں مجھے ایک ایسا مرض لاحق ہوا' جسکا بڑے بڑے ڈاکٹر علاج نہیں کر سکے' والد ماجد (حضور احسن العلماء قدس سرہ) نے فرمایا' کہ حضرت مفتی اعظم سے نقش منگواؤ' چنانچہ یہی کیا اور اللہ کے کرم سے شفائے کلی حاصل ہوگئی''۔ (۴۳)

حضور احسن العلماء مولانا سید حسن میاں شاہ علیہ الرحمۃ کی شاید ہی کوئی ایسی نشست یا محفل یا تقریر ہوتی ہو جس میں آپ اعلٰی حضرت امام احمد رضا کا ذکر ''میرے اعلٰی حضرت'' کہہ کر نہ فرماتے ہوں۔ (۴۴)

اعلٰی حضرت کے کلام کی ماہرانہ تشریح' آج سجادہ نشین مارہرہ مطہرہ خانقاہ برکاتیہ حضرت حسن میاں صاحب سے اچھی کوئی نہیں کر سکتا۔ امام احمد رضا

سے انکو والہانہ انسیت وعقیدت تھی' اس عقیدت کا اظہار ایک شعر میں اسطرح فرماتے ہیں۔

رضا کے غلامو! چلو تم بھی آؤ
کہ تم کو رضا سے ملاتی ہے گاگر
(۴۵)

غرضیکہ امام احمد رضا' اور مرشدان مارھرہ مطہرہ' ایسی ذوات ہیں' جو ایک دوسرے کا عکس جمال ہیں۔۔۔ یہ حضرات وہ چمک دمک رکھتے ہیں' جو اپنے چاہنے والوں کو چمکا دیتی ہے۔۔۔ جو بھی در رضا سے وابستہ ہو کر' غلامان غوث اعظم میں شامل ہوتا ہے' وہ قیامت تک حسین ہو جاتا ہے۔

تیری دمک نے ہمیں' خوب ہی چمکا دیا
دُور سب ہی زنگ ہیں صبح رضا شام رضا
تیری شَفَق پُر ضِیاء تیری کرن پُر جمال
بکھرے تیرے رنگ ہیں صبح رضا شام رضا
(۴۶)

مآخذ و مراجع

۔ امام احمد رضا خاں' حدائق بخشش مطبوعہ کراچی' صفحہ ۵۵

۲۔ محمد مسعود احمد' پروفیسر' ماہنامہ استقامت' کانپور' مفتی اعظم نمبر' مئی ۱۹۸۳ء صفحہ ۱۴۴

۳۔ ازمحمد خلیل خاں برکاتی' مفتی نُور' علٰی نُور مطبوعہ لاہور ۱۹۸۶ صفحہ ۱۳

۴۔ حسن اعظمی' المعجم الاعظم' مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۹۴۶ء/۱۳۶۵ھ صفحہ ۴۲۹ جلد ا

۵۔ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی' معارف رضا شمارہ ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء مطبوعہ کراچی صفحہ ۱۵۵

۶۔ ازمحمد خلیل خاں برکاتی' مفتی' نُور" علٰی نُور مطبوعہ لاہور صفحہ ۱۵

۷۔ ازمحمد خلیل خاں برکاتی' مفتی' نُور" علٰی نُور بحوالہ مشرقستان اقدس مطبوعہ کراچی صفحہ ۲۰

۸۔ راقم الحروف احمد میاں برکاتی' ملفوظات مشائخ مارہرہ مطبوعہ کراچی صفحہ ۲۰

۹۔ احمد رضا امام' فتاوی رضویہ' مطبوعہ سنی دارالاشاعت مبارکپور اعظم گڑھ صفحہ ۱۷۵۔۱۷۶ جلد سوم

۱۰۔ احمد رضا، امام' فتاوی رضویہ مطبوعہ کراچی صفحہ ۱۱۴ جلد ۱۰

۱۱۔ احمد رضا امام' فتاوی رضویہ' مطبوعہ سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ فیصل آباد' صفحہ ۵۳۰۔۵۳۱ جلد ۵

۱۲۔ سید محمد میاں قادری' حضرت' تاریخ خاندان برکات مطبوعہ کراچی فروری ۱۹۸۷ء صفحہ ۴۵

۱۳۔ احمد رضا خاں امام' فتاویٰ رضویہ' مطبوعہ کراچی صفحہ ۳۲ جلد ۱۰

۱۴۔ سید محمد میاں قادری' حضرت' تاریخ خاندان برکات، مطبوعہ کراچی فروری ۱۹۸۷ء صفحہ ۴۵

۱۵۔ احمد رضا خاں امام' فتاویٰ رضویہ' مطبوعہ کراچی صفحہ ۱۴۶ تا ۱۵۱ جلد دوم

۱۶۔ احمد رضا خاں امام' فتاویٰ رضویہ' مطبوعہ کراچی صفحہ ۱۸۰ تا ۱۸۴ جلد ۱۰

۱۷۔ (۱) راقم الحروف احمد میاں برکاتی' مقدمہ اصح التواریخ' مطبوعہ کراچی صفحہ ۱۰

(۲) بحوالہ مفتی اعظم سندھ مطبوعہ حیدر آباد صفحہ ۲۲ و بحوالہ قلمی بیاض مفتی محمد خلیل خاں برکاتی'

(۳) محمد خلیل خاں مفتی' برکاتی' ہماری نماز مطبوعہ لاہور' صفحہ ۵

۱۸۔ سید محمد میاں قادری' حضرت' تاریخ خاندان برکات مطبوعہ کراچی صفحہ ۶۵

۱۹۔ (۱) راقم الحروف احمد میاں برکاتی' ملفوظات مشائخ مارہرہ' مطبوعہ کراچی صفحہ ۳۳

(۲) محمد خلیل خان برکاتی' مفتی' خلیل ملت' ہماری نماز' مطبوعہ لاہور صفحہ ۵۱

۲۰۔ احمد رضا خاں امام' فتاویٰ رضویہ' مطبوعہ کراچی صفحہ ۲۷۳ جلد سوم

۲۱۔ احمد رضا خاں امام' فتاویٰ رضویہ' مطبوعہ کراچی صفحہ ۲۷۵۔۳۵۷ جلد ا

۲۲۔ احمد رضا خاں امام' فتاویٰ رضویہ' مطبوعہ کراچی صفحہ ۱۳۱۔۱۳۲ جلد ۲

۲۳۔ احمد رضا خاں امام' فتاویٰ رضویہ' مطبوعہ کراچی صفحہ ۱۱۳ جلد ۶

۲۴۔ احمد رضا خاں امام' فتاویٰ رضویہ' مطبوعہ کراچی صفحہ ۲۱۱ جلد ۶

۲۵۔ سید محمد میاں قادری' حضرت تاج العلماء تاریخ خاندان برکات' مطبوعہ کراچی صفحہ ٦٦

۲٦۔ راقم الحروف احمد میاں برکاتی' مقدمہ' اصح التواریخ' مطبوعہ کراچی فروری ۱۹۸۸ء صفحہ ۱۰

۲۷۔ سید محمد میاں قادری' حضرت تاج العلماء' تاریخ خاندان برکات' مطبوعہ کراچی صفحہ ۵۹

۲۸۔ (۱) احمد رضا خاں' امام' فتاویٰ رضویہ' مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹٦۷ء صفحہ ۴۸٦ تا ۴۹۱ جلد نمبر ۴

(۲) احمد رضا خاں' امام' فتاویٰ رضویہ' مطبوعہ اگست ۱۹۹٦ء رضا فاؤنڈیشن لاہور' صفحہ ۹۹ تا ۱۰۹ جلد نمبر ۱۰ (مگر اس ایڈیشن میں' رضا فاؤنڈیشن نے سائل کا نام درج نہیں کیا ہے' جو غالباً سہواً ہوا ہوگا)۔ برکاتی

۲۹۔ سید محمد میاں قادری' حضرت تاج العلماء' تاریخ خاندان برکات' مطبوعہ کراچی صفحہ ۴۹

۳۰۔ محمد خلیل خاں' مفتی برکاتی' تلخیص بیاض قلمی' صفحہ ۲۸

۳۱۔ احمد رضا خاں امام' فتاویٰ رضویہ' مطبوعہ فیصل آباد صفحہ ۱۱۳ جلد نمبر ۵

۳۲۔ سید محمد میاں قادری' تاج العلماء' تاریخ خاندان برکات مطبوعہ کراچی صفحہ ۴۹ و ۵۳

۳۳۔ احمد رضا خاں امام' فتاویٰ رضویہ' مطبوعہ فیصل آباد صفحہ ۱۱۱ تا ۱۱۲ جلد نمبر ۵

۳۴۔ سید محمد میاں قادری' تاج العلماء' تاریخ خاندان برکات مطبوعہ کراچی صفحہ

Marfat.com

۴۹، ۵۰، ۵۱

۳۵۔ احمد رضا خاں امام فتاویٰ رضویہ مطبوعہ اعظم گڑھ صفحہ ۶۶۴ جلد ۴

۳۶۔ سید محمد میاں قادری تاج العلماء تاریخ خاندان برکات مطبوعہ کراچی صفحہ ۶۶

۳۷۔ احمد رضا خاں امام فتاویٰ رضویہ مطبوعہ کراچی صفحہ ۲۰۵ جلد ۱۰

۳۸۔ احمد رضا خاں امام فتاویٰ رضویہ مطبوعہ فیصل آباد صفحہ ۲۰۰ جلد ۵

۳۹۔ محمد اظہار اشرف مولانا سید اشرفی کچھوچھوی ماہنامہ استقامت کانپور مفتی اعظم ہند نمبر مئی ۱۹۸۳ء صفحہ ۴۵۱۔۴۵۲

۴۰۔ عبدالمجتبیٰ رضوی مولانا تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ مطبوعہ بنارس ۱۹۸۹ء و لاہور ۱۹۹۲ء ص ۴۰۰ بحوالہ حاشیہ ''تذکرہ'' نوری ص ۴۰۔

۴۱۔ محمد خلیل خاں مفتی جمال خلیل مطبوعہ حیدرآباد سندھ ۱۹۹۵ء صفحہ ۱۱۷

۴۲۔ محمد خلیل خاں مفتی جمال خلیل مطبوعہ حیدرآباد سندھ ۱۹۹۵ء صفحہ ۱۱۹

۴۳۔ سید محمد امین میاں قادری مارہروی شہزادہ خانوادہ برکات ماہنامہ استقامت کانپور مئی ۱۹۸۳ء صفحہ ۱۳۸

۴۴۔ سید شاہ محمد امین حضرت شمارہ خصوصی بیاد احسن العلماء اہلسنت کی آواز مطبوعہ ۱۹۹۵ء خانقاہ برکاتیہ بڑی سرکار مارہرہ صفحہ ۲۸

۴۵۔ راقم الحروف احمد میاں برکاتی تذکرہ سید حسن میاں مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۹۵ء صفحہ ۱۱

۴۶۔ فقیر راقم الحروف احمد میاں برکاتی برکات محل مطبوعہ لاہور ۱۹۹۹ء صفحہ ۷۷

احمد میاں برکاتی ۱۲ مئی ۲۰۰۰ء

تاج العلماء حضرت سید الشاہ اولادرسول

مفتی سید محمد میاں برکاتی قدس سرہ

(مصنف ''اصح التواریخ'')

اولیائے کرام کے دل، نور جمال الٰہی اور مکاشفۂ جلال ربانی سے منور اور روشن ہوتے ہیں۔ یہ ایسے مشعل نور ہیں جو تاریکی اور ظلمت کو دور کرتے ہیں۔ دشمنِ نفس سے جنگ کرنے کیلئے، خلوص ان کا ہتھیار ہے۔ صدق تلوار ہے اور اخلاص ڈھال ہے۔ وہ عشق کے تیر سے توکل وقناعت پر نشانہ لگاتے ہیں اور گوہر مقصود حاصل کرتے ہیں۔

یہ ذہنی غلامی سے آزاد ہوتے ہیں کسی دینوی فائدہ کی امید میں کسی کے محکوم وغلام نہیں بنتے۔ ان کی پوری زندگی کا منشاء اور مقصد محبت اور انسانیت کا عروج اور شکر وصبر کی بالادستی قائم کرنا ہوتا ہے۔

یہ اہل اللہ اپنی گفتار اور اپنے کردار سے معیاری زندگی کا نمونہ پیش کر کے اسوۂ حسنہ پر عمل کا مظہر نظر آتے ہیں۔ عشق الٰہی میں وہ اپنی ہستی کو بھول کر خلوص وخدمت، فقر وفاقہ اور ایثار واستقامت کو اپنا شعار بنالیتے ہیں۔ عشق الٰہی کے یہ اسیر روشن ضمیر ہونے کے ساتھ ساتھ دین کے نصیر اور بے کسوں کے دستگیر بھی ہوتے ہیں۔

''یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ کے ساتھ جو عہد کرلیتے ہیں اس کو پورا کرتے ہیں اور اپنے اقرار کو نہیں توڑتے۔ (سورۃ الرعد)

یہ وہ مقدس گروہ ہے جس کو قیامت تک '' رسول کے

خلفاء" ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہی وہ گروہ ہے جسے خالق اور مخلوق کے درمیان وسیلہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

جن چراغوں سے روشنی حاصل ہوتی رہتی ہے اور جو مقدس ہستیاں روشنی کا مینار ہیں، ان کے حالات وفضائل کو بالتفصیل جاننا بھی ہر مومن پر لازم ہے۔ تاکہ یقین کامل ہو جائے کہ اہل ایمان نے جس مبارک ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا ہے اس کا سلسلہ تسبیح کے دانوں کی مانند، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہے۔ اور پھر ہر مومن ان برگزیدہ اور مبارک پیش رووں کے نقش قدم پر چلنے کی سعی کرے اور ان کی سیرت سے استفادہ کرے۔

سرزمین پاک و ہند میں، خاندان برکات کی دینی و روحانی خدمات صدیوں سے جاری ہیں اور ہندوستان کی سلطنتیں، اس در سے فیضیاب ہوتی رہی ہیں۔ مارہرہ شریف میں، خانقاہ برکاتیہ کا فیض، اس وقت اپنے عروج کو پہنچ گیا، جب ملک کے گوشہ گوشہ میں اولیاء سلسلۂ قادریہ برکاتیہ نے شریعت وطریقت کے موتی لٹانے شروع کئے، اور دنیا کے مختلف حصوں میں ان کی کشف وکرامات کے چرچے ہونے لگے۔ پھر سونے پر سہاگہ اس وقت ہوا، جب بریلی شریف کے نوجوان، مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ اس خانقاہ سے وابستہ ہو کر فیضیاب ہوئے اور اپنے وقت کے مجدد کامل بن کر ابھرے، اعلیٰحضرت کے لقب سے مشہور ہوئے اور دنیا نے انہیں امام اہلسنت مجدد دین وملت تسلیم کر لیا۔

آغاز خاندان

خاندان برکاتیہ عالیہ کا آغاز سرزمین مارہرہ میں ۱۰۱۷ھ (سن ایک ہزار سترہ ہجری) اکبر کے بیٹے جہانگیر بادشاہ کے زمانہ میں ہوا، جب مقدام

العارفین، حضرت سید شاہ عبدالجلیل قدس سرہ یہاں تشریف لائے اور مستقل قیام فرمایا، جسے اب چار سو سال سے زیادہ کا عرصہ گذارا۔ اس طویل زمانے میں اس خاندانِ فضل وکمال سے عرفان وہدایت اور ارشاد وولایت کے بہت سے روشن سورج اور چمکتے دمکتے چاند طلوع ہوئے۔ جن کے انوار نہ صرف سرزمین مارہرہ کو منور اور درخشاں کرتے رہے بلکہ ان کی روشنی ہندوستان کی حدود سے بھی نکل کر، عرب وعجم کے ممالک دور دراز تک پہنچی اور اگرچہ اس تقریباً چار صدی سے زائد عرصہ میں دنیا نے طرح طرح کے رنگ بدلے عالم نے گوناگوں انقلاب دیکھے۔ فضائے جہاں میں بادِ حوادث کے سخت سخت جھونکے آئے، مگر ان اللہ والوں کے کبھی نہ ختم ہونے والے الٰہی انوار، خدا کے فضل وکرم سے آج بھی عالم میں روشنی پھیلا رہے ہیں۔

اگر عالم سراسر باد گیرد
چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

ان محبوبانِ خدا کے بابرکت حالات و ریاضات ومجاہدات اور صفاتِ حمیدہ وفضائل پسندیدہ، وہ روشن کارنامے اور زرین واقعات ہیں جو آج بھی ان کی عظمت ورفعت کا سکہ، اہل بصیرت کے دلوں پر بٹھائے ہوئے ہیں۔ [1]

منبع رشد وہدایت

دراصل یورپ کی سرزمین، علم وفضل اور شعر وادب کے اعتبار سے نہایت زرخیز رہی ہے۔ یہاں سے علوم وفنون کے وہ سوتے پھوٹے کہ گلشن معارف وادب میں بہار آگئی اور یہ خطہ افاضل واکابر کا مسکن بن گیا، شہروں

---

[1] سید محمد میاں قادری، تاج العلماء، حضرت اصح التواریخ، ص ۲، ۳ مطبوعہ یونین پریس۔ لکھنؤ

کے علاوہ نہ جانے کتنے ایسے قصبات اور قریات تھے، جہاں ماہرین علوم وفنون اور اصحاب علم وفضل، درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے ہنگامے برپا کئے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شاہجہاں بادشاہ نے پورب کو شیراز کہا تھا۲ اسی خطہ میں مارہرہ شریف ہے کہ جس کو حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے میر سید عبدالجلیل (م ۱۰۵۷ھج) رحمۃ اللہ علیہ نے رشد و ہدایت کا مرکز بنا دیا۔ اس خاندان میں سلسلہ بیعت وارشاد بحمد اللہ آج تک جاری ہے اور یہاں نامور صوفیاء مشائخ اور اصحاب علم وفضل پیدا ہوتے رہے ہیں۔ ۳

ہندوستان آمد ان ہی اولیاء، علماء اور صوفیاء میں حضرت السید الشاہ اولاد رسول محمد میاں برکاتی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ آپ کی ولادت ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۰۹ھ، تاسین گنج ضلع سیتاپور میں، اپنے جد امجد کے دولت خانہ میں ہوئی۔ ''اولاد رسول فخر العالم محمد'' پر عقیقہ کیا گیا اور بعد میں ''میاں'' کا اضافہ کیا گیا اور اس طرح آپ محمد میاں کے نام سے متعارف ہوئے۔ ۴

حضرت سید محمد میاں کے برادر بزرگ جناب فقیر عالم تھے، بعض لوگ اس مطابقت وزن کی وجہ سے حضرت کو محمد عالم کہتے تھے۔

---

۲ محمد ایوب قادری، پروفیسر ڈاکٹر، مقدمہ سبع سنابل اردو ترجمہ ص ۷ مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور ۱۹۸۱ء

۳ محمد ایوب قادری، پروفیسر ڈاکٹر، مقدمہ سبع سنابل اردو ترجمہ ص ۱۴ مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور ۱۹۸۱ء

۴ سید محمد میاں، حضرت خاندان برکات ص ۲، ص ۵۲، مارہرہ شریف

احمد میاں برکاتی، مفتی، مفتی اعظم سندھ، ص ۲۱ مطبوعہ مفتی خلیل اکیڈمی ۱۹۸۵ء جولائی

آپ کا لقب حضرت زید شہید ۵ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ آپ کے جد اعلیٰ (دادا) سید علی عراقی رضی اللہ عنہ ترک وطن فرما کر قریہ واسطہ میں تشریف لا کر قیام پذیر ہوئے یہ قریہ عراق عرب وعجم کے درمیان واقع ہے۔ حضور سید علی عراقی کے احفاد سے حضرت سید ابو الفرح واسطی، اپنے چار صاجزادوں کے ساتھ سلطان غزنوی کے زمانہ میں واسطہ سے غزنی تشریف لائے، ان میں سے ایک صاجزادے سید ابوفراس تھے جو جد سادات بلگرام کہلواتے ہیں۔ سید ابو الفرح تو کچھ عرصہ بعد ایک صاجزادے کے ہمراہ واسط واپس تشریف لے گئے اور بقیہ تین صاجزادوں نے ہندوستان کا قصد فرمایا۔ سید ابوفراس نے جاجیز میں اقامت اختیار فرمائی ان ہی کے احفاد (پوتوں) میں سے حضرت سید محمد صغریٰ رحمۃ اللہ علیہ تھے جنہوں نے سلطان شمس الدین التمش کے ایماء پر راجہ بلگرام، پر جوسخت کافر اور بڑا سرکش تھا، جہاد فرمایا اور اس کے قتل کے بعد ۶۱۴ھ میں فتح پائی، سلطان شمس الدین نے اس فتح کی خوشی میں بلگرام کا وسیع علاقہ حضرت کی جاگیر میں دیدیا، بلگرام کا اصل نام پہلے "سری" تھا حضرت نے تبدیل فرما کر اس کا نام بلگرام رکھا۔ ۶ اسوقت سے حضرت کا خاندان حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ تک بلگرام میں رہا۔ ۷

---

۵ سید الاشجعین ابوالحسین حضرت زید شہید رضی اللہ عنہ، حضرت امام زین العابدین کے صاجزادے اور حضرت امام باقر کے سوتیلے بھائی ہیں ولادت ۷۵ھ شہادت ۱۲۰ھ بکثرت قرآن مجید اور نماز پڑھنے کے آپکو قرآن مجید کا ہم عہد اور مسجد کا ستون کہا جاتا تھا۔ سید محمد میاں قادری، حضرت، اصح التواریخ ص ۶۸

۶ سید محمد میاں برکاتی، حضرت، خاندان برکات ص ۲، مارہرہ شریف۔

۷ سید السادات میر سید عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب "سبع سنابل" فارسی میں ہے اور مقبول بارگاہ رسالت ہے، اس کا اردو ترجمہ حضرت کے خاندان کے ہی تربیت وفیض یافتہ مشہور عالم دین، خلیل ملت، خلیل العلماء، مفتی اعظم سندھ، حضرت مفتی محمد خلیل خان قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۸ رمضان ۱۴۰۵ھ/ ۱۸ جون ۱۹۸۵) راقم الحروف کے والد ماجد نے فرمایا، جو حامد اینڈ کمپنی سے ۱۹۸۱ء میں پہلی بار طبع ہوا۔

جس کے بعد حضرت میر کے بڑے صاحبزادے مارہرہ شریف تشریف لے گئے اور اس کو آباد فرمایا اس وقت ۱۰۱۷ھ سے آج تک حضرت کی اولاد مارہرہ شریف میں ہے۔

سلسلۂ نسب

حضرت تاج العلماء سید محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد، بقیہ السلف حجۃ الخلف حضرت سیدنا شاہ محمد اسماعیل حسن المعروف سید ابو القاسم عرف شاہ جی میاں ۸ بن حضرت خاتم الاسلاف سید شاہ محمد صادق ۹ قدس سرہما سید العابدین حضرت سید شاہ اولاد رسول ۱۰ قدس سرہ برادر حقیقی قدوۃ العارفین حضرت سیدنا شاہ آل رسول ۱۱ قدس سرہ ہیں۔

تعلیم وسند حدیث

ابتدائی کتب فارسی اپنے والد ماجد رضی اللہ علیہ اور منشی فرزند حسن صاحب اور مولوی محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ صاحب سے پڑھیں اور مشق خط، ان تینوں کے علاوہ اپنے برادر معظم سید شاہ غلام محی الدین فقیر عالم رحمۃ اللہ علیہ سے کی۔ درسیات عربی اپنے والد ماجد کے علاوہ، مولوی سید حیدر شاہ پشاوری، مولوی غلام رحمانی ولایتی، حافظ امیر اللہ بریلوی اور مولانا عبد المقتدر صاحب بدایونی سے پڑھیں۔ علم حدیث کی سند جو خاندانی مسلسل ہے اپنے والد ماجد اور اپنے نانا صاحب قبلہ حضرت سید شاہ ابو الحسین احمد نوری میاں رحمۃ اللہ علیہم سے

---

۸ تاریخ وصال صفر ۱۳۲۷ھ بمقام مارہرہ شریف
۹ تاریخ وصال ۲۴ شوال ۱۳۲۶ھ، شب پنجشنبہ بمقام سیتاپور
۱۰ تاریخ وصال ۲۶ ربیع الآخر ۱۲۶۸ھ چہار شنبہ بمقام مارہرہ شریف
۱۱ تاریخ وصال ۱۸ ذی الحجہ ۱۲۹۶ھ چہار شنبہ بمقام مارہرہ شریف (حضرت مرشد امام احمد رضا ہیں)۔

حاصل کی۔[۱۲] آپ نے قرآن کریم اپنے والد کے علاوہ اپنے برادر معظم اور ہمشیرہ محترمہ اور جناب حافظ عبدالکریم صاحب ملکپوری سے حفظ کیا۔

اعلیحضرت سے عقیدت

آپ اگرچہ امام اہلسنت اعلیحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد نہیں ہیں مگر ان کو اپنا استاد تسلیم فرماتے ہیں چنانچہ خود فرماتے ہیں:۔

''فقیر کو اگرچہ امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ سے تلمذ رسمی حاصل نہیں مگر فقیر ان کو اپنے اکثر اساتذہ سے بہتر و برتر اپنا استاد جانتا ہے۔ ان کی تقریرات و تحریرات سے فقیر کو بہت کثیر فوائد دینی و علمی حاصل ہوئے۔[۱۳]

اعلیحضرت کی محبت

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کو بھی حضرت تاج العلماء سے بڑی محبت تھی ایک موقع پر امام اہلسنت نے اپنے ایک مکتوب گرامی میں حضرت تاج العلماء سید محمد میاں صاحب قدس سرہ کو یوں خطاب کیا:۔

تازہ بتو اے جانِ تنِ مارہرہ خاندانِ برکات و چمنِ مارہرہ

خط کا آغاز ان الفاظ سے کیا

''وارث الاکابر الاسیاد، بالاستحقاق والانفراد [۱۴]

(اے بڑے بزرگوں کے مستحق وارث)

---

[۱۲] خاندان برکات ص ۵۳

[۱۳] خاندان برکات ایضاً ص ۵۳ و مفتی اعظم سندھ، ۲۲

[۱۴] راقم الحروف، مفتی اعظم سندھ ص ۲۲ بحوالہ قلمی بیاض مفتی خلیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بیعت وخلافت

آپ کو بیعت طریقہ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں تھی اوراس سلسلہ میں ہی اجازت وخلافت، نیز دیگر سلاسل، نقشبندیہ، ابوالعلائیہ، چشتیہ، نظامیہ، سہر وردیہ، جدیدہ وقدیمہ میں بھی اجازت وخلافت حاصل تھی۔ جبکہ دیگر سلاسل و جملہ اوراد، واذکار واشغال واعمال ووظائف واحادیث شریفہ وقرآن مجید، و مصافحات وغیرہ برکات کی اجازت اپنے والد ماجداور اپنے نانا صاحب حضرت سید شاہ الحسین احمد نوری قدس سرہ سے حاصل ہے۔

شادی

آپ کا عقد منظور فاطمہ دختر جناب سید وجیہ الدین احمد صاحب سے ہوا ایک صاحبزادے ہوئے تھے جو گذر گئے اور کوئی اولاد نہ ہوئی۔ [۱۵]

تبلیغی خدمات

حضرت قدس سرہ اکثر وبیشتر تبلیغی دوروں پر ہندوستان کے مختلف علاقوں میں تشریف لے جاتے تھے۔ آپ کے اکثر دورے گونڈل پور، بندر، ترسائی، اور کاٹھیاواڑ کے علاقوں میں ہوئے، جہاں بیشمار خلقت نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ آج بھی ہندوستان کے ان حصوں میں آپ کے ہزاروں مرید موجود ہیں۔ ان علاقوں سے بھی جو لوگ ہجرت کر کے پاکستان آگئے، ان میں بھی آپ کے لاتعداد مرید موجود ہیں۔ حضرت قدس سرہ نے ایک مرتبہ پاکستان کا دورہ بھی فرمایا اور کراچی وحیدرآباد میں قیام پذیر رہے اس موقع پر

---

[۱۵] سید محمد میاں قادری، حضرت، خاندان برکات ص ۵۵ مطبوعہ مارہرہ شریف

خلقت آپ کی زیارت کو ٹوٹ پڑی اور ہزاروں عقیدت مند آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے۔

حضرت کے ساتھ ان دوروں میں اکثر آپ کے بھانجے، حضرت علامہ سید حسن میاں شاہ صاحب علیہ الرحمۃ اور حضرت کے مرید و خلیفہ خاص، ١٦ مفتی اعظم علامہ مفتی محمد خلیل خاں برکاتی رحمۃ اللہ علیہ ہوا کرتے تھے ١٧

تصانیف

حضرت اولادِ رسول سید شاہ محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف کا تذکرہ خود اپنی کتاب خاندان برکات میں فرمایا ہے۔ جو تعداد کے لحاظ سے ۳۵ ہیں۔

ان میں مشہور کتاب اصح التواریخ ہے۔

اس گلدستۂ معرفت و عشق کے ۲ تاریخی نام ہیں۔ ایک سے سن آغاز تصنیف ظاہر ہوتا ہے اور دوسرے سے سن تکمیل، سنِ آغاز تصنیف ۱۳۳۸ھج ''اکمال الکلام فی ماثر الکرام'' کے اعداد سے نکلتا ہے۔ جس کے معنی ہیں۔

''بزرگوں کے کارناموں کا مکمل تذکرہ''

اسے حضرت مصنف نے اسم تاریخی قرار دیا ہے۔ دوسرے نام ''اصح التواریخ'' سے اس کا سن تکمیل ۱۳۴۷ھج معلوم ہوتا ہے۔ جس کے معنی ہیں۔

''صحیح ترین تاریخ''

---

١٦ راقم الحروف، مفتی اعظم سندھ۔ ص ١٥، (بحوالہ قلمی بیاض مفتی محمد خلیل صاحب)

١٧ علامہ ظہیر الدین قادری، مدیر استقامت کانپور نے فقیر کو بتایا کہ مفتی صاحب کے پاکستان آنے کے بعد، حضرت، مفتی صاحب کو ہمیشہ یاد فرماتے تھے اور آخر میں فرمایا تھا کہ اب کے مفتی خلیل آئیں گے تو ان کو ضرور خلافت دی جائے گی، چنانچہ بحکم خدا، حضرت کا وصال ہو گیا اور مفتی صاحب چہلم میں شرکت کرنے پہنچے تو، حضرت کے قائم مقام سیدی حسن میاں شاہ صاحب نے خاندان کے معمولات کے مطابق چہلم کے موقع پر مفتی صاحب کو تحریری خلافت لکھ دی، اس طرح حضرت کا فرمان پورا ہوا (مرتب)

اسے حضرت نے لقب تاریخی قرار دیا ہے۔ یہ تذکرہ حضرت تاج العلماء، السید الشاہ، وارث الاکابر الاسیاد بالاستحقاق والانفراد، اولادرسول سید محمد میاں قادری برکاتی ابوالقاسمی آل رسولی قدس سرہ العزیز نے تصنیف فرما کر، اور بڑی تحقیق وعرق ریزی کے بعد تالیف فرما کر تشنہ کاموں تک پہنچایا۔

اصح التواریخ میں، سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ کے ان انیس جلیل القدر بزرگوں کی سوانح حیات وفضائل ومناقب ہیں جن کے توسط سے یہ سلسلہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام تک جا ملتا ہے۔ کتاب کی دو جلدیں ہیں جن میں حضرت سیدنا مولی علی رضی اللہ عنہ سے سید الراحمین حضرت سید شاہ اویس بلگرامی قدس سرہ تک کے حالات ہیں اور ان کے ضمن میں ان بزرگوں کی بہت سی اولاد واحفاد وامجاد کا تذکرہ بھی فرمایا ہے

حضرت شاہ اویس رحمۃ اللہ علیہ کے بعد سے موجودہ سے قبل کے سجادہ نشینِ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف، احسن العلماء حضرت مفتی سید حسن میاں شاہ صاحب قدس سرہٗ تک نو بزرگوں کے حالات دوسری تصنیف، ''خاندان برکات'' [18] میں جمع فرمائے۔ وہ کتاب آپ نے صرف بیس سال کی عمر شریف میں ۱۳۲۹ ھج میں تالیف فرمائی۔

اصح التواریخ جلد اول کی ترتیب میں حضرت مصنف نے پچپن کتب مستند ومعتمد علیھا سے استفادہ کیا۔ جبکہ جلد دوم کی ترتیب میں اکیس کتب سے مواد اخذ فرمایا۔ مجموعی طور پر ان دو جلدوں کی ترتیب میں انہتر کتب کو شرف مطالعہ بخشا۔ جن کے نام ہر دو جلد کے آخر میں فہرست ماخذ کے تحت جمع فرما

---

[18] پاکستان میں یہ کتاب دوبارہ، برکاتی پبلشرز کراچی نے فروری ۸۷ء میں شائع کی ہے۔

دیئے ہیں۔

بقیہ کتب کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ القول الصحیح فی امتناع الکذب القبیح (اللہ تعالیٰ کیلئے جھوٹ محال ہے)

۲۔ رسالہ مختصرہ در اثبات واجب الوجود (اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود ہونیکا ثبوت)

۳۔ حاشیہ بر رسالہ خلاصۃ المنطق بدایونی (منطق کی ایک کتاب پر حاشیہ)

۴۔ مبحث الاذان (اذان کی بحث)

۵۔ شافی جواب پر کافی ایرادات (چند منفی مسائل پر بحث)

۶۔ بدایونی تحریر کے شافی جواب (فقہی مسائل پر مباحثہ)

۷۔ خاندان برکات (حضرت سید شاہ عبدالجلیل قدس سرہ (م ۱۰۵۷ھ) سے سجادہ نشین حضرت سید حسن میاں شاہ صاحب علیہ الرحمۃ تک خاندان برکاتیہ کے تفصیلی حالات)

۸۔ سوانح عمری حضرات اکابر خاندان برکات (سید شاہ عبدالجلیل سے پہلے کے اکابر کے حالات)

۹۔ نماز پڑھنے اور پڑھانے کا عمدہ طریقہ

۱۰۔ خیر الکلام فی مسائل الصیام (روزوں، تراویح اور اعتکاف کے مسائل)[۱۹]

۱۱۔ اکمل التاریخ پر ایک تنقیدی تبصرہ

۱۲۔ نور مدائح پر ایک تنقیدی نظر

۱۳۔ قرآنی ارشاد اور ہندو مسلم اتحاد

---

۱۹ یہ کتاب پھر پاکستان میں طبع ہوئی جو تیسرا ایڈیشن ہے۔

۱۴۔ انسداد قربانی گاؤ کے متعلق (ایک سیاسی جماعت کا) ریزولیوشن اور مذہبی نقطۂ نظر سے اس پر تنقید۔

۱۵۔ نان کوآپریشن (بائیکاٹ) شرعی ترک موالات ہے

۱۶۔ خطبۂ صدارت جماعت انصار المسلمین (کا جائزہ)

۱۷۔ گاندھویوں کا اعمال نامہ

۱۸۔ لیڈروں کا کارنامہ

۱۹۔ برکات مارہرہ و مہمانان بدایوں

۲۰۔ التحقیقات الشرعیہ فی ردخباثات الگاندھویہ (گاندھی کی چند خباثتوں کا رد)

۲۱۔ مثنوی، روزہ اور رمضان شریف کے فضائل میں

۲۲۔ البرہان القوی علی عدم جواز التراویح خلف الصبی (نابالغ کے پیچھے تراویح ناجائز ہے)

۲۳۔ تفہیم المسائل بارسال الرسائل

۲۴۔ مجموعۂ مضامین

۲۵۔ مجموعۂ فتاویٰ (حضرت کے تحریر فرمودہ فتاویٰ کا مجموعہ)

۳۶۔ خزانہ واقعات عجیبہ

۲۷۔ تذکرۂ جناب برادرِ صاحب معظم سید فقیر عالم مرحوم

۲۸۔ حق کی فتح مبین

۲۹۔ ترجمۂ اردو آداب السالکین (حضرت سید شاہ حمزہ قدس سرہ کی تصنیف کا ترجمہ)[۲۰]

---

[۲۰] یہ کتاب نئے مقدمہ اور ترتیب جدید کیساتھ دوبارہ چھپ چکی ہے۔ (مرتب)

۳۰۔ شوکت اسلام

۳۱۔ مجموعۂ مکاتبات فقیر ومولوی عبدالباری لکھنوی (حضرت سید شاہ محمد میاں رحمہ اللہ اور مولانا عبدالباری لکھنوی فرنگی محلی کے درمیان چند مسائل پر طویل خط وکتابت ہوئی جو حضرت نے اس کتاب میں جمع فرمادی۔

۳۲۔ فتنۂ ارتداد اور ہندو مسلم اتحاد (قادیانی مرتد کا رد اور ہندو مسلم اتحاد کے نقصانات)

۳۳۔ رسالہ در رد مغالطات گاندھویہ

۳۴۔ العذاب الاکبر لمانع ذبح البقر (گائے کے ذبح سے روکنے والا عذاب کا مستحق ہے)

اس کے علاوہ چند اور رسائل بھی ہیں جو نامکمل رہے یا غیر مطبوعہ ہیں۔[۲۱]

خلفاء وسجادگان

پاکستان میں راقم الحروف کے علم میں حضرت کے دو خلفاء ہیں (۱) خلیل ملت، مفتی اعظم سندھ، علامہ مفتی محمد خلیل خاں قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ حیدرآباد (م رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ) (۲) قاضی عبدالشکور صاحب قادری کراچی میں رہائش پذیر ہیں۔ حضرت سید شاہ محمد میاں قدس سرہ کے وصال کے بعد سجادہ نشین سیدی وسندی حضرت احسن العلماء سید حسن میاں شاہ صاحب علیہ الرحمۃ مسند نشیں ہوئے۔ اور خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف کے منتظم اعلی رہے

[۲۲] راقم الحروف کو حضرت والد ماجد مفتی محمد خلیل خاں رحمۃ اللہ علیہ

---

[۲۱] سید محمد میاں قادری، حضرت، خاندان برکات، ص ۵۵ مطبوعہ مارہرہ شریف

[۲۲] آپکا سالانہ عرس مذکورہ تاریخ میں کراچی میں، عقیدت واحترام کیساتھ منایا جاتا ہے، جبکہ حیدرآباد میں راقم الحروف کے مکان پر بھی عرس سالانہ منعقد ہوتا ہے۔ مرتب

نے ۲۴ جمادی الاخری ۱۳۹۸ھ میں بیعت کی اجازت کے ساتھ چند تبرکات عطا فرمائے تھے۔ پھر ۲۱ جمادی الاخری ۱۴۰۶ خانقاہ جیلانیہ حیدر آباد سندھ میں حضرت سید حسن میاں صاحب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی، جو اس وقت پاکستان تشریف لائے تھے خلافت سے نوازا اور بہت سے اوراد کی اجازت دی۔ ۲۳ حضرت سید شاہ محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ کا وصال مبارک ۲۴ جمادی الاخری ۱۳۷۵ھ میں ہوا مارہرہ میں مدفون ہیں۔

---

۲۳ حضرت کا وصال ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۱۶ھ میں ہوا، مارہرہ مطہرہ میں ہی مزار بنا۔

شاہزادہ اعلیٰحضرت حجتہ الاسلام

مولانا محمد حامد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

تاریخ ولادت: ربیع الاول ۱۲۹۲ھ
۱۸۷۴ء

تاریخ وصال: ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ
۲۳ مئی ۱۹۴۳ء

نام ونسب:

حضرت حجتہ الاسلام مولانا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ہم سب کے لیے واجب الاحترام ہے آپ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔آپ کا اسم شریف محمد عرف حامد رضا خاں اور لقب حجتہ الاسلام ہے آپ سلسلہ قادریت ،خاندانِ رضویت کے چشم و چراغ و زیب سجادہ آستانہ عالیہ قادریہ رضویہ تھے۔

آج علمی میدان میں ہم جو قدم اُٹھاتے ہیں ان ہی کی روشنی اور انہی کے متعین کردہ راستوں میں اُٹھاتے ہیں آپ نہ صرف علم کا بحر ذخار بلکہ ایک ولی تھے۔دراصل علماء و اولیاء ایک ہی ہوتے ہیں اور اسکا ثبوت حضرت مولانا حامد رضا خاں کی ذات ہے۔آپ الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم اور انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء دونوں کا مصداق ہیں چاہے فضائل اولیاء ہوں یا فضائل علماء دونوں آپ پر پورے اُترتے ہیں کیونکہ شریعت علم کا دین ہے اور طریقت عمل ہے اور مولانا کے ہاں علم وعمل کا سنگم ہے۔

علم و فضل :

آپکا علم و فضل اور حسن و جمال شہرہ آفاق ہے آپ محض مجدد برحق کا نورِ نظر ہونے کی بناء پر مشہور و مخدوم و محترم نہیں (اگر چہ بجائے خود یہ ایک اہم شرف ہے) بلکہ اپنے خداداد علم و فضل، استعداد و قابلیت اور عمل و عرفان کی بدولت حجۃ الاسلام کے لقب سے ملقب اور بلند پایہ منصب پر فائز ہیں۔ حضور اعلیٰ حضرت نے خود آپ کی تربیت فرمائی اور علوم نافعہ (اصول و منقول و معقول) سے فیض یاب فرمایا۔ علوم ادبیہ میں آپ بڑے پایہ کے ادیب و اریب تھے۔ اکابر علماء نے آپکی استعداد و قابلیت کا لوہا مانا اور فرمایا کہ ہم نے آپ جیسا عربی داں نہیں دیکھا آپ نہایت فصاحت بلاغت کے ساتھ برجستہ عربی میں اشعار و مضامین و خطبات تحریر فرماتے رسالہ جلیلہ الاجازات المتینته لعلماء بکة و المدینه کو آپ ہی نے مرتب فرمایا اور اس کا خطبہ تحریر فرمایا اور کتاب مستطاب الدولة المکیة بالمادة الغیبیة کا بہترین ترجمہ بھی آپ ہی نے کیا اور علاوہ ازیں بعض دیگر کتابوں کا بھی عربی خطبہ و اردو ترجمہ تحریر فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان پر آپ کو زبردست دسترس حاصل تھی علوم ادبیہ کے علاوہ دیگر علمی فنون (تفسیر حدیث، اصول و فقہ، کلام، منطق و فلسفہ ریاضی وغیرہا) میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا آپکا درس بیضادی، شرع، عقائد، شرح چغمینی بہت مشہور تھا۔

تقریر ایسی فرماتے جو آسانی سے طلبہ کے ذہن نشین ہو جاتی فقہی مسائل حل کرنے اور فتویٰ لکھنے میں بھی آپکو ملکہ حاصل تھا بلکہ بعض علماء کو فقہ شریف کی مشہور و معتبر جامع کتاب دُرمختار کا بھی درس دیا کرتے تھے جس زمانے میں دارالعلوم منظر اسلام کے صدر مدرس اور بعض دیگر مدرسین، کسی وجہ سے دوسری جگہ تشریف لے گئے اور یہ

خیال فرمایا کہ ہمارے بعد منظر اسلام میں تدریس کا کام نرم پڑ جائے گا۔آپ نے درجہ اول و دوئم کی معقول و منقول کی بڑی بڑی کتابیں خود پڑھانا شروع کر دیں طلبہ آپ کے پڑھانے سے بہت خوش ہوئے اور دارلعلوم کی رونق با قاعدہ قائم رہی اور اہل علم پر آپکے علمی دبدبے کی دھاک بیٹھ گئی۔

اگر ہم مولانا کی ذات کا مطالعہ اس دور کو سامنے رکھ کر کریں جس دور میں وہ تھےتو ہمیں پتہ چلے گا کہ مولانا اگر اس وقت بد مذہبوں سے مصافحہ بھی کر لیتے تو سنیت کا نام نہ ہوتا اس وقت اسلام فتنوں میں تھا عظمتِ رسول ﷺ اور صحابہ اولیا کی ناموس پر حملے ہو رہے تھے اس وقت دینی ،مذہبی ،سیاسی حالات میں مولانا حامد رضا خاں صاحب شدت سے کام نہ لیتے تو ہمارا وجود نہ ہوتا اگر وہ نرمی اختیار کرتے تو نمائش تو ضرور ہو جاتی مگر مسلک پر زد پڑتی اور مولانا اپنے مشن میں کامیاب نہ ہوتے انکے مخالف معاصرین کے پاس اسباب و وسائل کی بہتات تھی ذرائع نشر و اشاعت، کتب خانے ،مطالع انکے ساتھ تھے۔حکومت وقت کی چاپلوسی اور اسکے ساتھ ساز باز مولانا کے مخالفین کا وطیرہ تھا اس کے برعکس مولانا موصوف کی قیادت میں چھوٹی سی جماعت ،اسباب قلیل لیکن اس کا ثمرہ آج تک محسوس کیا جاتا ہے مخالفین اپنے وسائل کے باوجود ناکام رہے اور اعلیٰ حضرت کے نہتے مجاہد کامیاب رہے اگر آج ہندو پاک کی اکثریت کے عقائد معمولات اور رسومات کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ فروغ اسی مسلک کو حاصل ہوا جس کو اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں نے پھیلایا۔آج بھی عقیدے کے لحاظ سے اہلسنت کا پلہ بھاری ہے سنی تو صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہی ہیں غیر سنی بھی پڑھنے لگے ہیں ایک وقت تھا کہ کراچی یا پاکستان کے کسی شہر میں عید میلاد کے جلسے

نہیں ہوتے تھے اب ہر جگہ ہر علاقہ میں عیدِ میلاد النبی کے جلسے منعقد ہوتے ہیں جو لوگ دن منانے کو بدعت قرار دیتے ہیں وہ کنہیہ لال کا دن خوب مناتے ہیں۔ کیا ان کے نزدیک کنہیہ لال کا دن منانا بہتر ہے اور میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دن منانا ناجائز ہے۔ کامیابی کتب خانوں سے نہیں ہوتی اگر اسی کا نام کامیابی ہے تو قادیانی اور عیسائی سب سے بڑے کامیاب ہیں ان کا لٹریچر پانی کی طرح دستیاب ہے اصل کامیابی یہ ہے کہ عوام میں ان کے فضائل عام ہوں موجودہ اثر اسی تحریک کا نتیجہ ہے جو حضرت حجۃ الاسلام نے شروع فرمائی تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ جب وہ محرک ہیں تو مشہور کیوں نہیں ہوئے تو یہ ہماری غلطی ہے ہم نے ان کے کارناموں کی تشہیر کے لیے مناسب اقدامات نہیں کیے۔

میدانِ سیاست میں:

تحریکِ خلافت کے زمانے میں جب ملک میں تشدد بڑھا اور لوگوں نے مولانا عبدالباری فرنگی محلی کو بابائے خلافت مانا، تو مسائل میں اختلاف ہوا اور مولانا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ، مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ مولانا عبدالباری سے ملنے لکھنو گئے اور کہا اگر مولانا عبدالباری تسلی بخش جواب دے دیں تو ٹھیک ورنہ ہم اُن کی مخالفت کریں گے مولانا عبدالباری اپنے خاندان علمی کے آخری چشم و چراغ تھے چنانچہ عمائدین شہر میں شمار تھا۔ اور اسی لحاظ سے لکھنو میں ان کا بڑا اثر تھا انہیں جب معلوم ہوا کہ مولانا حامد رضا خاں آرہے ہیں تو جم غفیر کے ساتھ استقبال کے لیے تشریف لائے حجۃ الاسلام گاڑی کے ڈبہ سے باہر نکلے تو مولانا عبدالباری جو اپنے مخصوص لباس میں تھے بانہیں پھیلا کر آگے بڑھے لیکن حضرت حامد

رضا نے اپنے دونوں ہاتھ باندھ لیے اور فرمایا کہ معانقہ کرونگا لیکن تصفیہ عقائد کے بعد یہ دیکھ کر لوگ ہکا بکا اور دنگ رہ گئے اور حضرت حجۃ الاسلام نے مصافحہ بھی نہیں کیا بعد میں جب مولانا عبدالباری سے کسی نے اس بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ مولانا حامد رضا خاں حق پر تھے انہوں نے جو کیا ٹھیک کیا [1]۔ اس کا اثر مولانا حامد رضا کے شاگرد خاص مولانا سردار احمد صاحب نے لیا چنانچہ ایک کمشنر مولانا سردار احمد سے ملنے آیا جو شیعہ تھا مولانا حجرہ سے باہر نہ نکلے جب لوگوں نے بہت مجبور کیا تو کمرے میں تشریف لائے، کمشنر نے ہاتھ بڑھایا لیکن مولانا نے مصافحہ کے لیے ہاتھ نہ اٹھایا [2]۔

حضرت حجۃ الاسلام حامد رضا کی ذات کا دشمنوں نے بھی اعتراف کیا ہے جب آپ نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف الدولۃ المکیہ کو علمائے حرمین شریفین کے سامنے پیش اور ان سے تقاریظ لکھوائیں، اور انہیں لیکر حسام الحرمین کی صورت میں واپس ہندوستان پہنچے تو دشمنوں نے کہا کہ حامد رضا نے اپنی چرب زبانی سے علمائے عرب کو مرعوب کرلیا ہے۔ جسکی زبان میں یہ تاثیر ہو کہ علمائے حرمین اس کے آگے نہ ٹھہر سکے اسکا مقام کتنا بلند و برتر ہوگا۔

وعظ و تقریر:

تحریر و تدریس کی طرح آپکی تقریر بھی بہت مدلل و موثر ہوتی تھی جب اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ اہل جبل پور کے اصرار پر وہاں تشریف لے گئے تو حضرت حجۃ الاسلام بھی آپ کے ہمراہ تھے وہاں کے احباب اہل سنت نے اس موقع پر ایک عظیم الشان جلسے کا

۱۔ قاری محبوب رضا خاں حضرت تقریر عرس حجۃ الاسلام کراچی امجد یہ ۹ جون ۱۹۷۴ء

۲۔ قاری محبوب رضا خاں ایضاً۔

اہتمام کیا اور اسی جلسے میں پہلی مدلل و جامع تقریر حضرت حجۃ الاسلام کی ہوئی جس کا مجمع پر بہت اثر ہوا آپکی تقریر کے دوران میں ہی حضور اعلیٰ حضرت بھی جلسے میں تشریف لے آئے اور آپکی تقریر سن کر بہت مسرور ہوئے داد دی اور کلمات تحسین فرمائے۔ بنارس، کلکتہ، مظفر پور، چتور گڑھ یوپی، کے علاقوں میں آپکے بیانات کی بہت مقبولیت، دھوم اور شہرت تھی جب بیان فرماتے جذبہ صدقہ کے ساتھ فرماتے آپکا بیان دلوں میں اُترتا چلا جاتا سامعین کانوں سے آپکا بیان سنتے اور آنکھوں سے آپکی نورانی صورت کا دیدار کرتے بعض اوقات آپکے پُر اثر و پُر درد بیان سے حاضرین کی چیخیں نکل جاتیں مجمع پر کیفیت طاری ہوتی اور کئی بد مذہب تائب ہوجاتے۔

ایک مرتبہ لکھنو میں اہل لکھنو کی ایک مجلس میں حضرت حجۃ الاسلام اور صدر الافاضل مراد آبادی علیہما الرحمہ رونق افروز تھے دریں اثناء حضرت صدر الافاضل نے اہل مجلس کے سامنے حضرت حجۃ الاسلام سے علم غیب کے متعلق ایک مسئلہ بطور سوال دریافت فرمایا جس کا مقصد یہ تھا حضرت مجلس میں اسکا جواب بیان فرمائیں چنانچہ آپ نے آیاتِ کریمہ، احادیث، شریفہ واقوال، بزرگانِ دین سے ایک ایسا مدلل و مربوط جواب ارشاد فرمایا جس سے حاضرین دنگ رہ گئے۔

مناظرہ:

آپ نے فرق باطلہ سے کئی مناظرے فرمائے جن میں بفضلہ تعالیٰ ہمیشہ فتح پائی لاہور کا فیصلہ کن مناظرہ آپکا تاریخی مناظرہ تھا یہ اس وقت کی بات ہے جب مولوی اشرف علی تھانوی بقید حیات تھے بڑھتے ہوئے اختلافات کو روکنے کے لیے مرکزی دار العلوم حزب الاحناف لاہور کی طرف سے مخالفین اہل سنت کو یہ کہا گیا کہ چونکہ

تمھارے فرقہ کے قائد اور مذہب کے اہم ستون مولوی اشرف علی بقید حیات ہیں اس لیے آئے دن کے نزاع کو بند کرنے کے لیے کیا اچھا ہو کہ فیصلہ کن مناظرہ ہو جائے ہمارے اکابر علماء بھی تشریف لے آئیں اور آپ بھی مولوی اشرف علی صاحب کو بلائیں اور مناظرہ میں سب سے پہلے مولوی اشرف علی صاحب کی حفظ الایمان والی کفریہ عبارت ہی کو موضوع قرار دیا جائے ، اور علمائے اہل سنت کے سامنے مولوی اشرف علی اپنی برئیت واضح اور اپنی عبارت کو اسلامی عبارت ثابت کر دیں اور اگر مولوی اشرف علی صاحب خود نہ آ سکیں تو کسی کو اپنا وکیل بنا کر بھیج دیں جس کی فتح وشکست تھانوی صاحب کی فتح وشکست ہو چنانچہ مخالفین نے وعدہ کر لیا کہ مناظرہ میں مولوی اشرف علی صاحب اگر نہ آئے تو ان کا وکیل ضرور آئے گا۔

اہل سنت کی طرف سے مولوی اشرف علی کے مقابلہ میں حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمۃ کو مناظر منتخب کیا گیا اور یہ بات طے ہو جانے کے بعد فیصلہ کن مناظرہ کے عنوان سے اشتہار بھی شائع کر دیا گیا۔ مگر جب مناظرہ کا وقت آیا اور علماء اہل سنت دور دراز کا سفر طے کر کے لاہور تشریف لائے اور حضرت حجۃ الاسلام بریلوی، شیخ طریقت مولانا شاہ علی حسین شاہ صاحب کچھوچھوی، حضرت صدر الافاضل مراد آبادی، حضرت پیر سید صدر الدین صاحب سجادہ نشین موسیٰ پاک شہر ملتان ، حضرت فقیہ اعظم مولانا محمد شریف صاحب کوٹلوی ، مولانا صاحب سیالکوٹی علیہم الرحمۃ و دیگر کثیر التعداد علماء کرام لاہور پہنچے تو مولوی اشرف علی صاحب نہ خود کسی صورت سے مناظرہ پر آنے کے لیے تیار ہوئے اور نہ ہی کوئی اپنا وکیل بھیجا کاش! مولوی اشرف علی میدان مناظرہ میں آ جاتے اور اختلاف اور نزاع کے خاتمہ کی کوئی صورت ہو جاتی بہر حال

تھانوی صاحب کو اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت کے لختِ جگر حجۃ الاسلام (قدس سرہما) کے سامنے آنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

وہ رضا کے نیزہ کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے

اور متلاشیان حق اور انصاف پسند وسعید روحوں پر تھانوی صاحب کے تشریف نہ لانے سے یہ واضح ہو گیا کہ واقعی دال میں کالا ضرور ہے اور!

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

اہل سنت کی اس عظیم الشان فتح پر مرکزی انجمن حزب الاحناف کی طرف سے حضرت حجۃ الاسلام کے اعزاز میں ایک بہت بڑا جلسہ منعقد ہوا جسمیں آپ کی خدمت میں نذرانہ عقیدت وہدیہ تہنیت پیش کیا گیا بعض شعراء نے اس موقع سے متعلق نظمیں لکھیں، قصیدے پڑھے، اور نعرہائے تکبیر ورسالت وحجۃ الاسلام زندہ باد کے نعروں سے فضا گونج اُٹھی ایسا نورانی وپرشکوہ منظر اہل لاہور نے شاید ہی کبھی دیکھا ہو۔

دیدارِ پر انوار کے فیوض وبرکات:

آپ بہت ہی حسین وجمیل ووجیہ بزرگ تھے۔ جب آپ کسی مجلس میں تشریف رکھتے اہل مجلس کی نگاہیں آپ کے نورانی چہرہ پر نثار ہونے لگتیں جس مقامی وغیر مقامی جلسہ میں جلوہ گر ہوتے حاضرین آپ کی طرف متوجہ ہو جاتے ایک مرتبہ کرت پور ضلع بجنور کے احباب نے ایک بہت بڑا جلسہ منعقد کیا جسمیں صرف حضرت حجۃ الاسلام کو شرکت کی دعوت دی گئی چنانچہ جب آپ کرت پور پہنچے تو وہاں کے احباب نے آپ کا شاندار استقبال کیا اور آپ کے دیدار سے لطف اندوز ہوئے اور ایک شخص

آپ کی زیارت سے ایسا خود رفتہ ہوا کہ پروانہ کی طرح کبھی ادھر جاتا تو کبھی اُدھر جاتا اور لوگوں سے آپ کے حسن و جمال کی اور نورانی چہرہ کی تعریف کرتا اور خوش ہوتا اس محویت کے عالم میں وہ بازار گیا اور کانگریسی ملاؤں کے معتقدین سے کہا کہ آج بریلی شریف سے اہل سنت و جماعت کے ایک ایسے جلیل القدر و بزرگ عالم تشریف لائے ہیں کہ جن کے چہرہ پر نور برستا ہے اگر تم میں بھی کوئی ایسا ہو تو دکھاؤ۔ تمھارے بہت سے بڑے بڑے مولوی آئے مگر ان میں سے ایک بھی ایسا نظر نہیں آیا۔

مفتی اعظم پاکستان علامہ مفتی محمد وقار الدین علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں حضرت حجۃ الاسلام کی شکل مبارک دیکھ کر ایمان تازہ ہو جاتا تھا ہزاروں میں الگ چمکتے تھے غیر مسلم تکتے رہ جاتے تھے آج تک اپنی زندگی میں انسا انسان نہیں دیکھا[۳]۔

غرض کہ آپ جہاں تشریف لے جاتے آپ کی نورانی صورت کی دھوم مچ جاتی یہ سچ ہے کہ تقریر سے خوب تبلیغ ہوتی ہے مگر آپ کی وجاہت چہرہ کی نورانیت اور خداداد حسن و جمال بھی ایسا تھا کہ جس سے اہل سنت کی خود بخود تبلیغ ہو جاتی لوگ آپ کا دیدار کر کے گرویدہ اور سلسلۂ سُنیت ورضویت میں شامل ہو جاتے اور دیکھنے والے کہتے کہ ایسی نورانی صورت والا بزرگ یقیناً حق پر ہے۔

فیض عام:

حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہ کا فیض عام تھا سینکڑوں بلکہ ہزاروں اپنی حاجتیں مرادیں لے کر حاضر ہوتے اور خدا کے فضل سے مشکل مرادیں پوری ہوتیں اور آسان ہو جاتیں کتنوں کے گھر آپ کے صدقے سے آباد ہوئے سینکڑوں کے گھروں

۳۔ تقریر مفتی وقار الدین قادری علامہ ۹ جون ۱۹۷۷ء عرس امجدیہ کراچی۔

میں آپ کے دیئے ہوئے نقوش وتعویزات و دعاؤں کی برکت سے لڑکے پیدا ہوئے۔

ایک دفعہ ریاست جے پور تشریف لے گئے ایک نیاز مند نے حاضر ہوکر عرض کیا کہ حضور نے نقش دیا تھا میرے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے دم فرما دیجیے پھر ایک اور صاحب حاضر ہوکر عرض کرنے لگے کہ آپ کی دعا سے لڑکا پیدا ہوا ہے اوردم او ردعا فرمادیں۔اس قسم اور بھی کئی واقعات ہوئے۔

اخلاق کریمانہ:

آپ بہت متواضع، منکسر المزاج اور وسیع اخلاق کے مالک تھے سب سے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آتے علم دین حاصل کرنیوالے طلبہ حاجت مندوں اور فقراء پر بہت شفقت فرماتے اور اپنے خدام وعقیدت کیشوں کو بہت نوازتے گاہے گاہے مقتضائے حال کے مطابق جلال بھی فرماتے مگر آپ کا جمال جلال پر غالب رہتا علماء کرام خصوصاً حضرت صدر الشریعہ مصنف بہارِ شریعت و حضرت صدر الا فاضل مرادآبادی علیہما الرحمۃ کا بہت احترام فرماتے دین کی خدمت کا کوئی کام دیکھ کر اور اہل سنت کی کوئی انجمن، جماعت یا جمعیت قائم ہونے کی خبر سن کر بہت خوش ہوتے اگر کوئی بیماری، مشکل یا مصیبت پیش آجاتی تو اسے نہایت ہی صبر وتحمل اور بردباری کے ساتھ برداشت کرتے اور دیکھنے والے لوگ وعلاج کرنے والے ڈاکٹرز وسول سرجن آپ کے صبر وتحمل وسکون واطمینان کو دیکھ کر حیران رہ جاتے جب شب برأت آتی تو ظہر سے لے کر شام تک سب سے معافی مانگتے حتٰی کہ اپنے سے چھوٹوں کو بھی کہتے کہ اگر میری طرف سے کوئی بات ہوگئی ہو تو مجھے معاف کردو آپ کے اخلاق سے بڑے بڑے علماء

مشائخ بھی متاثر ہوتے اور آپ کے ساتھ بڑی محبت فرماتے حضرت امیر ملت شیخ طریقت مولانا پیر سید جماعت علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی آپ کے ساتھ بہت محبت تھی چنانچہ ایک مرتبہ حضرت کو اپنے ساتھ علی پور شریف لے گئے تھے۔

صبر و استقامت :

حضرت نے اپنی زندگی میں کوئی ایسا قدم نہیں اُٹھایا جو سنت کے خلاف ہو علالت کے زمانے کے دو واقعے بہت مشہور ہیں ایک مرتبہ آپکے ہاتھ میں زہریلے کیڑے نے کاٹ لیا زخم خطرناک ہو گیا ڈاکٹروں نے کہا کہ انگوٹھا کاٹنا پڑیگا مشورہ کے بعد آپریشن کا پروگرام بنا ڈاکٹروں نے کہا کہ آپریشن بے ہوش کرنے کے بعد کیا جائے گا آپ نے فرمایا کہ میں دوا نہیں سونگھونگا اسی طرح آپریشن کردو اور اس پر بہت ضد کی ڈاکٹروں نے ضد ٹھکرا دی تو فرمایا کہ نہیں کرتے تو نہ کرو لیکن دوا نہ سونگھونگا چنانچہ اسی طرح آپریشن ہوا ہڈی کاٹی گئی اور آپ بالکل خاموش بیٹھے رہے ڈاکٹر بھی آپکا معتقد ہو گیا کہ کتنا باہمت بوڑھا ہے[۴] ۔صحت یابی کے بعد جب صدر الشریعہ ملاقات کے لیے تشریف لائے تو قاری محبوب رضا خاں بھی ساتھ آئے قدم بوسی ہوئی حضرت حامد رضا خاں نے تمام حال سنایا اور فرمایا کہ میں نے سوچا کہ کچھ بھی ہو جائے اعلیٰ حضرت کے نام دھبہ نہ لگنے دونگا میں نے ہمت کی اور اللہ نے میری مدد فرمائی دوسرا واقعہ یہ کہ شوگر کی بیماری میں آپکی پشت میں سرطان ہو گیا اور تقریباً ۸،۹ انچ چوڑا زخم بن گیا آپریشن کا سوال ہوا یہ آپریشن بہت وقت لیتا ہے ڈاکٹروں نے بے ہوش کرنے کے لیے کہا تو فرمایا کہ نہیں بے ہوش نہ کیا جائے کیونکہ یہ تو شراب جیسی بات ہو جائے گی۔

۴۔تقریر قاری محبوب رضا خان حضرت تقریر عرس امجدیہ جون ۴ےء۱۹ کراچی۔

آخر کار ڈاکٹر مان گئے بغیر بے ہوش کئے گھنٹوں آپریشن کیا حجۃ الاسلام وقفہ وقفہ سے اللہ اللہ کہتے رہے بجز اسکے ایک حرف بھی زبان پر نہ لائے۔ اسپتال میں داخل ہونے سے پہلے چند شرطیں رکھیں میرے کمرے میں کوئی نرس نہیں آئے گی جو دوا مجھے دی جائے پہلے میرا ڈاکٹر اسے چیک کریگا کہ اسمیں شراب تو نہیں ہے تب وہ دوا پیو نگا۔ ڈاکٹر حضرت کا اثر دیکھ رہے تھے چنانچہ مان گئے۔ اتفاق سے پہلے دن ایک عیسائی نرس غلطی سے کمرے میں آ گئی تو آپ سخت غصہ ہوئے وہ ڈر کر بھا گی اور کہنے لگی ایسے لوگ بھی ہیں جو عورت سے اس قدر نفرت کرتے ہیں آج تک ایسا کوئی نہیں دیکھا۔ یہ آپ کا تقویٰ تھا کہ غیر قوم اور اجنبی عورت سے اس قدر دور رہے آپ کے لیے ڈاکٹر ایسی دوائیں تلاش کرتے رہتے تھے جن میں شراب نہ ہو۵۔ ان واقعات سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ بریلی کی تین خصوصیات ہیں صبر، استقامت اور ثابت قدمی جو شخص بھی بریلی سے متعلق ہوگا اس میں یہ خصوصیات پائی جائیں گی آج بھی جو علماء بریلی کے شاگرد ہیں ان میں یہ صفات پائی جاتی ہیں۔

وصال شریف:

۱۳۶۲ھ میں بہ عمر ستر سال ، بتاریخ ۱۷ جمادی الاولی آپکا وصال شریف ہوا جب آپکا جنازہ مبارکہ اُٹھایا گیا تو ایک حشر برپا تھا اور بے پناہ ہجوم تھا۔ لوگ جنازے کو کاندھا دینے کے لیے سر توڑ کوشش کر رہے تھے ہر ایک تمنا تھی کہ مجھے یہ سعادت حاصل ہو سکے ایک بہت بڑے گراؤنڈ میں آپکی نمازِ جنازہ پڑھی گئی نمازِ جنازہ کی امامت کے فرائض شیخ الحدیث، محدثِ اعظم پاکستان حضرت مولانا ابوالفضل محمد سردار احمد صاحب

۵۔ مفتی وقار الدین قادری، حضرت تقریر عرس مذکورہ کراچی ۱۹۷۲ء۔

رحمۃ اللہ علیہ نے انجام دیئے اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے پاس ہی آپکو دفن کیا گیا جیسے آپکی نورانی صورت سے تبلیغ ہوتی رہی اسی طرح آپکے جنازے مبارک سے بھی تبلیغ ہوگئی ہسپتال کی ایک نرس آپکا جنازہ دیکھ کر مشرف بہ اسلام ہوگئی اور کئی بدمذہب قسم کے لوگوں نے وہ نورانی سماں اور آپکی قبولیت دیکھ کر توبہ کرلی اور پکے صحیح العقیدہ سنی بن گئے۔

اولاد:

آپ کی چار صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے تھے ایک صاحبزادے محمد حماد رضا خاں عرف نعمانی میاں صاحب رحلت فرماگئے اور دوسرے صاحبزادے حضرت مولانا علامہ محمد ابراھیم رضا خاں عرف جیلانی میاں علیہ الرحمہ آپکے بعد جامعہ رضویہ ،منظر اسلام بریلی شریف کے مہتمم ہوئے ۱۱ صفر المظفر ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۲ جون ۱۹۶۵ء کو آپ بھی اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کرگئے آپ علمی دنیا میں مفسّر اعظم کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے ہندو پاک میں آپکے کئی ہزار کی تعداد میں مریدین ومتوسلین پائے جاتے ہیں مولائے کریم آپکی قبر شریف پر اپنی رحمتوں کے پھول برسائے اور اولاد واحفاد کو آپکو صحیح جانشین بنائے (آمین)۔

تلامذہ وخلفاء:

ہندو پاکستان میں مریدین کی ایک کثیر ووسیع تعداد کے علاوہ تلامذہ وخلفاء کی بھی ایک جماعت موجود ہے چند مشاہیر تلامذہ علماء کرام وخلفاء کے اسماء گرامی یہ ہیں

۱۔ شیخ الحدیث مولانا سردار احمد صاحب علیہ الرحمہ بانی جامعہ رضویہ مظہر اسلام (فیصل آباد) مناظر اسلام۔

۲۔ حضرت شیخ القرآن مولانا محمد عبدالغفور صاحب ہزاروی علیہ الرحمہ۔

۳۔ حضرت مخدوم اہلسنت مفسر اعظم مولانا محمد ابراھیم رضا خاں صاحب عرف جیلانی میاں علیہ الرحمہ

۴۔ حضرت مولانا تقدس علی خان صاحب علیہ الرحمہ صدر مدرس جامعہ راشدیہ پیر گوٹھ سکھر۔

۵۔ حضرت مولانا مفتی اعجاز ولی خان صاحب علیہ الرحمہ شیخ الفقہ جامعہ گنج بخش لاہور۔

۶۔ حضرت مولانا علامہ عبدالحسنات محمد احمد صاحب علیہ الرحمہ۔

۷۔ حضرت شیر بیشہء اہل سنت مولانا محمد حشمت علی خاں صاحب علیہ الرحمہ پیلی بھیت۔

۸۔ حضرت مولانا مفتی محمد ظفر علی صاحب نعمانی قدس سرہٗ کراچی وغیرہم، یہ حضرات اوران کے تلامذہ بھی درحقیقت حضرت حجتہ الاسلام قدس سرہ کے فیوض و برکات ہی کے مظہر ہیں اور اس لحاظ سے آپکا فیض عام آج بھی جاری وساری ہے (الحمدللہ رب العٰلمین)۔

اس مضمون کی تیاری میں ماہنامہ ''اعلیحضرت'' بریلی شریف جولائی ۱۹۷۰ء سے بھی مدد لی گئی۔مرتب

صدرالشریعۃ علیہ الرحمۃ

حضرت صدرالشریعۃ مولانا محمد امجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ غزالیٔ دوراں اور اپنے وقت کے قطب ہوئے ہیں۔ آپ کی وجاہت کا یہ عالم تھا کہ لوگ ایک نظر دیکھنے کیلئے ٹوٹ پڑتے تھے۔ مزاج بہت سادہ تھا۔ نشست علیحدہ ہوتی تھی۔ گفتگو میں ہمیشہ مسکراہٹ رہتی تھی۔ آپ کی ڈانٹ میں بھی پیار ہوتا تھا۔ کبھی تو ایسا ہوتا کہ شاگرد خود ایسی حرکتیں کرتے کہ جس سے ان کو ڈانٹ پڑے۔ ایک مرتبہ مولانا سید غلام جیلانی صاحب میرٹھی علیہ الرحمۃ والرضوان کو شرارت سوجھی۔ یہ سفر میں حضرت صدرالشریعۃ کیساتھ تھے۔ چنانچہ آپ کو ایک انتظارگاہ میں لے گئے اور وہاں جا کر بٹھا دیا۔ شرارت کا موڈ تھا۔ پوچھا کہ ''ابا جی'' (آپ کے تمام شاگرد آپ کو ابا جی کے نام سے پکارتے تھی، اسی طرح آپ کے صاحبزادے علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری علیہ الرحمۃ کو آپ کے شاگرد ''بابا'' کہہ کر پکارتے تھے)۔ ناشتہ دان میں کچھ ہے، فرمایا دیکھ لو! انہوں نے دیکھا اور چٹ کر گئے۔ آپ نے کچھ نہ فرمایا یہ ڈانٹ کھانے کے موڈ میں تھے چنانچہ رہا نہ گیا اور پھر سوال کیا کہ اگر کوئی مسافر ہو اور نماز کے وقت میں گنجائش بھی ہو۔ پھر وہ سنتیں نہ پڑھے؟ فرمایا کہ وقت ہے تو سنتیں پڑھ لے۔ انہوں نے اس وقت تک مغرب کی نماز نہ پڑھی تھی اور وقت ختم ہونے میں پچیس منٹ باقی تھے پھر پوچھا کہ اگر سنتیں نہ پڑھے۔ آپ نے وہی جواب دیا۔ انہوں نے پھر وہی سوال کیا تو آپ نے ڈانٹ کر فرمایا۔ ''ابے!! پڑھے گا کیوں نہیں''۔ ان

کا مقصد ڈانٹ کھانا تھا، حل ہو گیا چنانچہ اب خاموش ہو گئے۔

ایک مرتبہ حضرت صدر الشریعۃ رحمۃ اللہ علیہ ناگپور کے جلسہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں حضرت سید علی حسین محدث اشرفی علیہ الرحمۃ بھی تشریف لائے تھے۔ رات کو مدرسہ میں قیام کیا۔ صبح حضرت صدر الشریعۃ کی ملاقات محدث صاحب سے ہوئی، پوچھا کہ حضرت رات کیسی گذری، محدث صاحب یوں گویا ہوئے کہ "مولانا! میرے بغل کے کمرے میں رات کو تصوف کا دنبہ ذبح ہو رہا تھا، اس وجہ سے رات بے کیفی میں گذری"۔ برابر کے کمرے میں دراصل علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ رات کو نعت پڑھ رہے تھے۔

(راوی حضرت قاری مصلح الدین صاحب علیہ الرحمۃ)

مولانا امجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ موجودہ صدی کے زبردست عالم اور بزرگ تھے۔ آج کل تو لوگوں کا ذوق بالکل ہی بدل گیا ہے، اچھائی اور بُرائی کے معیار کی کچھ تمیز نہیں رہی ہے۔ آج بزرگی کا معیار یہ رہ گیا ہے کہ یا تو وہ بزرگ ننگا ہو، مجذوب ہو، کپڑے پھٹے ہوں، رال بہہ رہی ہو تو اسکو بزرگ کہیں گے۔ یا بڑے بیش قیمت لباس پہنے ہو، عمامہ اور جبہ زیب تن کئے ہو علم و عمل کو آج کوئی بزرگی کا معیار قرار نہیں دیتا جو کہ زیادتی ہے، ایک بہروپئے نے عالمگیر بادشاہ کے تحفے محض اسلئے قبول نہیں کئے کہ پوشاک بدنام ہو جائے گی۔ تو بادشاہ نے پھر اسے دو گاؤں دیئے۔

حضرت صدر الشریعۃ عملی طور پر شدت کے ساتھ شریعت کے پابند تھے۔ اتباع اور پیروی جیسی لوگوں نے آپ میں دیکھی، وہ ناقابل مثال ہے۔ کسی کی رعایت نہ فرماتے تھے ہمیشہ حق ارشاد فرماتے تھے، کسی کی بزرگی کا

آسان طریقہ سے اندازہ، کثرت اجر سے لگایا جاسکتا ہے، جس طرح ایک مالی چند بیج ڈال کر پودے لگاتا ہے اور وہ کچھ عرصہ بعد تناور درخت بن جاتے ہیں تو جو بھی اس کے سایہ میں بیٹھتا ہے وہ درخت لگانے والے کو دعا دیتا ہے۔

حضرت صدرالشریعۃ کے بے شمار تلامذہ آج پاک وہند کے علاوہ دیگر ملکوں میں بھی خوب پھیلے ہوئے ہیں اور اسی طرح تلامذہ کے تلامذہ، غرضیکہ جتنے پودے اس پانی کے چشمہ سے سیراب ہونگے اتنا ہی صدرالشریعۃ کے اجر کے ذخائر میں اضافہ ہوگا۔ اس صورت میں کثرت اجر کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب محدث مبارکپوری علیہ الرحمۃ درس کی ایک کتاب میں الجھ گئے۔ مسئلہ کسی طور میں سمجھ نہ آتا تھا۔ بہت پریشان تھے رات کو سوئے تو خواب میں صدرالشریعۃ تشریف لائے اور مسئلہ کا حل بتادیا۔

ایک مرتبہ علامہ سید احمد سعید صاحب کاظمی علیہ الرحمۃ ہری پور میں ایک جلسہ عام میں تشریف لے گئے، مختلف علماء آتے رہے، تقاریر کرتے رہے، اور نعرے لگتے رہے، علامہ کاظمی صاحب کا نمبر آیا، سادہ لباس میں تھے نہ جان نہ پہچان، کوئی نعرہ نہ لگا، اپنے علم کے جوہر بکھیرے، اور تقریر کے بعد اپنے شاگرد سے فرمایا۔ ''مولانا! فوراً ایک جبہ، عمامہ، ٹوپی، رومال منگوادیں''۔ کیونکہ لوگوں کے نزدیک اب علم کا معیار یہی رہ گیا ہے۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بزرگی علم وعمل سے ہوتی ہے۔ لباس تو سونے پر سہاگہ ہے۔

حضرت صدرالشریعۃ رحمۃ اللہ نے امت مسلمہ پر بہت عظیم احسان

کئے ہیں۔ان میں سب سے عظیم احسان بہار شریعت فقہ حنفی کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔جس کی سترہ جلدیں آپ نے لکھیں۔بقیہ تین جلدیں پاکستان کراچی میں علامہ مفتی وقار الدین صاحب تلمیذ صدر الشریعۃ علیہ الرحمۃ۔علامہ عبد المصطفیٰ الازہری علیہ الرحمۃ اور علامہ مفتی قاری محبوب رضا خان علیہ الرحمۃ نے مل کر پوری فرمائیں۔"بہار شریعت" فقہ میں اتنی آسان اردو کتاب ہے کہ اس سے آسان ہونا مشکل ہے۔اور اگر اس سے آسان کرنے کی کوشش بھی کی جائے تو وہ اردو ہی مہمل بن کر رہ جائے گی۔

(نوٹ: مذکورہ بالا واقعات راقم الحروف نے استاذی المکرم حضرت علامہ مولانا قاری محمد مصلح الدین علیہ الرحمۃ سے دار العلوم امجدیہ کراچی میں دوران تعلیم ۱۹۷۵ء میں سنے)۔

(یہ چند سطور لکھتے وقت خیال ہوا کہ والد گرامی خلیل ملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے، جد الاساتذہ حضرت صدر الشریعۃ علیہ الرحمۃ والرضوان پر جو چند صفحات تحریر فرمائے تھے وہ بھی اس کتاب میں شامل ہو جائیں تو محفوظ ہو جائیں گے۔ اس لئے یہ چند اوراق حضرت خلیل ملت کے قلم سے شامل کتاب ہذا ہیں۔

(مرتب: احمد میاں برکاتی)

حضرت صدر الشریعۃ کا انداز

درس وتدریس وسادگی

مولانا امجد علی قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ مصنف ''بہار شریعت''

از: خلیل العلماء والمشائخ مفتی محمد خلیل خان صاحب قادری برکاتی علیہ الرحمۃ

بانی مہتمم وشیخ الحدیث دار العلوم احسن البرکات حیدر آباد سندھ۔

طلب علم دین

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم وشرف وکرم کی امت مرحومہ کے علماء تو علماء کہ وہ اساطین دین وملت ہیں، تحصیل علوم دینیہ کے متوالوں کیلئے، صحیح حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ ان الملئکة لتضع اجنحتها رضا لطالب العلم کہ فرشتے ان کے پیروں کے نیچے اپنے قدم بچھاتے ہیں'' (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرھم)

تو یہ طلبہ جن کی منزل، علم دین اور صرف علم دین ہے اگر اپنے اساتذہ کی شفقت اور ان کی توجہ بلکہ نظر کرم سے محروم رہیں تو اپنی منزل مراد سے بھی دور ہی رہیں گے۔ استاذ کی شفقت اور ان کی تربیت ہی انہیں زیور علم سے آراستہ و پیراستہ کرسکتی ہے۔ خواہ یہ شفقت احسان ومروت کی شکل میں ہو یا عتاب وجلال کی صورت میں جلوہ گر یہ ہے تو سب کچھ ہے یہ نہیں تو کچھ نہیں۔

حضرت صدر الشریعۃ کی خدمت اقدس میں جب باریابی کا شرف حاصل ہوا تو استاد کامل کی شفقت وعنایت کے دونوں جلوے دیکھے اور جس نے

بارگاہِ امجدی سے جو کچھ پایا حق تو یہ ہے کہ انہیں جلووں کے تصدق پایا۔

صدر الشریعہ کی خصوصیت

حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کے درس و تدریس میں جو خصوصیت اس فقیر نے ہمیشہ دیکھی وہ یہ کہ طالب علم کیسا ہی لائق و فائق ہو جب ہونے والے سبق کی عبارت پڑھتا تو اس پر لازم تھا کہ وہ عربی عبارت کا بامحاورہ نہیں بلکہ لفظی اور بامعنی ترجمہ کرے بامحاورہ ترجمہ تو ہر ذہین طالب علم بلکہ متوسط فہم وصلاحیت رکھنے والا طالب علم بھی بآسانی کرسکتا ہے لیکن لفظی ترجمہ جو بامعنی ہو بے معنی اور مہمل نہ ہو پوری توجہ وانہماک کے بغیر محال نہیں تو مشکل تر ضرور ہے۔ لفظی ترجمہ ہی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ طالب علم نے بغور کتاب کا مطالعہ کیا یا نہیں۔ حضرت کو اس سلسلہ میں کسی طالب علم کی لاپرواہی گوارا نہ تھی۔ اس لئے کسی طالب علم میں یہ مجال نہ تھی کہ مطالعہ کئے بغیر، حضرت کے روبرو، قراءت کرسکے۔

حضرت والا کا یہ انداز، طالب علم کو طالب علم بنانے کا ایک اعلیٰ ذریعہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت اقدس کے تلامذہ میں واعظ ومقرر کم، مدرس و مفکر بکثرت پائے جاتے ہیں اور برصغیر پاک وہند کے مشہور مدارس میں غالباً معدودے چند ہی ایسے مدارس ہوں گے جہاں حضرت کے فیض یافتہ، بالواسطہ خواہ بلاواسطہ طور پر موجود نہ ہوں۔

قرأت و لفظی ترجمہ کے بعد باری آتی ہے، کتاب کے مضمون کی تقریر اور طالب علم کے اس مضمون کو ذہن نشین کرانے کا مرحلہ، حقیقت یہ ہے کہ یہ مرحلہ بڑا جاں کاہ مرحلہ ہے، طلبہ سبھی ذہین نہیں ہوتے غبی اور کودن بھی ہوتے

ہیں۔ لیکن کتاب کے مضمون کی ایسی دل نشین تقریر کہ ہر ذہن مطمئن ہو جاتا، حضرت کی خصوصیت خاصہ ہی کہی جا سکتی ہے۔ لیکن یہ خصوصیات ہر استاد میں ہونی چاہئیں۔ میں نہیں کہتا کہ اور اساتذہ کو یہ مقام میسر نہیں مگر یہ ضرور کہتا ہوں کہ:

ایں سعادت بہ زور بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

فقیر کے علم میں ایسے اکابر علماء ہیں جنہیں بلا شک استاذ العلماء کہا جائے اور بلا شبہ ان کی نظر کرم نے ہزاروں کو مسند علم کا جانشین بنا دیا لیکن ایسے بھی اساتذہ اب بھی ہیں جو مضمون کتاب کی تقریر میں اس قدر بسط و تفصیل و تشریح فرماتے ہیں کہ اصل مقصد کا تلاش کرنا، بالخصوص غبی طلبہ کو، ذہنی کاوش کا شکار کر دیتا ہے اور وہ پراگندہ خاطر ہو جاتے ہیں۔

کمال علم یہ ہے کہ اس بحر عمیق کی شناوری کرتے وقت ساحل مراد، نگاہوں سے کسی آن کسی لمحہ کسی وقت اوجھل نہ ہو ورنہ گوہر مقصود دستیاب ہونا بڑا مشکل ہے۔

خیر آباد کے طلبہ کی آمد

فقیر کو خوب یاد ہے کہ حضرت مولانا محمد بشیر صاحب رامپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دو شاگردوں کو خیر آبا شریف سے، دادوں ضلع علی گڑھ، حضرت کی خدمت میں خصوصیت سے بھیجا، فقیر ہی کی جماعت میں ان کی استدعا کے مطابق، ان دونوں کو داخل کر لیا گیا، صدرا کا سبق تھا اور ایک مشکل مقام، حضرت نے اندازہ فرما لیا کہ ان دونوں کی استعداد ابھی اتنی نہیں کہ یہ سبق آسانی سے ان کے ذہن نشیں ہو جائے، سبق کی ایسی دل پذیر اور آسان تقریر

فرمائی کہ ہم حیرت میں پڑ گئے، لیکن ان دونوں کے ذہن بھی ایسے روشن ہوئے کہ بے ساختہ سبحان اللہ، سبحان اللہ کا ورد سبق سے فارغ ہو کر ہم سبقوں میں کرتے رہے۔

درس کا عام انداز

فقیر جن ایام میں علم الصیغہ، ہدایۃ النحو، منیۃ المصلی، میزان، منطق، قلیوبی، وغیرہ کتابیں پڑھتا تھا، درس و تدریس سے واقفیت نہ تھی ہاں اتنا جانتا تھا کہ کسی کتاب کو پڑھانے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے مضامین کی تقریر ایسی شستہ اور آسان زبان میں ہو کہ ہر طالب علم کے دل میں اُتر جائے حضرت والا کا انداز درس کیا ہے، اس سے اب تک واقفیت نہ تھی، پہلی کتاب جس کے سبب حضرت والا کے قدموں تک رسائی ہوئی، ملا حسن تھی۔ دوسرے تیسرے روز ہی جب مباحث کا آغاز ہوا اور حضرت والا نے مضمون کتاب کی تقریر فرمائی تو بلا مبالغہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ٹھنڈے ٹھنڈے مشروب کے گھونٹ نیچے اُتر رہے ہیں اور پھر سر جھکا، آنکھیں جھکیں، دل جھکا اور جھکتا ہی چلا گیا۔

درس کا اعلیٰ انداز

اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ بھی سنتے چلئے، فقیر مدرسہ حافظیہ سعیدیہ میں زیر تعلیم تھا، طلبہ کی ایک نشست میں یہ ذکر چھڑ گیا کہ اکابر اساتذہ کرام میں انداز درس کس کا کیسا؟، اور طلبہ کیلئے زیادہ مفید ہے، بات پھیلی اور ہم طلبہ نے اپنی دانست میں ہندوستان (متحدہ) کے تمام گوشوں کو سمیٹ لیا اور دل کھول کر تبصرہ کیا، ہم صدر الشریعۃ کو اس مقام پر دکھانا چاہتے تھے کہ اونچے اونچے ٹوپیاں

تمام کر دیکھیں، اسی دوران ایک صاحب نے ہمارے ہی ایک عالی مقام، عالی وقار، عالی قدر بزرگ کا نام اسم گرامی پیش کیا اور انہیں تمام اساتذہ پر فوقیت دی اور دلیل یہ دی کہ ''ایک بار بیضاوی شریف کے درس میں صرف لفظ تحدی پر ایک ہفتہ تک سلسلۂ بیان کو جاری رکھا''۔ فقیر نے عرض کیا کہ ''یہ چونکہ طلبہ کی باہمی بحث ہے اس لئے اس میں کسی کی تنقیص یا توہین ہرگز مقصود نہیں، اس دلیل سے حضرت کی وسیع معلومات کا اندازہ تو ہوتا ہے لیکن درس و تدریس کے علو مقام کا پتہ نہیں چلتا، کتاب کے کسی ایک لفظ کے مختلف پہلوؤں پر مختلف عنوانات سے روشنی ڈالنا، حقیقۃً کمال درس نہیں، یہ فقیر بھی اپنی محدود قابلیت کے باوجود، مثلاً کافیہ کے بعض الفاظ پر بڑط بسط و تفصیل سے گفتگو کر سکتا ہے لیکن اس سے طلبہ کی سیرابی نہ ہوگی، ہاں میری قابلیت کے ضرور قائل ہوں گے، کسی بھی مسئلہ پر ایک ہفتہ تک تقریر جاری رکھنا درس کا کمال نہیں، خطاب کی معراج ہے اور یہاں سوال ہے درس میں اعلیٰ قابلیت کا''۔ یہ بات ان بزرگوار پر گراں گزری اور فقیر سے ناراض اور کبیدہ خاطر رہے، لیکن پندرہ دن بھی نہ گزرے تھے کہ حضرت صدر الشریعۃ رحمۃ اللہ علیہ کے گن گانے لگے اور فرمایا ''واقعی درس اسی کا نام ہے کہ کتاب کا مضمون تمام مالہ و ماعلیہا کے ساتھ طالب علم کے ذہن نشین ہو جائے اور یہ کمال حضرت صدر الشریعۃ ہی سے پوری مطابقت رکھتا ہے''۔

کراہت کا محبت سے بدل جانا

مولوی محمد زاہد صاحب جن کا رجحان قلب حضرت کے ہم عصر ایک اور صاحب کی جانب کچھ زیادہ بلکہ حد سے متجاوز تھا، ان کی جلالین شریف حضرت صدر الشریعۃ کے پاس رکھی گئی، سبق جب الم ذالک الکتاب لاریب فیه

پر پہنچا تو حضرت والا نے اللہ اعلم بمرادہ بذلک کا ترجمہ "اللہ اپنی مراد اس سے خوب جانتا ہے" فرمایا تو ان کا قلبی انقباض اور کراہت محبت اور وسعت وفراخی میں بدل گیا، ہفتوں اس ترجمہ کو دہراتے رہے اور مزے لوٹتے رہے۔

خوش اخلاقی

خوش اخلاقی ہر فرد انسان کیلئے، دوسروں کے دلوں کو جیتنے کا بہترین ہتھیار ہے۔ نہ کہ مسلمان، نہ کہ عالم دین۔ تقریبا نو سال کی مدت تک حضرت کی جوتیاں سیدھی کیں، لیکن اس طویل عرصہ میں بداخلاقی کی ایک بھی مثال اس فقیر گناہگار کی نگاہوں میں نہ گذری، حتیٰ کہ دورانِ درس طلبہ غلطیاں کرتے، اصلاح فرمادی جاتی، ضرورت ہوتی تو ڈانٹ ڈپٹ بھی کی جاتی مگر بداخلاقی یا بدمزاجی کا شائبہ بھی نہ ہوتا۔

درس میں انہماک

دوران درس اتنا انہماک ہوتا کہ دائیں بائیں بھی التفات نہ فرماتے۔ ہم میں کچھ شوخ اور پان کے شوقین طلبہ بھی تھے اور یہ لت بالخصوص میرے دوست قاری محبوب رضا خانصاحب بریلوی اور اس فقیر بے مایہ میں بھی تھی۔ اب قارئین وناظرین جو چاہیں کہہ لیں، درس جاری ہوتا اور ہم میں سے جس کی نشست حضرت کے قریب ہوتی وہ پانوں کی ڈبیہ، حضرت کے پاس سے اپنی طرف سرکالیتا، خود کھاتا اور آگے بڑھا دیتا، ہم اپنا شوق پورا کرتے اور پھر ڈبیہ اپنی جگہ پہنچ جاتی۔

بارہا ایسا بھی ہوا کہ ڈبیہ میں پان ختم ہو گئے اور جب ڈبیہ ہاتھ میں اٹھا

کر خالی پائی تو صرف یہ فرمایا ''اے فلاں آج پان نہیں ہیں گھر سے جا کر لے آؤ''۔

ردوہابیت

ردوہابیت میں شغف کے باوجود دوران درس کہیں وہابیہ کا رد نہ فرماتے، فقیر نے اتنی مدت میں صرف قاضی مبارک کے سبق کے دوران، جب کہ علم الٰہی کی بحث جاری تھی، اسماعیل دہلوی کے اس ناپاک قول کی تردید میں کہ ''غیب کی باتوں کا جان لینا اللہ ہی کے اختیار میں ہے'' الخ یہ فرمایا کہ ''احمق اللہ تعالیٰ کے علم کو بھی اختیاری مان رہا ہے گویا بالفعل وہ جاہل ہے علم نہیں رکھتا'' (معاذ اللہ) یہ یا اسی قسم کے الفاظ تھے جو بعینہٖ فقیر کو یاد نہیں۔

صدرالشریعۃ کے تلامذہ کی خصوصیات

یہ حضرت کا تصرف تھا اور ہے کہ ردوہابیت میں آپ کے تلامذہ کبھی کسی سے پیچھے نہ رہے اور اب بھی کہیں، کسی سے کم نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے تلامذہ کے تلامذہ میں وہ بھی ہیں جو ردوہابیت وغیرہا ضلالت میں، اپنی مخصوص فکر اور مخصوص انداز کی خود آپ اپنی مثال ہیں۔

پابندیٔ وقت

وقت کی قدر و قیمت کا اسقدر احساس تھا کہ حتی الامکان طلبہ کے اسباق کا ناغہ پسند نہ فرماتے۔ ناسازیٔ طبع کے باوجود، درس میں معروفیت کو اپنا بہترین مشغلہ جانتے، ہاں ہم طلبہ ہی متفقہ طور پر کوئی سازش کر لیتے تو یہ ہماری اپنی کوتاہی ہے۔

بدھ کو اسباق کا آغاز:

جہاں تک اس فقیر بے مایہ کی یادداشت کا تعلق ہے، میں کہہ سکتا ہوں کہ حضرت صدر الشریعہ اسباق کی ابتداء، بدھ کے روز فرماتے، اور یہی علمائے کرام کا معمول رہا ہے، اس سلسلہ میں ایک حدیث شریف کا حوالہ موجود ہے، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " ما من شی بدی فی یوم الاربعاء الا وقدتم" (جو کام بھی بدھ کے دن شروع کیا جائے وہ ضرور پورا ہوگا) بلکہ رسالہ تعلیم المتعلم میں فرمایا کہ وھکذا کان یفعل ابو حنیفۃ (امام اعظم ابوحنیفہ اسی طرح کیا کرتے تھے) پھر روایات میں آتا ہے کہ یوم الاربعاء یوم خلق فیہ النور (بدھ کا دن ایسا دن ہے جس میں نور کی پیدائش ہوئی) تو اس اعتبار سے بھی یہ دن اہل ایمان کیلئے مبارک ہے، اس دن سبق کا آغاز ہو تو انشاء اللہ نور علم میں زیادتی ہوگی اور وہ علم برکاتِ دارین کا موجب ہوگا۔

مقدارِ سبق

پھر دورانِ سبق اس بات کا خاص اہتمام بلکہ التزام فرماتے کہ سبق کی مقدار اتنی ہی رہے جو اقرب الی الفہم ہو اور بتدریج اس میں اضافہ فرماتے تاکہ طلبہ پر بار نہ ہو، اور ان کی طبیعت میں تکدر و ملال پیدا نہ ہو اور ضیاع وقت کا باعث نہ ہو، علمائے کرام کا ارشاد گرامی ہے حفظ حرفین خیر من سماع و قرین و فھم حرفی خیر من حفظ و قرین (دو حرف یاد کرنا دو گھڑیوں کے سننے سے بہتر ہے اور دو حرف سمجھنا دو گھڑیوں کے یاد کرنے سے بہتر ہے) فقیر دعویٰ سے کہہ سکتا ہے کہ یہ مقولہ ہمیشہ صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے

پیش نظر رہتا اور طلبہ کے لحاظ سے درس وتدریس اسباق اور افہام وتفہیم فرماتے۔ حضرت والا آخر حضرت مولینا ہدایت اللہ خان صاحب جونپوری رحمۃ اللہ علیہ، تلمیذ حضرت مولانا مفتی فضل حق خیر آبادی قدس سرہ کے شاگرد رشید اور ان کے فیوض وبرکات سے مالا مال تھے۔ یہ حقائق ان کی نظروں سے کیسے اوجھل رہ سکتے تھے۔

صدر الشریعۃ کی مدرسہ سعیدیہ میں آمد

مدرسہ حافظیہ سعیدیہ ریاست دادوں ضلع علی گڑھ کے واقف ومتولی نواب ابو بکر خانصاحب مرحوم کے بعد جب تولیت نواب حاجی غلام محمد خانصاحب شروانی کے حصہ میں آئی تو مدرسہ کے درودیوار سراپا اشتیاق بنے ایک عظیم شخصیت کے استقبال میں چشم براہ تھے۔ جن کے متعلق مدرسہ میں یقین ووثوق سے کہا جارہا تھا کہ وہ صدر المدرسین کی جگہ مدرسہ میں تشریف لا رہے ہیں، ہماری آنکھوں نے وہ دن دیکھ لیا اور چشم تصور آج بھی دیکھ رہی ہیں، حضرت صدر الشریعۃ بدر الطریقۃ مولانا شاہ محمد امجد علی صاحب قادری برکاتی رضوی نے مدرسہ حافظیہ سعیدیہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا۔ آپ یقین فرمائیں یہ معلوم ہوتا تھا کہ علوم شرعیہ کی تجلیاں درودیوار سے چھن چھن کر سینہ ودل کی گہرائیوں میں گھر کرتی چلی جارہی ہیں۔

حضرت صدر الشریعۃ کی سادگی

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کی سیرت کریم کے ابواب میں حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کی یہ روایت مشہور ہے کہ من راہ

بدیهة هابه و من خالطه محبة عشقه کہ ''جوشخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یکبارگی آ جاتا وہ ہیبت زدہ ہو جاتا اور جو کوئی پاس آ بیٹھتا وہ فدائی بن جاتا''۔ ہندوستان کے جید علمائے کرام، جن میں فقیر نے ان کمالات نبویہ کا پرتو پایا، ان میں حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی اپنی سادگی اور سادہ مزاجی کے باعث ایک خصوصی مقام رکھتا ہے، علم وفضل کا وہ عالم کہ دور دور تک جواب نہیں اور سادگی کا یہ حال کہ اپنا جواب آپ۔ نہ نام ونمود کی خواہش۔ نہ علم و فضل کی نمائش۔ اس کے باوجود جو دور سے دیکھتا، رعب علم سے مرعوب ہو جاتا اور جو حضرت کے قریب آ جاتا، گرویدہ بن جاتا۔ حضرت کی سادگی اس کا دل موہ لیتی۔ علم وعلماء کے فضل و برتری کا نقشہ اسکی آنکھوں میں کھنچ جاتا۔ اور سلف صالحین کی چلتی پھرتی تصویر اس کی نگاہوں میں پھر جاتی۔

علم وعمل کا سنگم

حضور سیدنا الغوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا کا ارشاد گرامی ہے کہ جو خود اپنے نفس کو تعلیم نہیں دے سکتا وہ دوسروں کو تعلیم دینے کی سعی نہ کرے۔ اس ارشاد گرامی کے پیش نظر، حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات مبارکہ علم وعمل کا وہ سراپا تھی، جن کے ہر عمل کو سند بنا کر پیش کیا جا سکتا ہے بلکہ پیش کیا گیا اور پیش کیا جاتا ہے۔

امام اہلسنت کا ارشاد

اعلحضرت امام اہلسنت قدس سرہ نے اس جوہر یکتا کو پرکھ کر ہی تو یہ ارشاد فرمایا۔

میرا امجد مجد کا پکا   اس سے بہت کچپاتے یہ ہیں

اور یہ بات بھی آپ نے حضرت صدر الشریعہ ہی کے باب میں ارشاد فرمائی کہ "فقہ جس چیز کا نام ہے وہ آپ مولوی امجد علی میں پائیں گے"۔ یہ بھی اپنے نفس کو تعلیم دینے ہی کی ایک حالت کا تجزیہ ہے۔

خلوص اور صدق نیت

ایک اور اہم بات جو آپ کے کمالات میں نمایاں حیثیت رکھتی تھی وہ ہے آپ کا خلوص و صدق نیت، کوشش فرمائی جاتی تھی کہ جو بات طلبہ سے کہی جا رہی ہے، وہ دل کی گہرائیوں میں سما جائے۔ اسی لئے حضرت والا کے تلامذہ نے حضرت کے طفیل عموماً درس و تدریس میں زیادہ نام پایا اور اسی شعبہ میں کہ خدمت دین کا اہم و اعظم شعبہ ہے، پوری لگن سے مشغول رہے اور جو باقی ہیں وہ مشغول ہیں۔

قوت خود اعتمادی

مدرس کو درس دیتے وقت اگر خود اپنے اوپر اعتماد نہ ہو، وہ دوسروں کو کیا اعتماد سے پڑھا سکتا ہے اور دوسرے اس سے پڑھ کر، اس سے کیا، فیضیاب ہو سکتے ہیں اور یہ وصف خود اعتمادی، حضرت صدر الشریعہ کی ذات والا صفات میں نہ صرف درس و تدریس کے وقت، بلکہ ہر محفل میں نمایاں نظر آتا ہے، لیکن نہ اس قدر کہ اسے غرور و تکبر سے تعبیر کیا جا سکے۔ سادگی اور سادہ مزاجی کیساتھ تکبر و استکبار کا اجتماع ہو ہی نہیں سکتا۔

تعمیل ارشاد

اپنی گوناگوں مصروفیات اور شامت اعمال کے باعث بیماری میں مبتلا ہونے کے باوجود ایک مضمون اس فقیر نے اس سے قبل لکھا جو ترجمان اہلسنت ماہنامہ کراچی، وغیرہ رسائل میں طبع ہو اور حضرت اقدس کے انداز درس و تدریس وسادگی پر یہ چند کلمات لکھے ہیں جو اس فقیر نے قلم برداشتہ، صاحبزادۂ والا قدر حضرت مولٰینا مفتی علاء المصطفٰی صاحب قادری کے حسب الحکم صفحۂ قرطاس پر ثبت کئے، مولائے کریم قبول فرمائے۔ قارئین فقیر کیلئے، حسن خاتمہ کی دعا فرمائیں۔ آمین بجاہ النبی الامی الامین آمین۔

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ ونور عرشہ سیدنا مولٰینا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم برحمتک یاارحم الراحمین۔

العبد محمد خلیل خاں القادری البرکاتی عفی عنہ۔

(۱۱ ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ ۱۴، اکتوبر ۱۹۷۹ء پنجشنبہ حیدرآباد۔ سندھ)

نواب ابوبکر خاں شروانی (مرحوم)

ذہن میں جب کبھی صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تصور آتا ہے تو مدرسہ حافظیہ سعیدیہ ریاست دادوں سے جدا نہیں ہوتا۔ اس دینی ادارے نے سینکڑوں فقہاء امت پیدا کئے جو آج بھی ہر گوشہ میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں اور ان کے ہزاروں تلامذہ بھی مصروف خدمت ہیں۔ اس مادر علمی سے سیراب ہونے والے خوب جانتے ہیں کہ اس مدرسہ کے واقف و متولی نواب ابوبکر خانصاحب مرحوم تھے آج کی اس مختصر گفتگو میں ہم نواب صاحب مرحوم سے متعلق سمعیات ذکر کر رہے ہیں۔

نواب صاحب اپنے دور کے اولیاء دوست بلند کردار خوب سیرت، خوش اخلاق وخوش گفتار ملنسار تھے، اولیاء وعلماء کی محبت نے انہیں بھی ولی بنا دیا۔ دینی طلبہ کی جو خدمت انہوں نے کی اس کی مثال آج ملنا مشکل ہے۔ مدرسہ میں زیر تعلیم طلبہ کیلئے بہترین کھانے کا انتظام اس کا مظہر ہے، طلبہ کیلئے اعلیٰ طعام وقیام کا انتظام تھا۔ اور کسی قسم کی کوئی تکلیف انہیں گوارہ نہ تھی۔ دادوں کے ایک باشندہ جناب امین الحق شروانی کا بیان ہے کہ اگر کلکٹر یا ڈپٹی کلکٹران سے ملنے آتا تو اپنی آمد کی اطلاع اندر بھجوا دیتا اور نواب صاحب کھانے یا آرام میں مصروف ہوتے تو اسے مہمان خانہ میں انتظار کرنا پڑتا تھا۔ لیکن اگر کوئی طالب علم اس وقت پہنچ جاتا تو اسے فوراً اندر بلا کر کھانے میں شریک کرتے اور اسکی حاجت سنتے تھے۔

ریاست کا ہر شخص خواہ اسکا کوئی بھی مذہب ہو، نواب صاحب کا بے حد احترام کرتا تھا۔ انگریز نے بھی نواب ابو بکر خانصاحب کی عظمت کا اعتراف کیا تھا۔ چنانچہ ایک انگریز نے اس کا اعتراف اپنے الفاظ میں اسطرح کیا۔

''ہندوستان میں ہم نے جس نواب یا رئیس کو کوئی پیشکش کی اس نے مان لیا لیکن دادوں کے نواب ابو بکر خانصاحب نے ہر طرح کی مراعات لینے سے انکار کر دیا''۔

عبدالروٴف خان شیروانی مرحوم

مشہور نواب احمد سعید خاں مرحوم کے چھوٹے بھائی عبدالروٴف خان مرحوم تھے جو انگریزی حکومت میں نائب تحصیلداری کے عہدے پر مقرر ہوئے مگر تھوڑے دن کام کرنے کے بعد استعفیٰ دیدیا موصوف کی پہلی شادی شیروانی خاندان کنوبی میں ہوئی اوران اہلیہ کے بطن سے ایک فرزند مولوی حاجی محمد جان خان صاحب شیروانی ایک صاحبزادی چھوڑ کر جوان عمری میں یعنی کل ۳۴ سال کی عمر میں جون ۱۸۹۷ء میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے موصوف کی پہلی اہلیہ کا انتقال اُن کی حیات میں ۱۸۹۴ء میں ہو گیا دوسرا نکاح بھی موضع ڈھولن میں پہلی منکوحہ کی حقیقی بھانجی سے کیا مگر ان خاتون سے کوئی اولاد نہیں ہوئی آپ بہت سیدھے سادھے مسلمان تھے احمد سعید خان مرحوم کے انتقال کے بعد ہادی یار خانصاحب کا ترکہ ورثاء میں باہمی مشورہ اور رضا مندی کیساتھ تقسیم ہو گیا تقسیم کیوقت مشترکہ ریاست کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ روپے سے زائد تھی علی گڑھ ضلع کا علاقہ احمد سعید خان مرحوم کے بڑے صاحبزادہ نواب ابو بکر خان مرحوم کو ملا۔ مواضعات دادوں اور انکرہ اور موہن پور ضلع ایٹہ کا علاقہ حاجی غلام محمد خان

مرحوم کے حصے میں آیا اور دونوں اضلاع میں بڑے موضع لہر ضلع علی گڑھ کا ترکہ مولوی حاجی محمد جان خانصاحب کو ملا۔ چند موضعات یعنی برولی حبیب پور، بٹہ، ارن مونچنا، ہادی یار خان صاحب مرحوم کی صاحبزادی کو ملے جنکی شادی قصبہ برلہ کے رئیس حاجی محمد اسحاق خانصاحب شیروانی بہ تخلص مائل مرحوم کیساتھ ہوئی ہادی یار خان صاحب شیروانی مرحوم کی دوسری بیوہ کو چند دیہات ملے جو مرحومہ نے مع شہر علی گڑھ کی سکنہ جائداد کے، اپنے انتقال سے قبل مدرسہ عربیہ دادوں اور کار خیر کے واسطے وقف فی سبیل اللہ کردیئے۔ اور نواب ابوبکر خان مرحوم اس وقت کیلئے متولی مقرر ہوئے ان پاک بی بی کا نام عائشہ خاتون عرف سکھ بدن تھا۔

نواب ابوبکر خانصاحب مرحوم شیروانی

نواب صاحب مرحوم نے ابتدائی عربی فارسی اردو تعلیم گھر پر مقامی مولوی صاحبان سے پائی اس کے بعد انگریزی کی تعلیم کالجیٹ اسکول میں درجہ دوئم (حال درجہ نہم) تک پائی آخر میں انگریز ماریسن ان دونوں بھائیوں کو اپنی ایف اے کی انگریزی کلاس میں بھی رکھنے لے گیا تھا آپ کی پہلی شادی مولوی حاجی محمد جان خان کی ہمشیرہ کے ساتھ ہوئی تھی مگر ان کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی اور جوان عمری میں انتقال کر گئیں۔ ان کے بعد دوسری شادی اپنی پھوپھی کی صاحبزادی یعنی (حاجی محمد اسحاق خان صاحب مائل برلوی کی صاحبزادی) کے ساتھ ہوئی ان سے ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں نواب ابوبکر خانصاحب خاندانی نواب واقع ہوئے تھے اپنی خاندانی روایتوں اور رواج کے مطابق بڑے مخیّر تھے داد و دہش میں مشہور اور اپنے دادا صاحب مرحوم کی طرح شاہ

خرچ تھے اوائل عمری میں کورٹ آف واڈس کے زمانہ میں سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ خلیق متواضع عمائد میں پیش پیش اور حکام بالا میں بہت با اثر تھے خان بہادر اور مجسٹریٹ ہوئے شکار کے بہت شائق تھے اپنی شکار گاہ موضع سانکرہ میں جو دریائے گنگا کے قریب ہے جس کا پرانا نام گنگا شنکر پور تھا اور جہاں بدھ کے زمانہ کی پرانی یادگاریں کھنڈرات کی صورت میں اب بھی موجود ہیں۔ ایک ٹیلہ پر ایک خوبصورت کوٹھی تعمیر کرائی جس کا کتبہ ہمیشہ موصوف کے نام کی یاد دلاتا رہیگا۔ نواب صاحب مرحوم کے زمانہ میں بلکہ اس کے بعد بھی وہاں کے حکام ضلع اور خاندانی احباب جو شکار کے شائق ہیں اس پر فضا مقام پر قیام کرتے ہیں اور زندگی کا لطف اٹھاتے ہیں نواب ابوبکر خانصاحب مرحوم نے دادوں میں ایک جیم خانہ قائم کیا جس میں خاندان شیروانی اور دیگر شہ سوار گھوڑا سواری کی مشق کرتے تھے۔ اور نیزہ بازی کے کرتب دکھاتے تھے۔ اسی طرح موصوف نے دادوں مدرسہ عربیہ کے طالب علموں کیلئے فٹ بال کلب قائم کیا جس کے کلی اخراجات آپ خود برداشت کرتے تھے اور اس کھیل کیلئے طلبہ کو باہر بھی بھیجتے تھے موصوف کے حلقہ احباب میں مسلمان ہندو عیسائی سب ہی تھی جو آج ان کیلئے اکثر آنسو بہاتے ہیں۔ ولیم میرس اور بارکورٹ ٹیلر گورنران صوبہ شکار کے سلسلہ میں سانکرہ میں نواب صاحب مرحوم کے مہمان رہے ولیم میرس ہی نے موصوف کو نواب کا خطاب دیا اور ادر اپنی گورنری کے زمانہ میں نواب صاحب مرحوم کو مدعو کیا موصوف نے اپنی جائداد کو وقف علی الاولاد کیا مگر اس میں کافی حصہ مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں کے واسطے بھی چھوڑا اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے اوقاف اپنے ملازمین تک کے واسطے چھوڑے۔ موصوف نے اپنی دوسری اہلیہ سے ایک

صاحبزادی چھوڑی جنکی شادی مولوی محمد جان خان صاحب کے بڑے صاحبزادے احمد رؤف خان عرف آبادمیاں کے ساتھ ہوئی۔ احمد روف خان نے اس جائداد کے تبادلہ میں پاکستان میں جائداد حاصل کی اور یہاں منتقل ہو گئے۔ نواب صاحب مرحوم کے بعد وقف مدرسہ دادوں کے متولی آپکے چھوٹے بھائی حاجی غلام محمد خان صاحب ہوئے نواب صاحب موصوف نے ایک طویل علالت کے بعد رمضان ۱۹۳۵ء میں عین افطار کے وقت قبل نماز مغرب خاندان شیروانی کو داغ مفارقت دیا۔

ریاست دادوں کے ایک دوکاندار کا بیان ہے کہ نواب ابوبکر خاں کے انتقال کے بعد ان کا مزار جس جگہ تعمیر کیا گیا وہ عام شاہراہ کے بالکل قریب ہے۔ اور ہر شخص آتے جاتے نواب صاحب کے مزار پر سلام کہتا ہوا گزرتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک سکھ ٹرک میں کچھ سرکاری سامان لیکر وہاں سے گذرا، مزار کے بالکل سامنے آ کر اس کا ٹرک بند ہو گیا بہت کوشش کی لیکن انجن نے کام نہ کیا اتنے میں کاچھی قوم کا ایک ہندو سر پر ایک گٹھر لئے وہاں آیا۔ ٹرک دیکھ کر بولا سردار جی کیا بات ہے؟ سکھ نے جواب میں اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔ ہندو نے بے ساختہ پوچھا سردار جی نواب صاحب کو سلام کیا تھا، سکھ اکڑ کر بولا اوئے کیا بکتا ہے، کونسا نواب؟ ہندو نے کہا جب تک نواب صاحب کے مزار پر سلام نہیں کہیگا۔ سو سال تک تیرا ٹرک نہیں چلے گا۔ تو نے ان کی شان میں گستاخی کی ہے اب تو تیرے اوپر نیاز بھی واجب ہو گئی ہے یہ کہہ کر ہندو چلتا بنا۔ سکھ نے پریشانی کے عالم میں کئی گھنٹے گذار دیئے بالآخر مجبور ہو کر پیدل شہر گیا اور وہاں سے شیرینی لی ایک فقیر کو ساتھ لایا جیسے ہی فقیر نے فاتحہ پڑھی سکھ کا ٹرک اسٹارٹ ہو

گیا۔ سکھ نے ہاتھرس پہنچ کر یہ سارا واقعہ سنایا تو اس کے افسر نے کہا ''بیوقوف نواب صاحب کو کون نہیں جانتا ان کی ہستی تو بہت عظیم ہے''۔

سخاوت و بخشش تو نواب صاحب کے مزاج میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ نواب صاحب کا ایک خاص خادم جس کا نام رحمت اللہ تھا۔ رحمت اللہ کا جسم بہت لحیم و شحیم اور خوب چوڑا چکا تھا۔ بلا مبالغہ ان کے بدن کا عرض تین فٹ سے کم نہ ہوگا اگر رحمت اللہ کو گوشت کا پہاڑ کہا جائے تو بے جا نہیں۔ مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں کے ایک سابق طالب علم (مفتی اعظم سندھ علامہ مفتی محمد خلیل خاں برکاتی علیہ الرحمتہ) نے نواب صاحب کے انتقال کے بعد رحمت اللہ سے کہا کہ بھئی نواب صاحب کا کوئی واقعہ سناؤ رحمت اللہ نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور بولا ارے میاں کیا سناؤں یہ کہہ کر رونے لگا پھر اس نے اپنا ایک واقعہ سنایا ''میاں نواب صاحب کو اپنے نوکروں سے بہت محبت تھی جب کسی نوکر کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی وہ کوئی ایسا کام کرتا کہ نواب صاحب سے ڈانٹ کھائے یا پٹے تو سمجھو کہ اس کا کام بن گیا، رحمت اللہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنی لڑکی کی شادی کی تاریخ طے کرلی دوسو روپے کی ضرورت تھی ایک پیسہ نہیں تھا مگر امید تھی کہ نواب صاحب کا کوئی کام بگاڑوں گا تو پیسہ مل جائیگا۔ بس ذرا موقع کی تلاش میں تھا ایک روز نواب صاحب نے پینے کیلئے پانی مانگا میں نے دل میں کہا کہ ہاں آج موقع ہے، طشتری میں پانی کا گلاس لیکر سامنے پہنچا، ابھی نواب صاحب نے گلاس ہاتھ میں اٹھایا نہیں تھا کہ میں نے طشتری پیچھے کھینچ لی، پورا گلاس نواب صاحب کے کپڑوں پر جا پڑا اور کپڑے بھیگ گئے، نواب صاحب اپنی پیاس تو بھول گئے بس غصہ میں مکے جڑنا شروع کردیئے، گھونسہ ایسے اٹھاتے جیسے دم ہی

تو نکال دیں گے مگر بدن پر اتنے آہستہ رکھتے کہ جیسے پھول کو گلدان میں رکھ دیا
میں چیخا کہ نواب صاحب مر گیا، مر گیا نواب صاحب بولے ابے نواب صاحب
مر گیا کہ تو مر گیا۔ جب خوب مار چکے تو حکم دیا نکل جاؤ گھر سے اور نوکروں کو حکم
دیا اس بدتمیز کا سارا سامان نکال کر باہر پھینکدو، نوکر خوب جانتے تھے انہوں نے
بستر وغیرہ باندھ کر کونے میں رکھ دیا اور کہہ دیا کہ حضور حکم کی تعمیل کر دی گئی۔ اب
رحمت اللہ اٹھے اور کراہتے لنگڑاتے چلتے گرتے پڑتے گڑھی سے باہر نکل گئے
جہاں سے نواب صاحب کے محل کی حد شروع ہوتی تھی وہ جگہ گڑھی کہلاتی تھی۔
رحمت اللہ گڑھی سے باہر نکلتے ہی ٹھیک ٹھاک چلتا ہوا گھر پہنچ گیا۔ ایک ہفتہ بعد
نواب صاحب کو خیال آیا، پوچھا ارے بھائی کچھ رحمت اللہ کا حال بھی معلوم
ہے؟ نوکروں سے رحمت اللہ پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ بھائی یہ معاملہ ہے۔ چنانچہ
نوکروں نے جواب دیا کہ حضور حال تو ابھی ٹھیک نہیں ہے بس بے چارہ بستر پر
پڑا ہوا ہے نواب صاحب کو بہت افسوس ہوا کہا ارے بھائی کیا کریں ہمیں غصہ آ
گیا اور ہم نے مار دیا، اچھا یہ پچاس روپے لو اور رحمت اللہ کو دے آؤ، پیسے رحمت
اللہ کو مل گئے مگر ابھی تو ڈیڑھ سو کم تھے۔ چنانچہ گھر میں آرام کرتا رہا تین دن بعد
نواب صاحب نے پھر معلوم کیا، نوکروں نے کہا حضور ابھی تو پڑا ہوا ہے پچاس
روپیہ اور بھجوائے اور کہلوایا کہ اگر آ سکتا ہو تو ہم سے آ کر مل لے۔ رحمت اللہ کو تو
اسی کا انتظار تھا۔ فوراً تیار ہو کر چلا آیا۔ ہاتھ میں ایک لاٹھی لے لی، جب گڑھی پر
پہنچا تو کراہنا شروع کر دیا ہائے ہائے کرتا لاٹھی کے سہارے اندر داخل ہوا نواب
صاحب دور سے دیکھ رہے ہیں کہ رحمت اللہ آ رہا ہے۔ سامنے پہنچ کر سلام کیا
نواب صاحب نے پوچھا ارے بھئی کیا حال ہے؟ بس حضور جی رہا ہوں آپ کا

کرم چاہئے خدا کا شکر ہے ہائے ہائے کی کراہ جاری ہے نواب صاحب نے فوراً مزید سو روپیہ نکال کر دیئے اور کہا خوب علاج کراؤ اور کھانا پینا۔ اب کب سے آؤ گے؟ رحمت اللہ نے کہا بس حضور اب تو لڑکی کی شادی کر کے ہی آؤنگا۔ اچھا شادی کب ہے؟ حضور پچھلے ہفتے تھی مگر طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے دیر ہوگئی اب دس دن بعد ارادہ ہے۔ نواب صاحب نے کہا اچھا جاؤ ایک ماہ اور آرام کرو اور ہاں یہ پچاس روپیہ لو بچی کیلئے ہماری طرف سے ہیں۔ رحمت اللہ کو دو سو کی ضرورت تھی ڈھائی سو مل گئے۔ یہی نہیں بلکہ نواب صاحب کا کوئی بھی ملازم اگر بیمار ہو جاتا تو اس کیلئے چھ ماہ تک چھٹری جاتی تھی اور دودھ کے پیسے اس کے علاوہ تھے۔

ملازموں کی تربیت

ایک بار نواب ابوبکر خانصاحب جب سالانہ پروگرام کے مطابق گرمی گزارنے شملہ پہنچے تو انگریز کلکٹر ملنے آیا۔ باتوں باتوں میں نواب صاحب نے اس سے کہا کہ میرے نوکر اشاروں میں کام کرتے ہیں۔ انگریز کو یقین نہیں آیا۔ چنانچہ اس نے امتحان کیلئے نواب صاحب سے کہا کہ آپ اپنے نوکر سے اشارے میں کہہ کر اوورکوٹ منگوائیں۔ سخت گرمی کا موسم تھا، نواب صاحب نے رحمت اللہ کو آوازی دی اور دونوں ہاتھ پہلوؤں میں پھیلا کر اشارہ کیا، رحمت اللہ سخت حیران کہ یا تو میرا دماغ خراب ہو گیا ہے کہ میں بات کو سمجھ نہیں پا رہا اور یا نواب صاحب کا دماغ خراب ہو گیا ہے جو اس سڑی گرمی میں اوورکوٹ منگوا رہے ہیں، چپ چاپ بیٹھا رہا۔ نواب صاحب نے پھر آواز لگائی، رحمت اللہ

گھبرا گیا کہ آج تو ضرور شامت آئی ہے، چلو بھئی اوورکوٹ لیکر ڈانٹ پڑے گی تو پڑ جائیگی۔ چنانچہ اوورکوٹ لیکر پہنچ گیا کلکٹر حیران رہ گیا اور بہت تعریف کی۔ اورنواب صاحب خوشی سے دوہرے ہو گئے اور رحمت اللہ کو انعام سے نوازا۔

لوکی کا نیلام

جس طرح نواب صاحب اپنی سخاوت و بخشش میں مشہور تھے اسی طرح ان کے ملازم بھی ان کی شہرت کا خیال رکھتے تھے ایک بار علاج کے سلسلہ میں بمبئی گئے ان کا خاص باورچی حبیب ان کیساتھ تھا۔ نواب صاحب اسے پیار سے جبی کہتے تھے، ڈاکٹر نے کھانے میں لوکی بتائی چنانچہ باورچی لوکی خریدنے بازار پہنچا، اتفاق سے پورے بازار میں صرف ایک دکان پر لوکی تھی۔ اور لوکی خریدنے کیلئے کسی انگریز کا ملازم بھی آیا ہوا تھا۔ اس ملازم نے پوچھا کہ لوکی کتنے کی ہے دکاندار نے کہا چار آنے کی جبی نے کہا مجھ سے آٹھ آنے لو مجھے دے دو۔ ملازم نے کہا ایک روپیہ۔ جبی نے کہا دو روپیہ، اس نے کہا پانچ روپیہ جبی نے کہا دس روپیہ، بڑھتے بڑھتے انگریز کا ملازم ساٹھ روپیہ پر آیا تو جبی نے ستر روپیہ لگا کر وہ لوکی خرید لی، انگریز ساٹھ سے آگے نہیں بڑھا۔ لوکی آئی پکی اور نواب صاحب نے کھالی، شام کو حساب کا چٹھا نواب صاحب کے سامنے پہنچا۔ دیکھا تو لکھا ہے سبزی ستر روپیہ دوبارہ پڑھا بہت غصہ آیا کہ نوکر ہمیں بے وقوف بناتے ہیں آواز دی جبی! جی حضور بھئی یہ لوکی ستر روپیہ کی لکھی ہے کہا جی حضور پوچھا کیسے؟ جبی نے سارا واقعہ سنایا اور کہا حضور میں نہیں چاہتا تھا کہ لوگ کہیں کہ آج ایک انگریز کا ملازم نواب صاحب سے بڑھ گیا، نواب صاحب بہت خوش ہوئے اور کہا اگر سو روپیہ کی بھی ملتی تو کوئی پرواہ نہ ہوتی۔ پھر اسے انعام

دیا۔ یہ اس دور کی بات ہے جب ایک کلکٹر کی تنخواہ 20 روپیہ ہوتی تھی۔ مفتی محمد خلیل خانصاحب برکاتی مدظلہ کے جدامجد محمد یعقوب خان مرحوم نواب ابوبکر کے ہاں منشی تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نواب صاحب نے ایک نوکر بھیجا کہ سب سے اچھا چاول لے آؤ وہ گیا اور سب سے عمدہ چاول لے آیا پوچھا کیا سیر ہے؟ کہا حضور ایک روپیہ سیر، نواب صاحب نے کہا ابے بے وقوف اس سے اچھا لیکر آ۔ وہ گیا اور اس سے عمدہ چاول لیکر آیا اس زمانہ میں سب سے اچھا چاول ہنس راج کے نام سے ملتا تھا جو بلا مبالغہ پکنے کے بعد آدھا انچ موٹا ہو جاتا تھا۔ نوکر وہی لیکر آیا پوچھا کیا سیر ہے؟ کہا حضور ڈیڑھ روپیہ سیر، نواب صاحب نے کہا ابے احمق یہ چاول ہمارے کھانے کے لائق ہے سب نالائق ہو گئے ہو۔ پھر یعقوب خانصاحب سے کہا کہ منشی جی آپ ہی جا کر لائیں، منشی صاحب گئے اور وہی چاول لے آئے، پوچھا کیا بھاؤ، کہا حضور ساڑھے تین روپیہ سیر ہے نواب صاحب نے دیکھا بہت خوش ہوئے اور کہا دیکھو یہ بھی تو چاول ہے۔

دوسرے دن اسی نوکر نے جو نیا بھرتی ہوا تھا نواب صاحب سے شکایت کی کہ حضور جو چاول منشی جی لائے ہیں وہ وہی چاول ہے جو میں لایا تھا۔ منشی جی نے پیسے زیادہ لئے ہیں نواب صاحب کو غصہ آ گیا اور فرمایا ابے کیا تو ہمیں بیوقوف سمجھتا ہے؟ ہمیں نہیں معلوم کہ وہی چاول ہیں؟ ابے ہم لوگ اس طرح اپنے ملازمین کی پرورش کرتے ہیں، مگر تیرا چغلی لگانا ہمیں پسند نہ آیا۔ تو اسی وقت اپنا حساب کر اور چلتا بن۔ نواب صاحب نے اس خادم کو کثیر رقم دیکر فارغ کر دیا۔

امیر اہلسنت

ابوالفضل حضرت علامہ مولانا محمد سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنے مقبول بندوں کی ایک علامت یوں بیان فرمائی ہے

"بے شک وہ لوگ جو اللہ کی ربوبیت کا اقرار کر لیتے ہیں پھر اس پر ثابت قدمی سے قائم رہتے ہیں انہیں کسی قسم کا خوف اور غم نہیں ہوتا"

درج ذیل سطور میں جس شخصیت کا تذکرہ ہے وہ اس ارشاد خداوندی کی زندہ تفسیر تھے۔ مقدس بچپن سے، مبارک وصال تک، حق وصداقت کا پیکر تھے، جنہیں قدم قدم پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا مگر پائے استقلال میں ذرہ بھر لغزش نہ آنے دی۔

نورانی صورت، مسکراتا ہوا چہرہ، دلنواز تبسم، عمامہ کی سج دھج، صاف ستھرا لباس، باوقار نشست، مربیانہ انداز عتاب، پُر جلال آواز، عشق میں ڈوبی ہوئی تقریریں، روح کو تڑپا دینے والی نصیحتیں، دل میں اُتر جانے والی باتیں، نگاہوں میں شفقتیں۔ اتنے بہت سے اوصاف ایک ہی شخصیت میں نظر آ رہے ہیں۔ یہ کون ہیں؟

یہ وہی ہیں جو مدرسہ میں شیخ الحدیث، مسند طریقت پر مرشد کامل، اور منبر پر آتش بیان واعظ ہیں۔ جو رضویوں کے دولہا ہیں، مظہر اعلیٰ حضرت اور

نائب صدر الشریعہ ہیں۔ محدث اعظم پاکستان ہیں۔ حجۃ الاسلام (حضرت مولانا حامد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۶۲ھ) کی نظر ولایت نے جنہیں منتخب فرمایا، صدر الشریعہ (حضرت مولانا امجد علی رحمۃ اللہ علیہ مصنف بہار شریعت متوفی ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) نے جنہیں پروان چڑھایا، مفتی اعظم ہند (حضرت مولانا مفتی محمد مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۴۰۲) نے جنہیں فتویٰ نویسی سکھائی، جو اپنوں کیلئے نرم اور غیروں کیلئے گرم ہیں، خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مقدس شہر میں جن کے علوم کی تکمیل ہوئی۔

رب العزت جل وعلا کی فیاض قدرت بعض افراد کو بڑے حسن اہتمام سے نوازتی ہے۔ اور حسن ظاہری کے ساتھ، حسن باطنی میں بھی اصحاب علم ونظر کیلئے رشک کا باعث بنا دیتی ہے۔ بعض خوش نصیب ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی صورت وسیرت کو اللہ تعالیٰ علم وفن اور تقویٰ کے زیورات سے سجا کر منفرد اور ممتاز بنا دیتا ہے۔ اور پھر ان کے سپرد کچھ خدمات کر دی جاتی ہیں جن کی انجام دہی اور بجا آوری کے بعد ان میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت ابوالفضل، علامہ محمد سردار احمد صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ بھی ایسے ہی خوش نصیب اشخاص سے ہیں۔

ولادت وابتدائی تعلیم

ضلع گورداسپور کے قصبہ دیال گڑھ میں ۱۳۲۲ھج/۱۹۰۴ء کو علم وفضل کا یہ آفتاب جلوہ گر ہوا۔ آپ کے والد چوہدری میراں بخش اپنے علاقہ کے ممتاز زمیندار اور پرہیزگار شخص تھے آپ کو بزرگان دین سے خاص عقیدت وتعلق تھا۔

حضرت شیخ الحدیث نے ابتدائی تعلیم دیال گڑھ میں حاصل کی۔
۱۹۴۲ء میں اسلامیہ ہائی اسکول بٹالہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا جس کے بعد ایف اے میں داخلہ کی غرض سے لاہور تشریف لے گئے۔ابھی پہلا سال ہی تھا کہ انجمن حزب الاحناف لاہور کے شاندار اجلاس منعقد ہوئے جس میں دیگر مقتدر علماء کے علاوہ امام اہلسنت کے بڑے شہزادے حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد حامد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ بھی شریک ہوئے۔

دل کی دنیا میں انقلاب

جس وقت حضرت صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے جلسہ میں حضرت حجۃ الاسلام کا شاندار تعارف کرایا، تو اس تعارف کا ایک ایک لفظ ایف اے کے اس نوجوان طالب علم کے قلب وجگر میں اُترتا چلا گیا اور جب حضرت حجۃ الاسلام کی زیارت کی تو دل کی دنیا ہی بدل گئی۔ انگریزی تعلیم کی ساری رنگینی اور چاشنی کافور ہوگئی، مذہبی تعلیم کا ایسا جذبہ ابھرا کہ جلسہ ختم ہوتے ہی آپ کے ہمراہ جائے قیام آستانہ عالیہ حضرت مخدوم شاہ محمد غوث علیہ الرحمۃ پر حاضر ہوئے حضرت حجۃ الاسلام نگاہ ولایت سے سمجھ گئے کہ یہ نوجوان اپنے وقت کا سراج الامت ہوگا، چنانچہ ان کی درخواست پر آپ کو اپنے ساتھ بریلی شریف لے گئے۔

حجۃ الاسلام کی خصوصی توجہ

بریلی شریف میں عموماً طلبہ کا قیام مساجد میں تھا مگر حضرت نے انہیں اپنے دولتکدہ پر رکھا منیۃ المصلی اور قدوری تک خود کتابیں پڑھائیں، اسی

دوران شہزادہ اعلحضرت مفتی اعظم اور قطب ہند رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسباق پڑھنے کا شرف حاصل ہوا اور صرف ونحو کی ابتدائی کتب مولانا محمد حسین صاحب سے پڑھیں۔ شرح جامی حضرت مفتی اعظم سے پڑھیں۔

حضرت صدرالشریعۃ کی خدمت میں

یہ وہ زمانہ تھا کہ مولانا امجد علی صاحب قدس سرہ اجمیر مقدس میں مدرسہ معینیہ عثمانیہ میں صدر المدرسین تھے اور حضرت کی تدریس کا شہرہ ہند کے چاروں گوشوں میں تھا، خود خاندان رضویت کے بعض افراد اجمیر شریف تعلیم کیلئے جارہے تھے۔ چنانچہ آپ بھی ہر دو شہزادگان سے اجازت لیکر اجمیر وارد ہوئے۔ اور سلطان الہند خواجہ غریب نواز کی خدمت میں جا کر خود بھی بحر العلوم ہو گئے، تین سال بریلی اور آٹھ سال تک اجمیر مقدس میں علم کی تکمیل کے بعد، صدرالشریعۃ نے آپ کو دوبارہ بریلی شریف ہی روانہ کیا۔

مفتی اعظم ہند کے منظور نظر

چنانچہ بریلی آنے کے بعد حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے دارالعلوم منظر اسلام میں تدریس شروع فرمائی اور ساتھ ہی حضرت مفتی اعظم ہند کے پاس افتاء کا کام شروع کر دیا۔ فتویٰ نویسی اور رد مرتدین، آپ کو حضور مفتی اعظم کی نگرانی میں حاصل ہوئے، خالی وقت میں آپ اعلحضرت قدس سرہ کے رسائل اور فتاویٰ دیکھا کرتے۔ جس شخص نے حزب الاحناف کے اجلاس کے بعد عربی شروع کی تھی وہ بہت قلیل مدت میں منظر اسلام کا ایک بڑا اور قابل مدرس ہے، رضوی دالافتاء کا ایک ممتاز مفتی ہے، منبر وعظ پر ایک خوش بیان واعظ ہے تو

میدان مناظرہ میں ایک ماہر مناظر ہے، حضرت مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ تھوڑی مدت میں اس منصب پر فائز ہو گئے، جہاں لوگ بڑی کوشش سے بیس اور پچیس سال میں پہنچ پاتے ہیں۔ آپ نے منظر اسلام میں پانچ سال تک تشنگان علوم کو سیراب فرمایا اور منتہی کتابیں بھی پڑھائیں جن میں شرح عقائد، خیالی، امور عامہ، حمد اللہ، قاضی مبارک، صدرا، اور ہدایہ اخیرین قابل ذکر ہیں۔

منصب ''شیخ الحدیث'' پر فائز ہونا

۱۳۵۶ھ میں جب بریلی میں دار العلوم کا قیام عمل میں آیا اور حضرت شیخ الحدیث اور مولانا عبد العزیز خان بجنوری کیساتھ سو طلبہ بھی اس مدرسہ میں آگئے، تو صدر الشریعۃ قدس سرہ کے اصرار پر حضرت مفتی اعظم ہند نے اس دار العلوم کی سرپرستی فرمائی، اور کئی سال تک اپنے پاس سے تنخواہ ادا کی جس کی وجہ سے آپ ہزاروں کے مقروض ہو گئے۔ یہیں مولانا سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث کے جلیل القدر منصب پر فائز ہوئے اور اعلیحضرت کے خصوصی فیض سے ''شیخ الحدیث'' کا لقب آپ کے نام کا جز بن گیا اس مدرسہ میں آپ نے گیارہ سال تک تدریس فرمائی۔

میدان مناظرہ میں

۱۳۵۴ھ میں آپ کا دیوبندیوں کے مایۂ ناز مناظر منظور سنبھلی سے اکبری جامع مسجد کہنہ بریلی میں زبردست مناظرہ ہوا یہ مناظرہ چار دن تک جاری رہا، آخر کار منظور سنبھلی لاجواب اور بدحواس ہو کر میدان سے بھاگ نکلا، اس حقانیت افروز کامیابی کے بعد اکثر بدعقیدہ افراد نے بدعقیدگی سے توبہ کی اور

حلقۂ رضویت میں داخل ہوئے حضرت صدرالشریعۃ نے ایک جشن میں آپ کی دستار بندی فرمائی، حضرت حجۃ الاسلام نے بدایوں میں فرمایا ''قد ند منظور'' اور ''قد دن منظور'' (بھاگا منظور۔ منظور کا بھانڈا پھوٹ گیا)۔ ان دونوں جملوں سے تاریخ مناظرہ ۱۳۵۴ھ نکلتی ہے۔ حضرت مفتی اعظم نے علیگڑھ سے مبارکباد کے دوتار بھیجے اور بریلی تشریف لانے کے بعد ایک خاص جلسہ میں دستار فضیلت عطا فرمائی اور اسی موقع پر۔ آپ کو''تاج الفتح'' پہنایا گیا۔

۱۳۶۶ھ میں، احمد آباد میں سلطان احمد سنبھلی نے مسئلہ علم غیب پر مناظرہ کا چیلنج دیا مگر خود پہلے ہی بھاگ گیا، اور حضرت شیخ الحدیث نے وہاں جا کر حقانیت کی شمع فروزاں کی،

زیارت حرمین شریفین

۱۹۴۵ء میں قیام بریلی کے دوران ہی قطب ہند حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں زیارت مدینہ منورہ اور سعادت حج سے مشرف ہوئے۔

پاکستان میں تشریف آوری

تقسیم ملک کے وقت حضرت شیخ الحدیث اپنے وطن گئے ہوئے تھے جب گورداسپور کو ہندوستان میں شامل کیا گیا اور وہاں بلوے شروع ہوئے تو آپ بڑی بے سروسامانی کے عالم میں ہجرت کر کے پاکستان آ گئے۔ اور کچھ عرصہ عارضی طور پر ساروکی اور گوجرانوالہ میں قیام فرمایا۔ اس دوران پاکستان کے اکابر علماء نے آپ کو اپنے اپنے علاقہ بالخصوص اہالیان کراچی نے اپنے ہاں

ٹھہرانے اور تدریس کی پیشکش کی۔ مگر آپ نے اس سلسلہ میں حضور مفتیٔ اعظم ہند کو خط لکھا کہ جگہ تجویز فرمادیں، حضور مفتیٔ اعظم ان دنوں حجاز مقدس میں تھے۔ وہیں سے آپ نے حضرت شیخ الحدیث کیلئے لائل پور (فیصل آباد) تجویز فرما دیا، چنانچہ آپ نے وہاں ایک اجڑے ہوئے باغ میں فرش زمین پر بستر لگا دیا جہاں آسمان چھت کا کام دے رہا تھا۔

جامعہ رضویہ مظہر اسلام

۱۹۴۸ء/ ۱۳۶۸ھ میں آپ نے لائل پور میں دینی خدمات کا سلسلہ شروع فرمایا اور ۱۳۶۹ھ کو جامعہ رضویہ مظہر اسلام کی بنیاد رکھی، اسکے ساتھ ہی شاہی مسجد کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہو گیا اور اسکی دوسری طرف سنی رضوی جامع مسجد کیلئے کوششیں شروع ہو گئیں، اس وقت بفضلہٖ تعالیٰ یہ تینوں عمارتیں اپنی پوری شان وشوکت کے ساتھ موجود ہیں۔

سنیت کا مرکزی نقطہ

محدث اعظم پاکستان کا بریلی میں دور تعلیم اور ایسی تیز ترقی اگر ایک چھوٹا طلسم تھا تو لائل پور تشریف آوری کے بعد خود لائل پور اور پھر پورے پاکستان میں دنیائے سنیت میں انقلاب آنا بڑے طلسمات کا مجموعہ ہیں۔ اور کیوں نہ ہو کہ تکمیل علوم خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی سرزمین میں ہوئی۔ تربیت امام اہلسنت کے شہر بریلی شریف میں ہوئی اور لائل پور میں قیام کا حکم، سر زمین حجاز شریف سے استاد محترم قطب الہند نے بھیجا۔ محدث اعظم پاکستان

نے، سنیت کی تبلیغ کے ساتھ، اہل پاکستان کے دلوں میں اعلحضرت رضی اللہ عنہ سے محبت کا جذبہ پیدا کر دیا۔

حرمین طیبین کی دوسری زیارت

آپ عارف کامل مولانا جامی علیہ الرحمۃ کی مشہور نعت کا یہ شعر اکثر پڑھا اور سنا کرتے تھے۔

مشرف گرچہ شد جامی زلطفش
خدایا ایں کرم بار دگر کن

آخر جذبہ عشق رنگ لایا، سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ پُر انوار سے طلبی ہوئی اور ۱۹۵۶ء میں آپ اپنے تلمیذ ارشد اور منظور نظر، حضرت مولانا مفتی محمد معین الدین شافعی قادری علیہ الرحمۃ کو ساتھ لیکر دوبارہ زیارت دیار رسولؐ، حاضریٔ روضۂ پاک اور حج بیت اللہ کو روانہ ہوئے تقریباً پونے دو ماہ مدینہ طیبہ میں حاضر رہے اور جی بھر کر نعمتیں لوٹیں، دل کے ارمان پورے کیے۔

علالت اور ورود کراچی

جامعہ رضویہ کے قیام کو ۱۴ سال گزر گئے اس دوران شبانہ روز کی محنت، درس و تدریس، وعظ و تقریر کے مسلسل معمولات نے آپ کو مریض بنا دیا چنانچہ آپ بغرض تبدیلی آب و ہوا، کوہ مری اور ہری پور ہزارہ تشریف لے گئے، وہاں سے واپس تشریف لانے کے بعد سہ روزہ امام اعظم کانفرنس کا اہتمام فرمایا، جس میں ملک بھر سے ہزاروں علماء و مشائخ نے شرکت کی۔ (اس کانفرنس میں راقم الحروف بھی اپنے والد مفتی اعظم سندھ علامہ مفتی محمد خلیل خاں برکاتی علیہ الرحمۃ

کیساتھ شریک ہوا)۔اس کے بعد آپ کے مرض میں پھر اضافہ ہو گیا تو احباب اس مرتبہ آپ کو ایبٹ آباد لے گئے، وہاں سے ہری پور ہزارہ آ گئے لیکن طبیعت میں اضطراب تھا، فرمایا مجھے داتا دربار (علیہ الرحمۃ) لے چلو، وہاں سے ہوتے ہوئے لائل پور واپس آ گئے، چند دن بعد حضرت مفتی محمد ظفر علی صاحب نعمانی، شہید اہلسنت حضرت مولانا عبدالقادر صاحب اور معین الملت حضرت مولانا معین الدین صاحب کی عرض پر کراچی کا پروگرام بنایا، اور ۱۹ اکتوبر ۱۹۶۲ء کو بروز جمعہ کراچی روانہ ہوئے جہاں شروع میں ڈاکٹر مشتاق احمد نے علاج شروع کیا اور حضرت کی طبیعت کچھ کچھ سنبھلنے لگی لیکن اس دوران برابر لائل پور واپسی کیلئے اصرار فرماتے رہے۔ علاج میں شروع سے آخر تک ڈاکٹر کیپٹن عبدالغنی صدیقی کا تعاون رہا۔

وصال حبیب

۲۵ رجب تک طبیعت بہت ٹھیک ہو چکی تھی لیکن ایک روز اچانک طبیعت زیادہ خراب ہو گئی، زبان پر اللہ ھو کا ذکر شروع ہو گیا، آخری لمحات میں کثیر علماء وعقیدت مند موجود تھے۔ علامہ قاری محبوب رضا خان علیہ الرحمۃ نے سورۃ یسین شروع کی اور آخر کار ۲۹ رجب اور یکم شعبان ۱۳۸۲ھ/ ۲۹ دسمبر ۱۹۶۲ جمعہ ہفتہ کی درمیانی رات میں ایک بجکر چالیس منٹ پر علم وفضل کا یہ آفتاب نگاہوں سے ہمیشہ کیلئے چھپ گیا۔

تکفین جنازہ اور تدفین

تاج العلماء حضرت مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے کفن پر کلمہ طیبہ لکھا

حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری علیہ الرحمۃ نے "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیأ للہ" تحریر فرمایا اور مولانا معین الدین صاحب علیہ الرحمۃ نے "یا غوث الاعظم دستگیر" لکھا۔ علماء نے غسل دیا اور جنازہ آرام باغ میں لایا گیا جہاں بیشمار علماء مشائخ موجود تھے۔ علامہ ازہری مدظلہ نے نماز جنازہ پڑھائی، جس کے بعد آپ کے جسم اقدس کو تابوت میں رکھ کر شاہین ایکسپریس سے لائل پور روانہ کیا گیا، علماء کی ایک جماعت اور بیشمار عقیدتمند بھی ساتھ چلے، راستہ بھر لوگوں نے تابوت اور ڈبہ پر پھولوں کی بارش کی اور اس طرح آپ کا جنازہ مبارکہ ۲ شعبان کو لائل پور پہنچا اسٹیشن سے جھنگ بازار تک ذکر و نعت سے فضا گونجتی رہی اور راستہ بھر انوار کی بارشیں ہوتی رہی جس کو لوگوں نے محسوس کیا۔ لوگوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی حتیٰ کہ اخباری اطلاعات کے مطابق تین لاکھ سے زیادہ افراد تھے۔ دھوبی گھاٹ کے میدان میں دوبارہ نماز جنازہ ہوئی، امامت کے فرائض حضرت کی وصیت کے مطابق حضرت شہید اہلسنت مولانا عبدالقادر علیہ الرحمۃ نے انجام دیئے، اس طرح آپ کو سنی رضوی جامع مسجد کے پہلو میں دارالحدیث کے قریب دفن کیا گیا۔

جنازہ پر انوار کی بارشیں

ایک اخباری رپورٹر کا بیان ہے کہ محدث اعظم پاکستان کا جنازہ جس وقت عیدگاہ کی طرف نماز کیلئے لے جایا جا رہا تھا تو یکایک آسمان سے جنازہ پر نور کی بارش ہونے لگی، اور انوار قدسیہ کی بارش نے جنازہ کو اسطرح ڈھانپ لیا کہ جنازہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا اور لوگ بے ساختہ پکار اٹھے، "تابوت کدھر گیا" بعد میں وہ نور جنازہ سے اٹھکر اوپر چھایا رہا، (نوری کرن بریلی ماہنامہ

مارچ ۱۹۶۳ء)

(۲) ایک نوجوان نے توجہ دلائی، میں نے دیکھا کہ کچہری بازار کے قریب تابوت کے اوپر باقاعدہ نور کی لہریں اور چمک نظر آتی تھی، یہ روشنی تمام راستہ موجود رہی۔ (خلیق قریشی، مدیر روزنامہ عوام لائل پور ۳۱ دسمبر ۱۹۶۲ء)

(۳) کچہری روڈ کے قریب جنازہ پر انوار و تجلیات کا ظہور دیکھنے میں آیا اس واقعہ کا عقیدتمندوں میں بہت چرچا ہے۔ (روزنامہ سعادت، لائل پور ۳۱ دسمبر ۱۹۶۲ء)

دو کرامات

آپ نے اپنے وصال سے تین روز پیشتر اپنے تیمارداروں سے کہہ دیا تھا کہ "جمعہ کو سفر ہوگا"، چنانچہ جمعہ ہی کو سفر آخرت پیش آیا۔

(۲) کراچی میں تابوت میں جسم مبارک رکھتے وقت آپ کی آنکھیں بند تھیں، جب لائل پور میں تابوت کھولا گیا اس وقت بھی آنکھیں بند تھیں، لیکن جس وقت چارپائی پر جسم اطہر رکھا گیا تو آپ کی ایک آنکھ کھلی اور تقریباً پانچ منٹ تک کھلی رہنے کے بعد دوبارہ بند ہوگئی (نائب اعلٰحضرت)

دو مبارک خواب

خطیب اہلسنت علامہ سید غلام محی الدین نے خواب میں دیکھا کہ "وصال کے بعد حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ کی دائیں جانب بیٹھے ہیں اور سفید لباس کے ساتھ، سبز عمامہ سر پر ہے، میں نے سوچا کہ "حیات ظاہری میں ایسا لباس کبھی نہیں پہنا" حضرت داتا علیہ الرحمۃ نے اسی وقت فرمایا، سبز عمامہ

صاحب طریقت ہونے کی علامت ہے اور سفید لباس عالم شریعت ہونے کی نشانی ہے"۔(نائب اعلحضرت)

(۲) محمد سلیم صاحب کا بیان ہے" فقیر کے ایک دوست نے خواب میں حضرت شیخ الحدیث کو دیکھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنی آغوش مبارک میں لیا ہے اور آپ کی داڑھی کو اپنا دست مبارک لگا کر صحابہ کرام علیہم الرضوان سے تعارف کرا رہے ہیں۔(نوری کرن، بریلی مارچ ۶۳ء)

حجۃ الاسلام کی نگاہ میں

شہزادہ اعلحضرت نے اپنے وصال سے پہلے وصیت فرمائی تھی کہ میری نماز جنازہ عزیزم مولانا سردار احمد پڑھائیں اور خاندان کا کوئی فرد اس پر اعتراض نہ کرے، چنانچہ حضرت شیخ الحدیث نے ہند کے جلیل القدر علماء ومشائخ کی موجودگی میں نمازہ جنازہ پڑھائی، اس واقعہ سے آپ کے مقام کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

خصوصیات

حضرت کی شخصیت وسیرت پر نظر ڈالنے سے حسب ذیل اوصاف نمایاں نظر آتے ہیں۔

خوف خدا، ادب وعشق رسالت، علم وفضل، عقیدہ کی پختگی، اعمال کی صحت، استقامت واستقلال، خلوص وتقویٰ، اتباع شریعت، عمل بالسنت، اکابر کا احترام، اصاغر پر شفقت، دین ومذہب کے دشمنوں سے علیحدگی ودوری، تعلیم وتدریس، تربیت وتزکیہ، خوف ولالچ سے بے پرواہی، دین کا درد، مذہب کی

تڑپ، مجاہدانہ ہمت، ان میں سے ہر چیز آپ کی زندگی کا ایک مستقل عنوان ہے۔ آپ نے اپنی زندگی میں کبھی کسی بدعقیدہ سے ہاتھ نہیں ملایا۔ یہ آپ کا تقوی ہے۔

بیعت وخلافت

آپ امام المناظرین وسید المفتین ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب سجادہ اور شیخ طریقت بھی تھے آپ کا سلسلہ طریقت چشتیہ قادریہ تھا۔ چشتیہ سلسلہ میں آپ حضرت مولانا شاہ سراج الحق صاحب گورداسپوری رحمۃ اللہ علیہ سے مشرف بہ خلافت تھے۔ اور قادریہ سلسلہ میں حجۃ الاسلام حضرت علامہ شاہ حامد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے، جہاں سلسلہ درس وتدریس میں مختلف ملکوں میں آپ کے بکثرت مایہ ناز اور نامور شاگرد موجود ہیں (جواب مشاہیر علماء میں شامل ہیں) وہاں بسلسلہ طریقت بہت سے مقامات پر ہزاروں سے بڑھ کر آپ کے مریدین موجود ہیں۔

آپ کے القاب

حضور مفتی اعظم ہند رحمہ اللہ نے آپ کو بہت سے تاریخی القاب سے نوازا۔ ان میں سے ہر ایک سے آپ کا سن وصال ۱۳۸۲ھ نکلتا ہے۔ چند القاب درج ذیل ہیں: منبع کرم مقبول عصر امیر العلماء، فیضان تام، دقیقہ فہم، رفیع المرتبت، ذکی ومحدث باکمال، سعادت مآب مولوی محمد سردار احمد صاحب، نکتہ سنج، حق گو، نام آور، سراج زماں، متوکل سراپا برکت، فہیم عصر مدرس بے مثال۔

جلالۃ العلم علامہ عصر حضرت مولانا حافظ عبدالعزیز صاحب مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا مولانا سردار احمد صاحب عدل العلم (علم کی گٹھری) ہیں۔ دیگر علماء شعراء اور ادباء نے آپ کو یہ القاب دیئے۔ مظہر احمد رضا، نائب شاہ رضا، جمال اصفیاء، رہنمائے سالکان، ذاکر شعلہ بیاں، شاہ اقلیم وفنون، اہل علم کے سردار، اولیاء اللہ کے دلدار، آفتاب مطلع انوار، اہلسنت کے سپہ سالار، علم کے قلزم ذخار، صدر علم وعمل، فخر اہل نظر، نقش احمد رضا، حجۃ الاسلام کے دلدار، ملت حق کے علمبردار، ضیغم حامد رضا، امیر اہلسنت، شریعت کے امام، مرکز ابرار، دافع فتنہ اشرار، امام الفضلاء العارفین، استاذ العلماء الکاملین، نازش اہل سنن، رئیس المحد ثین، بحر علوم شریعت وطریقت، مصدر علم وعمل، ان میں آپ کا سب سے مشہور لقب محدث اعظم پاکستان ہے۔

حضرت شیخ الحدیث کے کارنامے ہمیشہ آب زر سے لکھے جائیں گے اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے (آمین)

مفتی اعظم سندھ

علامہ مفتی محمد خلیل خاں القادری البرکاتی رحمۃ اللہ علیہ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

موت برحق ہے کہ " کل من علیها فان"۔ جو فانی ہے اس کیلئے فنا ہے اور جو باقی ہے وہ باقی "ویبقی وجه ربک ذوالجلال والاکرام" مگر کچھ جاتے ہیں تو یوں کہ کوئی ان پر رونے اور آنسو بہانے والا نہیں ملتا اور بعض رحلت فرماتے ہیں تو ان کی شان یہ ہوتی ہے کہ زمین و آسمان ان پر روتے ہیں۔ قرآن کے الفاظ میں " فمابکت علیهم السماء والارض" کا مطلب صریح یہی ہے۔ جن اکابر نے لوگوں کی نگاہوں اور خدا اور رسول عزوجل صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہوں میں مقام رفیع اور منصب منیع حاصل کرلیا وہ آہستہ آہستہ رخصت ہو رہے ہیں۔ عقل ایسے میں حیران ہے کہ ہم جیسے بے لیاقتوں کی رہنمائی اب کون کریگا۔ بدعتوں اور گمراہیوں کی ان اندھیریوں میں حق کی روشنی کون دکھائیگا۔ پچھلے علماء اور بزرگوں میں ایک کا وصال ہوتا تو ہزار جانشیں چھوڑ جاتے۔ اب ہزار وصال فرماتے ہیں تو ایک نصیب ہوتا ہے وہ بھی اگر پردہ فرماجائے تو ہزار کدھر جائیں۔ اسی لئے فرمایا گیا کہ "عالم کی موت عالم (جہان) کی موت ہے"۔ اللہ کے ایک ایسے ہی مقرب بندے کہ جن کے وصال پر زمین و آسمان روئے اور لاکھوں انسان سوگوار ہوئے۔ مفتی اعظم سندھ، علامہ مفتی محمد خلیل خاں قادری برکاتی قدس سرہ العزیز ورحمۃ اللہ علیہ ہیں

جو ۲۸ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ وقت مغرب واصل باللہ ہوئے اور لاکھوں فرزندان توحید اور شمع رسالت کے پروانوں اور تشنگان علم کو یتیم کر گئے۔ جو سندھ کی روح تھے۔ حیدرآباد شہر کی جان تھے۔ پاک و ہند کے دل تھے اور عالم اسلام کا عظیم سرمایہ افتخار۔ جن کی رحلت کی خبر سن کر ایک لمحہ کیلئے ہر دل دھڑکنا بھول گیا اور آنکھیں اشکوں کے موتی بہانے لگیں۔ وہ عارف باللہ جو صدر الشریعۃ ابو العلی مولانا محمد امجد علی رحمۃ اللہ علیہ مصنف ''بہار شریعت'' کے شاگرد خاص اور مجدد ملت امام اہلسنت مولانا الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے روحانی شاگرد ہیں۔

آپ کی سند حدیث کا سلسلہ حضرت مولانا امجد علی صاحب کی وساطت سے بحر العلوم مولانا عبد العلی لکھنوی تک اور مارہرہ شریف میں سید شاہ آل رسول رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔ اس جلیل القدر عالم کو کہ جس پر زمانہ تعلیم میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی شفقت و محبت تھی، مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ نے اپنے دست مبارک سے سند حدیث عنایت فرمائی۔ یوں محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ مفتی صاحب کے استاد بھائی ہیں۔ غرضیکہ اساتذہ، علماء، اولیاء کے ہاتھوں پرورش پانیوالا یہ نوجوان اپنے وقت کا ''فقیہ اسلام'' قرار پایا۔

مفتی اعظم سندھ حضرت مفتی محمد خلیل خاں برکاتی جولائی ۱۹۲۰ کو ضلع علی گڑھ کی مشہور ریاست دادوں میں پیدا ہوئے۔ پیدائش کے چھٹے دن والد ماجد کے سایۂ عاطفت محروم ہو گئے اور تیسرے سال والدہ ماجدہ کا سایہ بھی سر

سے اٹھ گیا، چنانچہ اپنے چچا کے ہمراہ مارہرہ شریف تشریف لائے اور پھر یہیں سے اپنی علمی زندگی کا آغاز کیا۔ مارہرہ شریف ضلع ایٹہ کا ایک مشہور قصبہ ہے جہاں سلسلۂ قادریہ کے بزرگوں کا فیض صدیوں سے جاری ہے۔اس سلسلہ کے اسلاف مدینہ منورہ سے واسط (عراق) میں آ کر آباد ہوئے۔ جہاں سے سید ابو الفرح واسطی رحمۃ اللہ علیہ اپنے چار صاحبزادوں کے ہمراہ سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں غزنین تشریف لائے، جن میں سے تین صاحبزادے ہندوستان تشریف لے آئے جہاں بادشاہ وقت نے ان کے فیوض وبرکات اور کرامتوں کو دیکھ کر احتراماً اپنی سلطنت کے چند علاقے ان کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ان ہی میں سے ایک بزرگ سید ابو الفراس کی اولاد میں سے ایک صاحبزادے سید محمد صغریٰ قصبۂ بلگرام میں متوطن ہوئے، پھر سید محمد صغریٰ کی اولاد واحفاد میں سے سید شاہ عبدالجلیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جد امجد اعلیٰ سلسلۂ برکاتیہ) ۱۰۱۷ ھ میں مارہرہ تشریف لائے اور ۸ صفر ۱۰۵۷ ھ میں آپ کا وصال ہوا۔آپ کے بیٹے سید شاہ اویس کا وصال ۱۰۹۷ ھ میں بلگرام میں ہوا، ان کے صاحبزادے سید شاہ برکت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نئی بستی ۱۱۱۸ ھ میں آباد فرمائی جس کا نام پیم نگر رکھا۔ ۱۰ محرم ۱۱۴۲ ھ کو آپ کا وصال ہوا۔ وہیں مدفون ہوئے شجاعت خان غلزئی نائب نواب محمد خان بنگش والیٔ ریاست فرخ آباد نے ان کے مزار پر عالیشان عمارت بنوائی جو آج بھی موجود ہے اور درگاہ سید شاہ برکت اللہ کے نام سے مشہور ہے۔ زیارت گاہ خاص وعام ہے ہر مذہب کے لوگ وہاں آ کر اپنی مرادیں ان کے توسل سے پوری کراتے ہیں انہی کی نسبت سے یہ سلسلہ ''برکاتیہ'' کہلاتا ہے۔سید شاہ برکت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ساتویں پشت

میں سید شاہ آل رسول رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جن کے دست حق پر امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان نے بیعت فرمائی اور دسویں پشت میں سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے، جن کے ہاتھ پر مفتیٔ اعظم سندھ نے ۱۳۵۶ھ میں بیعت کی۔ اس نسبت سے آپ کا شجرۂ نسب بیعت انتالیسویں پشت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔

مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر الشریعۃ مولانا محمد امجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ان ارشد تلامذہ میں سے ہیں جن کا تذکرہ انہوں نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''بہار شریعت'' میں فرمایا ہے۔ مفتی صاحب مارہرہ شریف میں اپنی تعلیم کا آغاز فرمانے کے بعد پھر اپنے مولد دادوں تشریف لے آئے اور مکمل تعلیم کیلئے نواب ابوبکر خانصاحب شروانی کے مدرسہ حافظیہ سعیدیہ میں داخل ہوئے اور آخر تک وہیں رہے، دورۂ حدیث تک صدر الشریعۃ سے پڑھا۔ ۱۹۴۵ء میں فارغ ہوئے، مفتی اعظم نے سند حدیث عطا فرمائی۔ سند حدیث کے علاوہ مفتی صاحب کے پاس سند قرآن بھی ہے جس کا سلسلہ ۳۱ واسطوں سے ساتوں قراۃ میں سیدنا عثمان بن عفان، مولا علی، ابی بن کعب، زید بن ثابت اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنھم کے توسط سے حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ یہ سند آپ کو مرشد گرامی اولاد رسول سید محمد میاں صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ نے عطا فرمائی اور سید العلماء نے توثیق فرمائی۔

تعلیم سے فراغت پاتے ہی تدریس وتبلیغ کے امور سونپ دیئے گئے چنانچہ آپ نے تنہا اور مرشد گرامی کی معیت میں ہندوستان کے مختلف صوبوں

میں کئی شہروں کے تبلیغی دورے فرمائے کچھ عرصہ میرٹھ چھاؤنی میں بحیثیت فوجی مبلغ بھی فرائض انجام دیئے۔فراغت کے چار سال بعد ۲۹ سال کی عمر میں مرشد گرامی نے خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف کے دار الافتا میں اہم ذمہ داری دیکر منصب افتاء پر بٹھا دیا جہاں سے آپ نے فتویٰ نویسی کا آغاز فرمایا۔اسی کے ساتھ ساتھ آپ تصنیف و تالیف بھی فرماتے رہے۔حتیٰ کہ پاکستان آمد سے قبل ہندوستان میں ہی ۱۳۷۰ھ تک گیارہ کتابیں تصنیف فرمائیں، پاکستان آمد کے بعد بھی آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں ہمارا اسلام، ہماری نماز، سنی بہشتی زیور، معراج المومنین، اتنی مشہور ہیں کہ ان کے ہزارہا ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، اول الذکر کتاب کئی مدارس، مکاتب، اسکولوں میں ملک و بیرون ملک رائج ہے۔کئی کتابوں کے فارسی اور عربی سے اردو تراجم کیے۔کل مصنفات کی تعداد ساٹھ سے زیادہ ہے۔ان میں آٹھ تراجم ہیں۔دو تفسیر قرآن ہیں۔ باقی تصنیفات و تالیفات ہیں۔ان میں ۳۷ کتب مطبوعہ ہیں۔۶ رسائل مطبوعہ ہیں۔۹ کتب غیر مطبوعہ ہیں باقی مسودات پاکستان آنے میں گم ہو گئے اور کچھ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف کے عظیم کتب خانہ میں محفوظ و موجود ہیں۔تین جلدوں پر مشتمل آپ کے فتاوی زیر طبع ہیں۔

آپ نے اپنی زندگی میں فتاوی کے علاوہ کل اٹھارہ ہزار تین سو پچاس صفحات تصنیف فرمائے اور یہ اتفاق ہے کہ شعور کے بعد آپ کی زندگی کے کل ایام بھی (۵۱ سال) اٹھارہ ہزار تین سو پچاس بنتے ہیں۔ساڑھے چار ہزار فتاویٰ کا عظیم الشان ذخیرہ اس کے علاوہ ہے جو ہزاروں صفحات پر مشتمل ہے۔اس قدر تصنیفات کے باوجود تقریر و تدریس کا سلسلہ بھی ۱۹۷۹ء تک پابندی سے

جاری رہا۔ پھر زبان پر مرض کی شدت ہوگئی جس کی وجہ سے صرف تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھ سکے، اللہ کے اس ولی نے آخری سانس تک دین متین کیلئے وقف کردی تھی۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک خصوصیت جو آج بھی بہت کم علماء میں پائی جاتی ہے یہ ہے آپ بیک وقت مدرس بھی مقرر بھی، مصنف بھی تھے مترجم بھی، مہتمم بھی تھے منتظم بھی، مفتی بھی تھے اور شیخ الحدیث بھی۔ ان تمام مصروفیات میں سے کچھ لمحے آپ بطور خاص اہل خانہ کیلئے بھی رکھتے تھے۔ گھر کا سودا سلف خود لانا روز مرہ کا معمول تھا۔ صاحبزادیوں کی فرمائش بطور خاص پوری کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: لڑکیاں اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہیں''۔ ان نازک شیشیوں کو ٹھیس نہ لگنے دو۔ بچوں کیساتھ خوش طبعی فرمایا کرتے تھے۔ گھر میں جب بھی تشریف لاتے خود سلام کرتے، جب گھر سے کہیں جانے کو نکلتے تو بھی سلام فرماتے۔ اہلیہ کی دلجوئی کیلئے روز صبح ان سے مشورہ کرتے ان کی فرمائش پوچھتے کہ یہ بھی عبادت کا ایک حصہ ہے۔

حضرت نے اپنی زندگی میں ہزاروں تلامذہ کو فیضیاب فرمایا اور سینکڑوں مدرس اور مفتی تیار کیے جو آج ملک کے گوشہ گوشہ میں موجود اور تبلیغ دین و اشاعت دین میں مصروف ہیں۔ صرف صوبہ بلوچستان میں آپ کے تلامذہ نے جو مدارس قائم کئے ان کی تعداد چودہ ہے۔ اس سے پہلے بلوچستان میں دینی مدراس معدوم تھے، سندھ میں دادو، لاڑکانہ، مورو، سبی، جیکب آباد، شہداد پور، نوابشاہ، ٹنڈو الہیار، بدین وغیرہ میں آپ کے تلامذہ کے عظیم الشان

مدارس ودارالعلوم موجود ہیں۔ پنجاب میں کئی مقامات پر آپ کے شاگردوں کی خاصی تعداد مدارس کے علاوہ مختلف کالجوں اور اسکولوں میں معلمین کی حیثیت سے موجود ہے۔

سرحد میں، مردان، پشاور، ہزارہ وغیرہ میں آپ کے تلامذہ اور فیض یافتہ علماء موجود ہیں۔ آزاد کشمیر کی آخری سرحد تک آپ کے تلامذہ کے کئی مدرسے قائم ہیں جن میں مولانا حافظ محمد سعید احمد رضوی، مولانا سید افسر علی شاہ کونسلر، مولانا قاضی محمد علیم اشرفی اور مولانا عبدالرشید نوری کے مدارس قابل ذکر ہیں۔

آپ کی تعلیم وتدریس کا طریقہ بھی نہایت سادہ تھا، مشکل سے مشکل کتاب بہت کم وقت میں پڑھا دیتے، تقریرِ کتاب ایسی فرماتے کہ مضمون کتاب طالب علم کے ذہن میں اترتا چلا جاتا۔ اسی وجہ سے مدرسہ کا ہر طالب علم یہ خواہش رکھتا کہ میری کتاب سبق کیلئے مفتی صاحب کے پاس ہو۔ فتویٰ نویسی میں احتیاط کا یہ عالم تھا کہ آسان سے آسان مسئلہ بھی کتاب میں دیکھ کر فتویٰ لکھتے۔ سائل کو صرف جواب نہ دیتے بلکہ اس کے ساتھ عقلی ونقلی دلائل بھی ضرور دیتے تھے۔ ایک بار فرمایا کہ نظافت کے ایک مسئلہ کی تلاش تھی جو ۲۵ سال کے بعد کتاب میں ملا ہے۔ متقدمین کے بعد اعلیٰ حضرت امام اہلسنت کی تحقیق کے سامنے کسی بھی تحقیق کو اہمیت نہ دیتے تھے، قلم سے جوبات ایک مرتبہ لکھ دیتے وہ اتنی جامع ہوتی تھی کہ اس کو قلم زد کرنیکا موقع نہ آتا تھا۔ بعض اوقات سائلین سوالات میں ہیر پھیر کر کے اپنے مطلب کا فتویٰ چاہتے تو ان سے وضاحت کراتے اور فرماتے کہ فرض اور خیالی سوالوں کی بجائے فتویٰ دینے کیلئے اصل

واقعہ اور اصل سوال لکھنا چاہئے۔ اسی طرح آپ کبھی شرطیہ یا فرضی جواب نہ دیتے اور نہ کبھی سوال سے غیر متعلق جواب لکھتے، بعض اوقات سوالات چار صفحات پر ہوتے تھے مگر آپ ان کے جوابات مدلل صرف چند سطور میں لکھ دیتے کہ یہی کافی ہوتا ہے۔

بعض وکلاء کا بیان ہے کہ دینی معاملات میں عدالتیں اس وقت تک مطمئن نہیں ہوتی تھیں جب تک دارالعلوم احسن البرکات سے مفتی محمد خلیل خانصاحب کا فتوی نہ آجاتا پھر فیصلہ کرتی تھیں۔

مفتی خلیل صاحب ۱۹۵۱ء میں پاکستان تشریف لے آئے، روانگی کے وقت مرشد گرامی نے پاکستان میں سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ کی اشاعت کیلئے اپنا نائب مقرر فرمایا۔ آپ کو مفتی اعظم ہند نے بھی چاروں سلسلوں قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ کی خلافت واجازت عطا فرمائی، پاکستان آنے کے بعد ایک سال کراچی میں کھتری مسجد میں قیام رہا پھر جون ۱۹۵۲ء میں حیدرآباد تشریف لائے اور یہاں سید جعفر حسین شاہ مرحوم کے تعاون سے جولائی ۱۹۵۲ء میں دارالعلوم احسن البرکات قائم کیا جو الحمدللہ ۵۲ سال کے بعد آج بھی ایک تناور درخت کی شکل میں قائم ہے، اس درسگاہ سے ہزاروں علماء وفضلاء فارغ ہو کر نکلے اور تشنگان علوم سیراب ہوئے۔ مفتی صاحب نے قرآن پاک کی تفسیر بھی لکھی جس کے چند پارے طبع ہو چکے ہیں آپ بہت عمدہ سچے عاشق رسول شاعر بھی تھے۔ عمدہ نعتیہ کلام اور غزلیہ کلام بھی چھوڑا ہے جو ''جمال خلیل'' کے نام سے چھپ چکا ہے۔

آپ کی وفات پر دنیائے علم وعمل میں جو خلا پیدا ہوا اس پر علماء اشکبار

ہیں اور طلبہ مضطرب، آپ کی نماز جنازہ میں پندرہ ہزار افراد نے شرکت کی۔ نماز جنازہ آپ کے دار العلوم احسن البرکات کے سامنے ادا کی گئی۔ صدر الشریعۃ کے شاگرد اور دار العلوم امجدیہ کراچی کے نائب شیخ الحدیث مفتی صاحب کے ہم سبق حضرت مفتی وقار الدین رضوی علیہ الرحمۃ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کا جنازہ اٹھتے وقت ہزاروں رو رہے تھے اور شرکاء جنازہ کی چیخیں نکل رہی تھیں۔ لوگوں کو کندھا دینے کا موقع نہیں ملتا تھا باوجودیکہ جنازہ میں دونوں جانب لمبے بانس لگا دیئے گئے تھے ایک موقعہ تو ایسا آیا کہ جنازہ کندھوں سے اٹھ کر ہاتھوں پر ہو گیا۔

مفتی صاحب کو ۲۹ رمضان المبارک ظہر کے وقت درگاہ سخی عبدالوہاب شاہ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے صحن میں دفن کیا گیا۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ پاکستان بننے کے بعد ہم نے اس جگہ پہلی تدفین دیکھی ہے اس سے پہلے کی خبر نہیں۔ ریڈیو سے بر وقت اعلان نہ سننے کے سبب ہزاروں افراد جنازہ میں شرکت سے محروم رہے اور لاکھوں کو تاخیر سے اطلاع ہوئی۔ اب بھی آپ کے مزار شریف پر فاتحہ خوانی کرنے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ آپ کا سالانہ عرس ۲۸ شوال کو ہوتا ہے۔

از ما رمیدۂ بہ لحد آرمیدۂ
خواب تو خوش کلفت یاراں ندیدۂ

حدیث شریف کے مطابق آپ کو شہادت کے تین درجات حاصل ہوئے۔ (1) تعلم (2) رمضان (3) مرض مزمنہ

برادرِ خلیل ملت

عبدالقدیر خان لودھی

از: مفتی احمد میاں برکاتی

خلیل ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے تذکرہ کے ساتھ مناسب معلوم ہوا کہ ان کے اکلوتے برادر گرامی کا تذکرہ بھی کردیا جائے، یہ چند جملے حاضر ہیں
(مرتب: مفتی احمد میاں برکاتی)

اسکول کا ایک طالب علم، تختی دوات اور بستہ لے کر، خانصاحب کے گھر پہنچا اور بتایا: ماسٹر صاحب نے کہلوایا ہے کہ آج پھر آپ کے بچے نے سیاہ روشنائی کی شیشی اور تختی میرے اوپر پھینک دی اور تمام کپڑے خراب کردیئے، میں نے اس کا نام اسکول سے کاٹ دیا ہے، کل پڑھنے آیا تو مار کر نکال دوں گا۔ یعقوب خان اپنے مرحوم بھائی عبدالجلیل خاں کے یتیم بچے کو ڈھونڈ کر لائے اور پھر عبدالقدیر کو بہت سمجھایا، دوسرے دن پھر لے کر اسکول پہنچ گئے، ماسٹر صاحب سے معافی تلافی ہوئی۔ داخلہ بحال ہوگیا یک گھنٹہ کے بعد ماسٹر صاحب نے آج بھی تختی لکھنے کو کہا، عبدالقدیر خاں نے پھر غلطی کی، ماسٹر صاحب نے ڈانٹا۔ عبدالقدیر کو بھلا یہ سننے کی کہاں مجال تھی؟ آؤ دیکھا نہ تاؤ، پھر تختی اور سیاہی اٹھا کر ماسٹر صاحب پردے ماری اور یہ کہتے ہوئے اسکول کے دروازے سے باہر کہ ''ماسٹر اب تختی تم ہی لکھ لینا میں تو جارہا ہوں۔'' بس اسی شب و روز میں لڑکپن ختم ہوگیا اور عبدالقدیر کی پڑھائی آگے نہ بڑھی۔ والد کا انتقال بچپن میں ہوگیا تھا، جب عمر دو سال تھی۔ پانچ سال کی عمر میں والدہ بھی اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ تو تائی اور تایا محمد یعقوب خاں نے پرورش کی۔ عبدالقدیر جوان ہوگئے مگر پڑھ نہ

سکے۔ دوسری طرف عبدالقدیر خاں کے چھوٹے بھائی محمد خلیل خاں نے، پوری لگن اور محنت سے پڑھا۔ اپنے آبائی وطن قصبہ کھریری ریاست دادوں ضلع علی گڑھ میں ابتدائی تعلیم مکمل کی پھر تایا کے ہمراہ یہ بھی مارہرہ شریف ضلع ایٹہ، سیدوں کی بستی کے پاس، محلہ افغان روڈ پر آباد ہوگئے۔ شاندار حویلی میں، ان کا پورا خاندان آباد تھا۔ محمد خلیل خاں پہلے مولوی خلیل مارہروی ہوئے، پھر لوگ ان کو مولانا خلیل خاں مارہروی برکاتی کہنے لگے۔ خانقاہ برکاتیہ کے ساتھ بچپن سے وابستہ رہے۔ لہذا ان پر مشائخ کا رنگ چڑھتا رہا، پھر ایک دور آیا کہ وہ صدرالشریعہ کی آنکھوں کا تارا بنے، مفتیٔ اعظم ہند کے پیارے بنے، مصنف ہوئے، مترجم ہوئے پھر بالآخر اپنے مرشد حضور سیدنا تاج العلماء علیہ الرحمتہ سے اجازت لیکر، پاکستان آگئے، کہ ان کا پورا سسرال اور اہلیہ پاکستان پہنچ چکے تھے، یہاں حیدرآباد میں قیام فرمایا، کچھ عرصہ کراچی میں گزارا، پھر تو خلق خدا ان کی طرف دوڑ پڑی اور عبدالقدیر خاں کے یہ چھوٹے بھائی اپنے وقت کے کامل فقیہہ اور مفتیٔ اعظم سندھ قرار پائے۔ عبدالقدیر خاں، ان کے اکلوتے بھائی تھے، نہ کوئی بہن نہ کوئی چچا، نہ پھوپھی نہ اور کوئی رشتہ دار۔ عبدالقدیر خاں یوں تو بہت غصے والے تھے، مگر اپنے چھوٹے بھائی کا عالم ہونے کے ناطے بہت احترام کرتے تھے اور تعظیم کرتے نہ تھکتے تھے۔ پڑھ تو نہ سکے مگر زندگی بھر کاروبار کیا۔ اپنے چھوٹے بھائی کی وجہ سے حیدرآباد میں ہی رہائش اختیار کی اور یہیں اللہ کو پیارے ہوئے۔ عبدالقدیر خاں نے یکے بعد دیگرے دو شادیاں کیں، ایک کا انتقال ہوگیا۔ دوسری کو غصے میں چھوڑ دیا۔ کوئی اولاد نہ ہوئی، بس لے دے کے یہی بھائی اور بھائی کی بیوی بچے تھے۔ پورے شہر حیدرآباد میں جس درزی کو کوئی چیز نہ ملتی، اسے وہ چیز عبدالقدیر خاں کی دوکان پر ضرور مل جاتی تھی۔ جس وقت یہ جلال میں ہوتے تھے، کوئی ان کے سامنے ٹھہرنے کی ہمت نہ کرتا تھا۔ ہاں خود عبدالقدیر خاں اپنے چھوٹے بھائی کے سامنے ٹھہرنے کی ہمت نہ کرتے تھے۔ کہتے بھی تھے ''مولانا سے ڈرلگتا ہے۔'' کوشش کرتے تھے کہ ''مولانا'' سے کم سے کم سامنا ہو۔ جو کام کرتے یعنی جو کماتے،

اپنی ذات پر اور بھائی اور ان کے بچوں پر خرچ کرتے۔ علم نہ ہونے کے باوجود حساب میں بہت تیز تھے۔ میٹرک پاس بچے حساب میں دیر کرتے مگر عبدالقدیر خاں فوراً جوڑ کر بتا دیتے۔ عبدالقدیر خاں کے پاس علم تو نہ تھا۔ مگر وہ بعض باتیں ایسی کرتے تھے جو سچ نکلتی تھیں۔ ایک مرتبہ اندرا گاندھی کے لئے کہہ دیا کہ اس کو گولی لگے گی، یہ گولی سے مرے گی۔ وقت نے دکھایا کہ ایسا ہی ہوا۔ اندرا کے ہم زمانہ حکمراں کے لئے عبدالقدیر نے پھانسی کی پیش گوئی کی تھی، وہ بھی پوری ہوئی۔ علی الصبح چہل قدمی اور رات کو بعد عشاء، دوستوں سے ملنے جانا ان کا معمول تھا۔ رات کو کبھی دیر ہو جاتی تو ان کے چھوٹے بھائی ادب سے کہتے!''بھیا رات کو اتنی دیر سے نہ آیا کریں۔'' پھر بھی کبھی دیر ہو جاتی تو خود ہی کسی ترکیب سے کنڈی اتنی آہستہ سے کھولتے کہ آواز پیدا نہ ہوتی، چھوٹے بھائی کا عالم ہونے کے ناطے یہ احترام علم کی وجہ سے تھا اور ان کے علم سے محبت کا ثبوت تھا۔ آج بھی لوگ ان کی دوکان کو یاد کرتے ہیں اور ان کی تعریف کرتے ہیں۔ عبدالقدیر خاں ولد عبدالجلیل خاں دل کے بہت سخی تھے، سادہ مزاج تھے۔ ان کی اسی سادگی کی بنیاد پر، بہت سے لوگ ان کا مال کھا گئے اور رقم ادا نہ کی، وہ وقتاً فوقتاً بچوں کو، پیسے بھی تقسیم کرتے تھے، کسی کو کم کسی کو زیادہ۔ جس کو زیادہ دیتے، اس سے کہتے''کسی سے کہنا نہیں۔'' مگر بات کھل جاتی اور پھر بچے گھیر لیتے، کہ اس کو تو اتنے پیسے دیئے ہیں اور مجھے کم دیئے ہیں۔ پھر وہ مزید دے کر اپنی جان چھڑاتے۔ عید بقر عید، تو ان کی ماموں زاد بہنیں اور دوسری خواتین بھی عیدی وصول کرتی تھیں اور وہ ایک ایک روپے کے سکے بانٹتے چلے جاتے۔ عبدالقدیر خاں یوں تو صحت مند تھے، مگر سردی میں ان پر ٹھنڈ کا اثر ضرور ہوتا تھا۔ ایسے ہی ایک موقع پر۔ ربیع الاول شریف کے مہینے میں، ۲۷ر فروری ۱۹۷۹ء کی شب، اپنے چھوٹے بھائی، علامہ مفتی محمد خلیل خاں کو بلایا، جیب میں ہاتھ ڈال کر، خاصی رقم نکالی اور بھائی کو دی کہ ''یہ رکھ لو، کام آئے گی۔'' پھر بھائی کی اہلیہ سے شہد مانگا اور کھا لیا۔ صبح اٹھے تو ہشاش طبیعت تھی، مگر ذرا ست تھے۔ بھائی سے کہا ذرا رک کر جانا، بھائی تھوڑی دیر رک گئے۔ پھر کہا، ذرا

مدرسہ ہو آؤں، جلدی آ جاؤں گا۔ اجازت دی تو چھوٹے بھائی مدرسے چلے گئے۔ بھائی کے جانے کے آدھ گھنٹے کے بعد، عبدالقدیر خاں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ انتقال کے بعد بھی چہرہ پر سکون تھا۔ مسکرا رہے تھے۔ مفتی صاحب کو اطلاع دی گئی، فوراً واپس تشریف لائے۔ بہت دیر تک روتے رہے، پھر تدفین کا انتظام کیا۔ جو رقم رات کو بھائی عبدالقدیر خاں مرحوم نے رکھوائی تھی وہ سب کفن دفن میں پوری ہو گئی۔ عبدالقدیر خاں نے اس طرح آخر تک اپنا تمام خرچ خود کیا۔ مفتی صاحب علیہ الرحمۃ بھی علیل تو تھے ہی یہ صدمہ ان سے زیادہ برداشت نہ ہوا اور مزید گھلتے چلے گئے۔ بالآخر وہ بھی بھائی کے انتقال کے چھ سال بعد، ۱۸/ جون ۱۹۸۵ء کو وصال فرما گئے۔ انتقال کی رات عبدالقدیر خاں کا شہد کھانا، ایسا لگا، جیسے ان کو معلوم ہو کہ اب آخری وقت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعض دوست ایسے بھی ہوتے ہیں، جو عالم کی تعظیم کرتے کرتے ولی بن جاتے ہیں۔ لطیف آباد ۹ کے قبرستان میں آج بھی، ان کی مرقد کے چاروں طرف، سبزہ ہی سبزہ ہے اور ان کی مرقد سبزہ کے جھنڈ میں چھپی ہوئی ہے۔ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

یہ تھے میرے تایا عبدالقدیر خاں لودھی، جن کو ہم لوگ ''ابا'' کہتے تھے اور چھوٹے بھائی، خلیل ملت، "بھیا" کہتے تھے۔

۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ

۸/ جولائی ۲۰۰۴ء

ہیں یہیں شیخ ازہری حضرت وقارالدین بھی
آپ ہی کی کاوشوں سے علم کی دولت ملی

(حافظ البرکاتی)

علامہ مفتی محمد وقارالدین قادری قدس سرہ

فتویٰ، تقویٰ اور سادگی کا حسین امتزاج

صدر الشریعۃ علامہ محمد امجد علی اعظمی قادری رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہٗ رشیدہ میں شاید ہی ایسا کوئی شاگرد ہو جس کا رنگ زمانہ والوں پر نہ چڑھا ہو۔ یہ تلامذہ جہاں جہاں آفتاب فقاہت بن کر ابھرے ایک جہاں روشن کر گئے۔ تحریر کا میدان ہو یا تقریر کا۔ تدریس کا فیضان ہو یا تذکیر کا، یہ حضرات ہر مقام میں اظہار حق کا بلند مینار نظر آتے ہیں۔ اگرچہ ان میں سے اکثر اب ہم سے اور اہل دنیا سے پردہ کر گئے۔ مگر ان کی روشنیاں قیامت تک عالم کو جگمگاتی رہیں گی۔ خلیل ملت مفتی محمد خلیل خاں برکاتی، محبوب ملت قاری مفتی محبوب رضا خان رضوی اور وقار الملۃ مفتی محمد وقارالدین قادری بھی ایسے ہی جادۂ نور تھے۔ جن کے فیض سے عالم منور ہوتا رہیگا۔

حضرت مفتی محمد وقارالدین صاحب قدس سرہ جب پہلی مرتبہ ۱۹۷۱ء میں دارالعلوم امجدیہ تشریف لائے اس وقت فقیر امجدیہ میں زیر تعلیم تھا، فقیر کے کئی اسباق حضرت کے ہاں رکھے گئے، فلسفہ کی کتاب ''ہدیہ سعیدیہ'' جو نہایت مشکل کتاب مانی جاتی ہے حضرت نے ایسی گھول کر پلائی کہ آج بھی اس کا حرف حرف ذہن میں ہے۔ یہ پہلی کتاب تھی جو فقیر نے حضرت سے امجدیہ میں

پڑھی۔ پھر تو راستہ کھل گیا اور اکثر کتب درسی اور کتب حدیث حضرت سے پڑھنے کا موقع مل گیا میں نے درسی کتب پڑھانے کا ایسا انداز صرف تین ہی اساتذہ میں دیکھا۔ ایک میرے والد گرامی مفتی محمد خلیل خاں نور اللہ مرقدہ، دوسرے حضرت علامہ محمد حسن صاحب حقانی زید مجدھم اور تیسرے وقار الملۃ حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین صاحب رضی اللہ عنہ۔ یہ حضرات کتابوں کو ایسا سمجھاتے ہیں کہ نفس کتاب کا مضمون، کند سے کند طالب علم کے ذہن میں بھی فوراً نقش ہو جاتا ہے۔

۱۹۷۳ء میں حضرت علامہ ازہری صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب قومی اسمبلی میں تشریف لے جاتے تو ہم لوگوں کو حضرت مفتی وقار الدین صاحب سے حدیث کی کتاب ''مسلم شریف'' پڑھنے کا خوب موقع ملتا۔ حضرت کا درس اتنا حسین اور دلنشین ہوتا تھا اور آپ ایسے ایسے علمی نکتے ارشاد فرماتے کہ ذہن دنگ رہ جاتا تھا۔ کاش کہ حضرت کے یہ درس تحریری طور پر محفوظ ہو سکتے۔ فقیر نے ایک مرتبہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے واقعہ کی حدیث ریکارڈ کی تھی جو الحمد للہ محفوظ ہے۔ حضرت کا سینہ علم کا خزینہ تھا وہ بلا کے ذہین تھے، قوت حافظہ بے مثال تھا۔ مطالعہ کے بے حد شوقین تھے۔ میرے والد گرامی قطب دوران فقیہ زمان مفتی محمد خلیل خاں قدس سرہ نے ایک مرتبہ حضرت وقار الملۃ کی ذہانت اور شوق علم کی تعریف، فقیر سے یوں فرمائی کہ ''میاں مفتی وقار الدین صاحب جس زمانے میں بخاری شریف پڑھتے تھے۔ تو سبق پڑھنے کیلئے ''عینی شرح بخاری'' کا مطالعہ کر کے جاتے تھے جب کہ آج بہت سے پڑھانے والے بھی ''عینی'' کو نہیں دیکھتے۔ ایک ہم عصر عالم کا اپنے استاد بھائی کے بارے میں یہ تبصرہ بڑا

وزن رکھتا ہے۔ سچ ہے "ولی راولی می شناسد"۔ فقیر جب تک امجدیہ میں رہا، کوشش یہی ہوتی تھی کہ اکثر فارغ وقت حضرت سے کچھ پوچھنے یا ان کی صحبت میں گذرے۔ حضرت کی محبت تھی اور نظر عنایت تھی کہ آپ اپنے تلامذہ کے ساتھ استاد و شاگرد والا معاملہ نہ رکھتے تھے بلکہ اپنے بچوں کی طرح برتاؤ فرماتے تھے اور مجھ پر تو حضرت کی خاص مہربانی تھی۔ ہمیشہ مسئلہ کو دلائل سے سمجھاتے اور کتابوں کے صفحہ تک دکھایا کرتے اور کبھی ناراض نہ ہوتے۔ اور اس وجہ سے فقیر ان سے ہر مسئلہ بے دھڑک پوچھ لیا کرتا تھا۔ ۷۳ء میں فارغ ہونے کے بعد فقیر نے ڈھائی سال تک امجدیہ میں حضرت کی سرپرستی میں فتویٰ نویسی کی مشق کی۔ حضرت نے اس کام کیلئے فقیر کو اور مولانا عبدالعزیز حنفی کو منتخب کیا تھا۔ فقیر تو ۷۶ء میں اپنے والد گرامی کے فرمان پر حضرت سے رخصت لیکر حیدرآباد آ گیا، اور مولانا حنفی حضرت کے ساتھ آخر لمحہ تک لگے رہے، اس صحبت نے بالآخر مولانا حنفی کو مفتی وقت بنا دیا۔ فقیر بھی ہر دوسرے تیسرے ماہ بہت سے مسائل لیکر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا اور دیر تک آپ کی رائے معلوم کرتا تھا۔ آپ نہ صرف مکمل تشفی فرماتے بلکہ پوچھتے کہ کہاں سے آ رہے ہو؟ جب بتاتا تو فوراً چائے بسکٹ سے تواضع فرماتے اور مکمل حال و خیریت دریافت فرماتے۔ کئی مرتبہ حیدرآباد سے سائل آپ سے فتویٰ لینے کراچی حاضر ہوئے اگر مسئلہ میں کوئی الجھاؤ یا تحقیق حال مقصود ہوتی تو سائل سے فرماتے کہ پہلے حیدرآباد میں احمد میاں برکاتی سے مل لو اور پوری تحقیق کے بعد پھر میرے پاس آنا۔ پھر جو فقیر آپ سے ملنے حاضر ہوتا تو فوراً پوچھتے کہ "ارے وہ فلاں سائل کو تمہارے پاس بھیجا تھا وہ پہنچا یا نہیں"۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ حضرت سے جیسے ہی ملاقات

ہوئی فوراً پوچھا کہ تم نے وہ جو فلاں فتویٰ دیا ہے اس میں یہ بات کیسے لکھ دی'' فقیر عرض کرتا اور بتاتا تو بہت خوش ہوتے اور اس کو مزید سمجھاتے اور مزید اصلاح فرماتے۔

یہ حضرت کے ہی فیض صحبت وتلمذ کا اثر ہے کہ حضرت نے کبھی فقیر کے فتویٰ پر گرفت نہ فرمائی۔ ایک مرتبہ فقیر نے فتاویٰ رضویہ شریف سے ''عالم وقت کیلئے فسخ نکاح کا اختیار'' پر بہت دلائل نقل کیے اور حضرت کو دکھائے آپ نے فرمایا کہ ''یہ درست ہے کہ اگر قاضی وقت مطابق شرائط نہ ہو تو اعلم عالم وقت کو اختیار ہے کہ وہ فسخ نکاح کرائے، مگر اس اجازت کے باوجود نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، نہ صحابہ کرام کے زمانے میں اور نہ ائمہ ملت کے زمانے میں کسی قاضی نے کسی کا نکاح فسخ نہیں کیا۔ تو ہم کیسے اپنے زمانہ میں جانتے بوجھتے اس کام کو شروع کریں۔ کیا اس زمانہ میں زن وشوہر میں ایسا اختلاف نہ ہوتا تھا''۔ یہ حضرت کی احتیاط تھی کہ آپ نے باوجود اعلم عالم ہونے کے، اس اختیار کو پسند نہ فرمایا آپ ان اکابر میں شامل تھے جو سلف صالحین کے طریقے سے ذرہ بھر بھی ہٹنا پسند نہیں فرماتے تھے بلکہ اسے روا نہ رکھتے تھے۔

حضرت مفتی وقار الدین صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ علم وفضل، ولایت فقاہت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کے باوجود نہایت سادہ لباس اور سادہ دل تھے۔ قدحیہ نما دوپلی ٹوپی کلف شدہ آپ کے لباس کا مخصوص حصہ تھی۔ فتویٰ سے زیادہ آپ تقویٰ پر عمل فرماتے تھے اکثر گرمی میں آپ کے کرتے کے بٹن کھلے ہوتے۔ مگر سینہ بنیان سے ڈھکا ہوتا تھا۔ یہ آپ کی بے خودی کی نشانی تھی۔ آپ کسی امام مسجد کے بارے میں اس وقت تک فتوی نہ دیتے تھے۔ جب تک

فریقین کو بلا کر اصل معاملہ کی تہہ تک نہ پہنچ جاتے۔ اور اکثر مسئلہ صلح سے ہی حل ہو جاتا، امام بے قصور نکلتا اور یہ راز کھل جاتا تھا کہ یہ استفتاء محض ذاتی رقابت کیلئے تھا۔

حضرت علامہ وقار الدین صاحب قادری اور میرے والد گرامی میں بڑی محبت تھی۔ جب بھی والد گرامی کراچی تشریف لے جاتے حضرت سے مسائل پر ضرور گفتگو ہوتی تھی۔ اس محبت کا نتیجہ تھا کہ جب ماہ رمضان میں حضرت والد گرامی قدس سرہ کا وصال ہوا تو ۲۹ رمضان کو باوجود علیل ہونے کے حضرت مفتی وقار الدین صاحب، مفتی ظفر علی نعمانی کے ہمراہ علی الصبح حیدر آباد پہنچ گئے اور یہاں خلیل ملت کی نماز جنازہ پڑھائی۔

اعلیحضرت امام اہلسنت رضی اللہ عنہ کا فیض تھا کہ حضرت مفتی وقار الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بھی کتب فتاویٰ کے صفحات قطار میں کھڑے رہتے ہیں جب جہاں ضروری پڑی بلا تامل کتاب کھول کر فتویٰ میں عبارت کا نگینہ جڑ دیا۔

آپ کو یہ ملکہ حاصل ہوتا تھا کہ بیک وقت گفتگو بھی فرما لیتے اور فتویٰ بھی لکھوا دیتے تھے اور ذرہ بھر تشنگی نہ آتی تھی۔ بہت سے علماء وقت آپ سے اصلاح لیتے تھے آپ بیعت بھی فرماتے تھے۔ آپ کے مریدین میں بہت سے نامور پیر بھی شامل ہیں مثلاً دعوت اسلامی کے مرکزی امیر مولانا محمد الیاس قادری درحقیقت آپ ہی سے بیعت ہیں اور ان کے شجرے میں حضرت مفتی محمد وقار الدین قدس سرہ کا تذکرہ شعر میں موجود ہے۔

حضرت کے تلامذہ میں بہت سے مشاہیر علماء شامل ہیں۔ جو ملک کے

گوشہ گوشہ میں موجود ہیں۔ فقیر جب بھی آپ کے پاس حاضر ہوتا آپ دارالعلوم احسن البرکات کے بارے میں تفصیل سے ضرور پوچھتے اور خصوصی توجہ کیساتھ ماہ رمضان میں خصوصی تعاون فرماتے تھے۔ حضرت سے فقیر کا علمی تعلق آخر لمحہ تک رہا اور قلبی تعلق تادم مرگ فقیر رہیگا۔

یہ بے ربط سی چند سطریں اخی المحترم مولانا ریاض القادری آف کراچی کی فرمائش پر حیدرآباد سے کراچی آتے ہوئے ٹرین میں ایفائے وعدہ کیلئے قلم برداشتہ لکھیں ہیں۔

حضرت کے فضائل کے اظہار کیلئے ایک دفتر چاہئے۔ اس حسن اتفاق کا ذکر بھی فقیر کے لئے، فضیلت و شرف سے خالی نہیں ہے کہ جس کمرے میں، اب ممتاز المحدثین شیخ الحدیث حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ ماجد ازہری رحمۃ اللہ علیہ اور قدوۃ الواصلین حضرت علامہ مفتی محمد وقارالدین قادری رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات پرانوار ہیں۔ اس کمرے میں یہ فقیر عرصہ تین سال تک رہائش پذیر رہا ہے۔ بزرگوں کے مدفن پہلے ہی سے منبع فیوض و برکات ہوتے ہیں۔ اس نسبت سے بھی فقیر نے ان بزرگوں سے فیض حاصل کیا ہے۔ فللہ الحمد۔ اللہ رب کریم ان پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے (آمین)

فیض پائیگا زمانہ اب مزار پاک سے

فقیر قادری ابوحماد احمد میاں برکاتی غفرلہ الحمید

خادم الحدیث النبوی الشریف

دارالعلوم احسن البرکات

شاہراہ مفتی محمد خلیل خاں۔ حیدرآباد۔

حضور احسن العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان

یا الٰہی بہر حضرت مصطفیٰ حیدر حسن
حسن و صفوت کر عطا ان کے گدا کے واسطے

عارف باللہ بحر العلوم احسن العلماء حضرت مولانا مولوی حافظ قاری مفتی سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن المعروف حسن میاں صاحب مدظلہ سجادہ نشین درگاہ برکاتیہ مارہرہ شریف، وصی و جانشین حضور تاج العلماء قدس سرہ، خلف اصغر حضرت آل عبا رحمۃ اللہ علیہ ابن حضرت سید حسین حیدر شاہ کے ہیں۔ والدہ ماجدہ سیدہ شہر بانو بیگم بنت سید شاہ اسماعیل حسن صاحب تھیں۔ ۱۰ شعبان المعظم ۱۳۴۵ھ/ ۱۹۲۷ء شب یکشنبہ پیدا ہوئے۔ مارہرہ شریف کے مدرسہ قاسم البرکات میں ہی ابتدائی تعلیم حاصل فرمائی۔ بہت چھوٹی سی عمر میں قرآن کریم حفظ کر لیا۔ فارسی کی تعلیم کا آغاز گھر سے ہی کیا۔ اپنے خال محترم حضرت سید شاہ اولاد رسول محمد میاں صاحب قادری علیہ الرحمۃ سے علوم درسیہ مروجہ کا اکتساب کیا۔ اور تلمیذ رشید حضرت صدر الشریعۃ رحمۃ اللہ علیہ خلیل العلماء حضرت مفتی محمد خلیل خان قادری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۸ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ مدفون دربار جیلانیہ حیدر آباد سندھ) سے مارہرہ میں ہی منطق صرف ونحو اور ادب عالیہ میں کمال حاصل کیا۔ اس تعلیم میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ جب تاج العلماء کے ساتھ حضرت سید حسن میاں شاہ صاحب تبلیغی دوروں پر گوندل پور بندر اور ترسائی کاٹھیاوار وغیرہ تشریف لے جاتے تو حضرت مفتی محمد خلیل خاں صاحب

بھی درس وتدریس جاری رکھنے کیلئے ہمراہ جاتے تھے اور اس طرح سفر میں بھی درس کا ناغہ نہ ہوتا تھا۔ آپ کو تمام سلاسل خانوادۂ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ قدیمہ و جدیدہ نیز جملہ اذکار و اوراد و اشغال و مراقبات و مسلسلات و مصافحات اور اسانید قرات قرآن مجید وروایت حدیث نبوی وادعیہ معمولۂ خاندانی کی اجازت اور بیعت وخلافت اپنے خال محترم تاج العلماء شاہ محمد میاں سے ہے۔

آپ کی شادی ۱۹۴۹ء/ ۱۳۶۸ھ میں ہوئی۔ اولاد میں بحمد اللہ چار صاحبزادے امین ملت حضرت ڈاکٹر سید محمد امین میاں (علیگ)، (۲) اشرف ملت حضرت سید محمد اشرف (۳) افضل ملت سید محمد افضل، (۴) نجیب ملت سید محمد نجیب میاں ہیں۔ اول الذکر علی گڑھ یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں دوسرے اور تیسرے بھی اہم دینوی مناصب پر فائز ہیں۔ جب کہ مؤخر الذکر، اب خانقاہ برکاتیہ کے متولی و منتظم ہیں۔ ایک صاحبزادی ہیں سید محمد امین کے ہاں بھی ایک صاحبزادے سید محمد امان تولد ہو چکے ہیں۔ حضرت احسن العلماء نے اپنی زندگی بھی اپنے برادر مکرم سید العلماء حضرت سید آل مصطفیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرح تبلیغ دین کیلئے وقف فرما دی تھی اور اکثر تبلیغی دورے فرماتے رہتے تھے۔ خطیب کی حیثیت سے فصاحت وبلاغت میں ملکہ حاصل ہے۔ حق وصداقت کی خاطر آج تک ثروت وحکومت کا رعب قبول نہ فرمایا میدان شعر وسخن کے بھی شہسوار ہیں۔ نعت ومنقبت کے علاوہ بہاریہ میں بھی طبع آزمائی فرمائی ہے ایک شعر میں فرماتے ہیں

رضا کے غلامو چلو تم بھی آؤ
کہ تم کو رضا سے ملاتی ہے گاگر

مدائح مرشد کے نام سے آپکی ایک کتاب طبع ہو چکی ہے جس میں آپ نے اولیاء، خانقاہ برکاتیہ کے حضور مختلف شعراء کے نذرانے جمع فرمائے ہیں۔ حضرت کی تفصیلی سوانح راقم الحروف کے قلم سے علیحدہ بنام ''تذکرہ سید حسن میاں'' شائع ہو چکی ہے۔ صاحبزادہ سید محمد امین کی ایک کتاب ''شاہ برکت اللہ'' اور ترجمہ اردو سراج العوارف شائع ہو چکی ہیں۔

حضرت کا وصال ۱۴ ربیع الآخر ۱۴۱۶ھ کو مارہرہ شریف میں ہوا۔

حسان پاکستان

علامہ سید محمد مرغوب احمد اختر الحامدی علیہ الرحمتہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۴۰ھج/۱۹۲۱ء) کے مشہور و معروف سلام پر، حضرت مولانا اختر الحامدی رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء) نے تضمین لکھی تھی۔ استاذی المکرم حضرت علامہ مولانا اختر الحامدی ۱۴ر شعبان المعظم ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء کو جمعتہ المبارک کے روز اپنی ننہال جودھپور مارواڑ میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام ''محمد مرغوب'' (۱۳۴۰) تھا اور سادات سے تھے۔

پرورش ننہال میں ہوئی اور عربی فارسی کی ابتدائی کتابیں اپنے نانا جان مفتی سید راحت علی راحت قادری جیلانی علیہ الرحمتہ سے پڑھیں۔ پھر دار العلوم اسحاقیہ حنفیہ رضویہ میں داخل ہوئے۔ یہاں علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی رحمتہ اللہ علیہ اور علامہ غلام یزدانی علیہ الرحمتہ جیسے لائق اساتذہ سے دل کھل کر کسب علم و فضل کیا۔ درس نظامی کی تکمیل کر کے اردو فاضل کے امتحانات پاس کیے اور ۱۳۶۱ھ میں خلف اعلیٰ حضرت یعنی حجتہ الاسلام مولانا حامد رضا خاں رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) کے دستِ حق پر سلسلہ قادریہ میں بیعت ہو گئے۔ تخلص اختر تھا لیکن اس کے بعد اختر الحامدی کہلانے لگے۔

علامہ اختر الحامدی علیہ الرحمتہ شاعری میں نہ صرف حضرت مولانا یعقوب حسین بدایونی رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء) یعنی مولانا ضیاء القادری کے شاگرد تھے بلکہ ان کو اپنے استاد کے جانشین ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ اپنے دور میں مولانا ضیاء القادری علیہ الرحمتہ کا پاک و ہند میں نعت و مناقب کے میدان میں کوئی ثانی نہیں تھا لہٰذا ان کا جانشین ہونا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ ۱۷ر جولائی ۱۹۶۶ء کو مولانا نے اس بات کا اعلان کیا جس پر

حضرت اختر الحامدی نے فخریہ کہا: ؎

میں ہوا اختؔر ضیاء القادری کا جانشین

میرا شغلِ نعت گوئی میرے کام آ ہی گیا

علامہ اختر الحامدی کے مجموعہ نعت و مناقب کا ایک حصہ علامہ عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری مرحوم کی ترتیب و تدوین کے ساتھ ''نعت محل'' کے نام سے ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء میں پہلی بار منظر عام پر آیا۔ دوسرا مجموعہ انہوں نے ''نعت نگر'' کے نام سے مرتب کیا تھا۔ سنا تھا کہ اسے قاسم الرضوی صاحب یا کوئی اور مہربان منظر عام پر لانا چاہتے تھے لیکن افسوس کہ وہ شائع ہونے سے رہ گیا، اور ان کے وصال کے بعد ان کی اہلیہ کی سادگی کی وجہ سے، وہ کسی نے چرالیا یا خرید لیا۔ یہ راز، راز ہی رہا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ کے کمالِ شاعری پر ''امام نعت گویاں'' کے نام سے کتاب لکھی تھی جو ان کی زندگی میں ہی مکتبہ فریدیہ ساہیوال نے شائع کروادی تھی۔ موصوف ''حدائق بخشش'' کی شرح اور ''ہمارے اہل قلم'' کے نام سے ایک کتاب لکھ رہے تھے لیکن اپنی زندگی میں مکمل نہ کر پائے۔

علامہ اختر الحامدی علیہ الرحمتہ کے نعتیہ کلام میں عقیدہ رسول کا درس، عشق رسول منصب نبوت کا ادب و احترام و سوز و گداز کے ساتھ فنی لحاظ سے دیکھیے تو سلاست و روانی، زورِ بیان، فکر کی بلند پروازی، محاورات کی بندش، روزمرہ کا لحاظ، ضرب الامثال کا موقع و محل و حساب سے رکھ رکھاؤ، تشبیہات اور حسنِ تعلیل کی کرشمہ کاریاں جگمگاتی ہوئی نظر آئیں گی۔

مختلف نعتوں اور قصائد پر انھوں نے تضمینیں لکھی تھیں جن میں سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے لکھے ہوئے سلام پر تو ان کی تضمین کا جواب نہیں۔ یہ تضمین ''بہار عقیدت'' کے نام سے متعدد بار شائع ہو کر اہل حق کے ایمانوں کو تازگی بخشتی رہی اور یہ سلسلہ انشاء اللہ تاحیات جاری رہے گا۔ اہل سنت کی جس محفل میں اس تضمین کے ساتھ بارگاہ رسالت میں سلام عرض کیا جارہا ہو تو کیف و سرور کا ایک نرالا ہی سماں طاری ہو جاتا ہے۔

حق تو یہ ہے کہ علامہ اختر الحامدی ایک نہایت ہی قابل احترام فرد تھے۔ لیکن جو ان کی قدر ہونی چاہئے تھی وہ بالکل نہ ہوئی اور موصوف کرائے کے مکان میں رہتے ہوئے ہی اس جہانِ فانی سے عالم جاودانی کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضرت علامہ اختر الحامدی مثالی سنی، رضویت کی منہ بولتی تصویر، اعلیٰ حضرت کے عاشق زار، سچے عاشق رسول اور غیرت مند عالمِ دین تھے۔ ساری عمر تنگی میں گزاری لیکن کسی کے منت کش نہ ہوئے۔ سنیوں نے بھی اپنی روایات کے مطابق ان کی مطلقاً قدر نہ کی، ہاں ستانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ جس کا اظہار حضرت نے ایک خط میں اس طرح فقیر کے نام فرمایا، لکھتے ہیں:

۸۶/۷/۹۲ پنجشنبہ
۲۱/ذوالقعدہ سنہ ۱۴۰۰ھ
۲/اکتوبر سنہ ۱۹۸۰ء

اعز گرامی احمد میاں برکاتی سلمہ

سلام مسنون

ادعیہ صالحہ! مزاج بخیر

نہ جانے یہ کیسا دور ہے؟ کیسا انقلاب ہے؟ کہ اپنے اور بیگانے کی تمیز مشکل ہے، استادی وشاگردی اور بڑے چھوٹے کا رکھ رکھاؤ، خورد وکلاں میں فرق مراتب، ان سب کا تو قحط ہے، دنیا دکھاوے کی دوستی کو بھی آگ لگ گئی ہے، جھوٹی محبت بھی دفن ہو گئی، راجا رشید، قمر یزدانی، سرور بجنوری تو پھر بھی غیر ہیں مجھے ان کا کبھی ملال نہیں ہوا۔ ایسے چرکٹے شاگرد میرا کیا نام روشن کریں گے؟ نہ مجھے ان سے توقعات تھیں، نہ رہیں نہ ہونگی، مگر آپ تو میرے اپنے ہیں، لاہور روانگی سے قبل مجھے آپ علیل چھوڑ گئے تھے، فرض تھا کہ لاہور سے آتے ہی مجھ سے ملتے آپ متعدد مرتبہ گیارہ نمبر اور ایوب کالونی تشریف لائے اور دو قدم چل کر میری مزاج پرسی یعنی اپنے استاد کی مزاج پرسی نہ کر سکے۔ محمد میاں کی معرفت پیغام وسلام پہنچایا تاکہ آپ کی خلوص ومحبت کی حس بیدار ہو۔ ع

جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

اسکول گھر سے کتنی دور ہے؟ سائیکل پر جاتا آتا ہوں تاکہ روزی کا سلسلہ جاری رہ سکے۔ پھر کہیں نہیں آتا جاتا۔

والسلام اختر الحامدی

ایوب کالونی لطیف آباد نمبر ۱۱

حضرت مولانا مفتی احمد میاں برکاتی سلمہ

دار العلوم احسن البرکات

نزد ہوم اسٹیڈ ہال گاڑی کھاتہ، حیدرآباد، سندھ

یہ خط حضرت نے فقیر کو ڈاک سے روانہ کیا۔ اس زمانے میں پوسٹ کارڈ دس پیسے کا آتا تھا، پھر تیسرے دن، کاپی کے آدھے صفحے پر پنسل سے یہ شعر لکھ کر، ایک بچہ کے ہاتھ روانہ کیا۔

کس کڑے وقت میں پھیری ہیں نگاہیں تم نے
جب مجھے حوصلہ ترکِ تمنا بھی نہیں

فقیر، دوڑا گیا، سائیکل پر تھا، سردی کے باوجود پسینے میں شرابور تھا، جب ان کی مخصوص چارپائی پر جا کر بیٹھا، تو ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئے اور ایک دھپ لگایا، پھر پیار کیا بہت دعائیں دیں۔ فرمانے لگے "ابے نالائق! آتا رہا کر، ایک تو ہی تو میرا اپنا ہے، اور دیکھ جب آیا کر تو گیارہ نمبر کے اسٹاپ سے دو آنے کے پکوڑے بھی لے آیا کر" حضرت کو بیسن کے پکوڑے بہت مرغوب تھے۔

علامہ اختر الحامدی علیہ الرحمۃ، استاد کامل تھے۔ ان کی شاعری پر مہر خلیل ملت علامہ مفتی محمد خلیل خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح لگائی کہ اپنا دیوان اختر صاحب کو پہنچوایا، اور فرمایا کہ اس کی اصلاح کر دیں، حضرت اختر الحامدی نے کیا اصلاح فرمائی دیوان پر جابجا، ماشاء

اللہ اور سبحان اللہ کے طغرے سجا دیئے اور واپس کر دیا۔ اس طرح دو اساتذہ نے ایک دوسرے کا مرتبہ لوگوں کو دکھایا۔

حضرت عزیز حاصل پوری (ملتان) کو جب حضرت کے وصال کی خبر ملی تو بڑے مضطرب ہوئے اور دوسرے دن ایک مضمون قلم بند فرمایا جو ماہنامہ انوار الفرید کے شمارہ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ میں طبع ہوا۔ صاحب مضمون لکھتے ہیں:

مولانا سید اختر الحامدی الضیائی مرحوم کی وفات حسرت آیات کی خبر وحشت اثر پورے تین ماہ کے بعد ساہیوال کے جریدہ "الفرید" کے ذریعے معلوم ہوئی اور وہیں حواس کھو بیٹھا، کافی دیر تک رقت طاری رہی، اس کے بعد آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

مولانا سید اختر الحامدی مرحوم میرے نادیدہ دیرینہ دوست تھے۔ تقریباً پچیس سال سے سلسلہ مراسلت جاری تھا۔ ابتداء میں ماہ طیبہ کے توسل سے متعارف ہوئے۔ ماہ طیبہ میں مرحوم کی ہر مہینے ایک نعت شائع ہوتی تھی اور سلام رضا پر تضمین قسط وار چھپتی رہیں اور میرے ساتھ خط و کتابت کی ابتداء ان ہی کی طرف سے ہوئی۔

مرحوم کو شاعر "آستانہ" حضرت مولانا ضیاء القادری سے شرف تلمذ حاصل تھا اور کافی عمر تک ان سے اصلاح لیتے رہے۔ نعت گوئی کو اپنا مستقل موضوع سخن بنا کر پاک و بھارت میں ایک مقام پیدا کر لیا، جب ان کے استاد محترم مولانا ضیاء القادری کافی معمر ہو گئے تو مولانا اختر الحامدی نے راقم الحروف کی طرف رجوع کیا، شروع میں دو نعتیں اصلاح کے لئے ارسال کیں! لیکن میں اپنی کوتاہ علمی سے پوری طرح واقف تھا کہاں ان کا فصیح و بلیغ کلام اور کہاں میں؟ ع

"چہ نسبت خاک را با عالم پاک"

میں نے یہ بار عظیم اٹھانے سے گریز کیا تو ان کا اصرار اور بڑھ گیا یہاں تک کہ

انہوں نے اپنے استاد محترم کے دست مبارک سے میرے نام ایک خط لکھوا کر ارسال کر دیا، جس میں حضرت مولانا ضیاء القادری نے ارشاد فرمایا کہ میں کافی معمر ہو چکا ہوں۔ بینائی بھی تقریباً جواب دے رہی ہے اور ہاتھوں میں بھی رعشہ پیدا ہو رہا ہے۔ لہٰذا میں نے عزیزم اختر الحامدی کو اصلاح کے لئے آپ کی طرف متوجہ کیا ہے۔ آپ ان کے کلام کو دیکھ لیا کیجئے۔ میں آپ کی نعتیں اور غزلیں بھارت کے مقتدر اخبارات و رسائل میں پڑھ کر محظوظ ہوتا رہا ہوں۔

(خط واقعی رعشہ زدہ ہاتھوں کا تحریر کردہ معلوم ہوتا تھا)

چنانچہ ''الحکم مافوق الادب'' پر مجھے عمل کرنا پڑا، اور اختر الحامدی مرحوم کی تین چار نعتوں پر اصلاح کر دی وہ اصلاح انہوں نے حضرت مولانا ضیاء القادری کو دکھائی جو انہیں بہت پسند آئی اور مجھے شکریہ کا خط لکھا۔ اس کے بعد ایک طویل مراجیہ نعت ''جمال رسول'' پر اصلاح کی، اس میں دو تین مصرعے بھی تبدیل کئے، جس پر دونوں حضرات عش عش کر اٹھے اور دل کھول کر داد دی! بعد ازاں ان کو فارغ الاصلاح کر دیا گیا۔ اور استاد محترم نے اپنی وفات سے چند روز پہلے مولانا اختر الحامدی کو جانشین قرار دے دیا۔

مولانا اختر الحامدی مرحوم شاعر ہونے کے علاوہ ایک اچھے عالم دین، دینیات کے بہترین ٹیچر اور نہایت مخلص انسان تھے۔

''جمال رسول''، ''کمال رسول''، ''بہار عقیدت'' اور ''نعت محل'' آپ کی یادگار تصانیف ہیں

ہمارے مابین پچیس سال کا یہ طویل عرصہ ملاقات کی تمنا ہی میں گزر گیا۔ غالباً ایک دوسرے کو دیکھنا مقدر میں نہیں تھا .... آہ میری بدقسمتی؟

حضرت عزیز حاصل پوری نے تاریخ وصال اس طرح نکالی

"آہ علامۃ الادب مولانا سید اختر الحامدی مرحوم"

۸۱ ع ۱۹

"عزیز العصر شاعر بزم رسول"

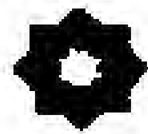
۰۱ ھ ۱۴

سونی سونی ہیں کیوں؟ نعت کی محفلیں چل بسے آہ، کیا؟ اختر الحامدی
میرے نادیدہ مخلص ترین دوست تھے یا خدا یا خدا! اختر الحامدی
آپ سے ایک ارماں ملاقات کا دل ہی میں رہ گیا، اختر الحامدی
کر گئے نعت گوئی میں پیدا مقام مرحبا مرحبا! اختر الحامدی
زندگی بھر رہا سازِ فنِ آپ کا سازِ صلی علیٰ! اختر الحامدی
قابلِ داد تضمین ہے آپ کی بر سلام رضا، اختر الحامدی
نعت کے حسن کا آئینہ دار ہے شعر شعر آپ کا، اختر الحامدی
جانشینِ ضیاء قادری ہوگئے! پاکے فن کی ضیاء اختر الحامدی

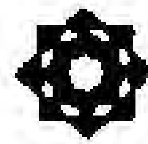
مصرع سال رحلت کہو تم عزیز

"آہ، یا حسرتا اختر الحامدی"

۸۱ ع ۱۹



یہ کون آج دنیا سے رخصت ہوا؟
یہ ماتم کی صف کس کی خاطر بچھی
عزیزؔ آہ کے لب سے تاریخ مرگ
کہو، "چل بسے اختر الحامدی"
۱۴ ھ ۱۰



حضرت سید اختر الحامدی علیہ الرحمتہ کا وصال یکم رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ بوقت افطار ہوا

ابر رحمت ان کی مرقد پر گہر باری کرے
حشر میں شاہ کریمی ناز برادری کرے

حضرت کے وصال کے بعد، ان کے بہت سے مداحوں اور شاگردوں نے، فقیر کو خطوط لکھے، جن میں سے چند ھدیہء قارئین ہیں، مگر سب سے پہلے، راقم الحروف اپنے والد گرامی خلیل ملت علیہ الرحمتہ کے تاثرات پیش کرتا ہے، جب فقیر نے حضرت کو یہ خبر سنائی تو آپ نے فرمایا:

خلیل ملت کا تاثر

"سید اختر الحامدی کے وصال سے ہمارے ملک میں علم و دانش کا ایک باب بند ہو گیا"

سید اختر الحامدی کے ایک شاگرد، جناب شہزاد احمد نے یوں لکھا:

برادر محترم حضرت مولانا احمد میاں برکاتی مدفیوضہم

سلام مسنون

مزاج بخیر۔

آپ کا خلوص نامہ ملا، حضرت مولانا اختر الحامدی رضوی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی خبر آپ جیسے ہونہار شاگرد کے ہوتے ہوئے جس دن حضرت کا وصال ہوا، مجھے اسی دن مل گئی تھی آپ کے توسط سے، آپ نے ورلڈ اسلامک مشن کراچی فون کیا تھا تو وہاں ایک صاحب فوراً بھاگے ہوئے میرے پاس آفس میں آئے اور یہ روح فرسا خبر سنائی اس خبر کے سنانے سے دو روز پہلے میری ان صاحب سے بات ہوئی تھی حضرت، اعلیٰ حضرت کے دیوان نعت ''حدائق بخشش'' کی مفصل شرح لکھ رہے ہیں اختر صاحب سے متعلق بہت سی باتیں ہوئی تھیں۔ وہ بڑے متاثر تھے پھر جب انھوں نے آکر یہ خبر سنائی تو بس حالت نہ پوچھئے۔ ایک مہینہ وصال سے پہلے میں حضرت کے پاس گیا تھا تو بڑی تفصیلی بات ہوئی تھی کہہ رہے تھے کہ دعا کرو میں ''حدائق بخشش'' کی شرح لکھ رہا ہوں وہ پوری ہو جائے اور لاہور میں مظہر صاحب سے ملاقات کا بتانے لگے اور انھوں نے کہا کہ یہ پوری کرلو تو تمہارا مدینہ کی حاضری کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ تو وہ شعر میں نے اسی مناسبت سے تحریر کیا تھا۔

اپنا تھوڑا سا تعارف کرادوں میں حیدرآباد میں ہی پیدا ہوا ہوں۔ پہلی جماعت سے لے کر نویں جماعت تک گورنمنٹ ماڈرن ہائی اسکول ۹ میں جس میں آپ کے چھوٹے بھائی محمد میاں نوری تھوڑے دن پڑھے ہیں وہیں سے میں نے میٹرک کیا ہے۔ سر نے اپنا تبادلہ ۱۹۷۴ء میں الرازی ہائی اسکول میں کرالیا تھا۔ اب آپ اندازہ لگالیں نو سال سر کی شفقت آمیز شخصیت کے سامنے گزارے میں بڑا خوش نصیب ہوں کہ کلاس کے سب لڑکوں میں سب سے زیادہ میری دھول، سر بہت جھاڑتے تھے جب بھی ان کا کسی کو مارنے کو دل چاہتا تو مجھے خوب پیٹتے (نور الرضا) گواہ ہیں اس بات کے۔ میں جب جمعہ کے بعد سنیچر کو اسکول جاتا تو سر کہتے کہ کل کونسا سلام پڑھا تو تھا میں کہتا تھا کہ فلاں تو سر کہتے تھے کہ اعلیٰ حضرت کا سلام پڑھا کرو۔ میرا نعتوں سے ذوق وشوق مسلک سے محبت حضور اعلیٰ حضرت کی عقیدت یہ سب سر کی دھول جھاڑنے کا نتیجہ ہے۔

حضرت اب کچھ آپ کے بارے میں، حیدر آباد بلکہ پاکستان میں کون ہے جو استاذ العلماء حضرت علامہ مفتی خلیل خاں برکاتی دامت برکاتہم العالیہ کو نہ جانتا ہو اور پاکستان تو کیا، اور ممالک کیا ترجمان اہلسنت کو بھول جائیں گے؟ جو اس پرفتن دور میں مسلک کی خدمت کر رہا ہے اور حافظ احمد میاں برکاتی مدظلہ کو کون بھول سکتا ہے کہ جن کی نعتیں مضامین آئے دن نظر کو نور اور دل کو سرور بخشتے ہیں اور جو دن رات قلم سے بدعقیدگی کے خلاف جہاد کر رہے ہیں یہ سب آپ کے قدیمی شاگرد ہونے اور استاد محترم اختر الحامدی رحمتہ اللہ علیہ کی نظرِ کرم اور والد ماجد کا فیض نظر ہے۔ بیشک آپ اختر الحامدی رحمتہ اللہ علیہ کے سب سے قدیمی شاگرد ہیں۔ اللہ آپ کی عمر دراز کرے اور مسلک اعلیٰحضرت کے خدمت کی مزید توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کو عمل اور خلوص کی توفیق فرمائے۔ (آمین)

میں نے اختر صاحب علیہ الرحمتہ کے متعلق تما افراد کو خبر دے دی ہے۔ ادیب رائے پوری، قمر الدین انجم، رشید پریمی اجمیری، پروفیسر شاہ فرید الحق اور بہت سے حضرات کو، ہر جگہ بلندئ درجات کے لئے دعا وغیرہ۔ ان لوگوں کی ایک بے حسی ملاحظہ ہو میں جمعہ ۱۰ر جولائی کو شاہ فرید الحق کے پاس گیا اور خبر سنائی بہت افسوس کیا کہنے لگے بھئی مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا۔ ورلڈ اسلامک کے دفتر میں فون آئے اور انھیں نہ پتہ چلے! تو میں نے کہا کہ حضرت جنگ میں چھوٹی سی خبر ہی لکھوا دیں ہاں کر دیا اب تک کچھ نہیں آیا کئی حضرات سے ملا مگر کوئی خبر نہیں لکھوا سکا۔

آپ کا استاد بھائی

شہزاد احمد عفی عنہ

بروز سنیچر۔ ۱۵ر رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ

مورخہ ۸ر جولائی ۱۹۸۱ء

پاکستان سنی رائٹرز گلڈ کا خط (لاہور)

راجا رشید محمود

جنرل سیکریٹری

تاریخ ۲۷ر جولائی ۱۹۸۱ء

اردو کے نامور نعت گو علامہ اختر الحامدی کی وفات کو ''پاکستان سنی رائٹرز گلڈ'' کی مجلس عاملہ نے نعت گوئی کے ایک باب کا اختتام قرار دیا۔ علامہ مرحوم مولانا ضیاء القادری کے جانشین تھے۔ ان کے مطبوعہ نعتیہ کلام ''نعت محل'' کے علاوہ ان کی ہزار ہا نعتیں غیر مطبوعہ ہیں۔ انہوں نے حضرت رضا بریلوی کی نعتوں کی تضمینیں کیں، خاص طور پر ان کے سلام کی تضمین زبان زد خاص و عام ہے اور ہند و پاک کی مساجد میں پڑھی جاتی ہے۔ ان کی کتاب ''امام نعت گویاں'' تنقید و تحقیق کا شاہکار ہے۔

راجا رشید محمود

جنرل سیکرٹری

(جناب راجا رشید محمود کا دوسرا خط)

برادر گرامی قدر آغا صاحب (فقیر برکاتی کو تمام شاگرد اور مریدین آغا جان کہہ کر پکارتے ہیں)

سلام و رحمت

آپ کے دو خط (ایک ملفوف اور دوسرا مکتوب مفتوح) آج ملے۔ دونوں میں پریشان کن خبریں تھیں۔ آپ کی بچی کی وفات کے متعلق تو چند دن پہلے پتہ چل چکا تھا اور میں نے عریضہ بھی لکھا تھا۔ جس کی رسید اختر الحامدی صاحب کے انتقال کی خبر کے کونے میں موجود ہے۔

علامہ اختر الحامدی کے انتقال سے نعت گوئی کی تاریخ کا ایک باب ختم ہو گیا ہے۔

نعت گوئی میں وہ بھی اس مقام پر تھے کہ دل و دماغ ان کی عظمت کو سلام کرتے ہیں۔

علامہ اختر الحامدی نے اعلیٰحضرت علیہ الرحمتہ کی روایت کو آگے بڑھایا ہے۔ انھوں نے نعت کہنے والے بزرگوں سے استفادہ کیا اور ذکر مصطفیٰ (علیہ التحیۃ والثناء) میں ان کے جوہر کھلتے ہیں۔ افسوس کہ وہ سینوں میں تھے اور ان ہی میں رہے۔ اگر دوسروں میں ہوتے تو ''پوجے جاتے۔''

والسلام راجا رشید محمود

حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری (لاہور)

محترم ومکرم حضرت مولانا احمد میاں برکاتی صاحب

سلام مسنون

آپ کا ارسال کردہ مکتوب حضرت اختر الحامدی رحمتہ اللہ علیہ کے وصال پر ملال کی خبر وحشت اثر لے کر موصول ہوا، اس اطلاع سے شدید صدمہ ہوا، بزم سخن ایک ایسے نعت گو شاعر سے محروم ہو گئی جو رضویت کا نمائندہ تھا۔

فقط والسلام شرف قادری

جناب قمر یزدانی۔ سیالکوٹ

۲۱ رشوال المکرم ۱۴۰۱ھ

بحمد اللہ تعالیٰ

اخی المحترم سلام مسنون

مزاج بخیر

کئی روز ہو گئے آپ کا گرامی مکتوب حسرت وغم کو اپنے جلو میں لئے ہوئے آیا۔

پڑھتے ہی دل و دماغ پر شدید ٹھیس لگی۔ حضرت علامہ اختر الحامدی علیہ الرحمۃ کا وجود مسعود ہمارے لئے باعث عز و افتخار تھا۔ موصوف کی بے وقت رحلت سے دنیائے علم و ادب خصوصاً محفل نعت میں جو خلا پیدا ہوا ہے، اس کی تلافی ناممکن ہے

والسلام قمر یزدانی

علامہ ناسخ سیفی

مدیر اعلیٰ روزنامہ سعادت۔ فیصل آباد

۱۳/۷/۱۹۸۱ء

مکرم و محترم مولانا احمد میاں برکاتی دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

مولانا اختر الحامدی کی وفات کا مجھے اور دیگر احباب کو زبردست رنج و غم ہے۔ نظام قدرت اٹل ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی نعت گوئی قبول فرمائے اور دامن رحمت میں جگہ دے۔ تعزیتی خبر شائع کردی گئی ہے۔ آج مالی امداد کے لئے بھی اپیل کی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ پسماندگان کی امداد کے لئے کوئی مستقل سبیل بنادے

طالب دعا: ناسخ سیفی

جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری۔ لاھور

محترم المقام حضرت مولانا صاحب زید مجدکم

سلام ورحمت

حضرت مولانا اختر الحامدی صاحب کی رحلت کی اطلاع آپ کے مکتوب سے ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ عظیم الشان نعت گو بھی رخصت ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ان مرحوم و مغفور کو جنت الفردوس میں بلند تر مقام عطا کرے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید

المرسلین ﷺ۔

حضرت اختر الحامدی کے تلامذہ ان کے کلام کو محفوظ کر دیں۔ یہی سب سے بڑی خدمت ہوگی۔

والسلام محمد موسیٰ عفی عنہ

پروفیسر فیاض احمد خاں کاوش۔ میر پور خاص

مکرمی ومحترمی برادر عزیز حافظ البرکاتی صاحب مدظلہ

وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مزاج اقدس

گرامی نامہ باصرہ نواز ہوا۔ آپ کی آمد کی خبر سے دل خوش ہوا۔ چشم ماروشن ودل ماشاد کہ کب تک آپ تشریف لائیں گے۔ امید ہے کہ زیادہ انتظار نہ کرائیں گے۔ میں تو بارہا آنے کی کوشش کرتا رہا مگر حالات نے اجازت نہ دی۔ مجبوریاں حائل ہوگئیں۔

خیر یار زندہ صحبت باقی!

استاذ گرامی حضرت علامہ اختر الحامدی کی وفات حسرت آیات سے صدمہ ہوا۔ یہاں آپ کا خط پاتے ہی دو تین جگہ قرآن خوانی کا انتظام کیا ہے۔ آپ حضرت مرحوم کے شاگرد خاص راجا رشید محمود کو بھی لاہور وہی خط ارسال فرما دیجئے، جسکی فوٹو اسٹیٹ کاپی آپ نے مجھے ارسال کی تھی۔

والسلام فیاض احمد کاوش

استاذ مکرم حضرت علامہ محمد حسن حقانی مدظلہ

نائب مہتمم: دار العلوم امجدیہ۔ کراچی

تاریخ ۱۶ر جولائی ۱۹۸۱ء

محترم جناب مولانا مفتی احمد میاں برکاتی زید مجکم

وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مکتوب گرامی موصول ہوا۔ علامہ سید محمد مرغوب اختر الحامدی صاحب کے انتقال پرملال کی اطلاع ملی بہت ہی افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ مرحمت فرمائے آمین۔ واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے اعلیٰ حضرت کے سلام پر جو تضمین لکھی تھی اس نے قبولیت عام حاصل کی۔ جیسے ہی آپ کا مکتوب ملا اسی وقت میں نے فاتحہ کی اور مفتی محمد ظفر علی صاحب نے ایصال ثواب کے لئے دعا فرمائی۔ میری طرف سے تعزیت قبول فرمائیں۔

مفتی صاحب قبلہ کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے والسلام

احقر العباد حقانی

مؤرخ اہلسنت، جناب محمد صادق قصوری۔ برج کلاں قصور

برادر گرامی قدر حضرت برکاتی صاحب

سلام ورحمت

آپ کے ہر دو گرامی نامے یکے بعد دیگرے ملے۔ مگر بوجہ علالت اور شدید مصروفیت جلد جواب نہ دے سکا۔ معذرت خواہ ہوں۔

حضرت اختر الحامدی اور آپ کی صاحبزادی کی رحلت کی خبر پڑھ کر دلی صدمہ ہوا۔ حضرت اختر الحامدی رحمتہ اللہ علیہ بہت بڑے عاشق رسول ﷺ اور نیک انسان تھے۔ میدان نعت میں ان کے کارنامے ہمیشہ درخشاں رہیں گے اور نژاد نو کے لئے مشعل راہ کا کام دیں گے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

والسلام محمد صادق قصوری

محمد یونس سرور بجنوری۔ فیصل آباد

مکرمی ومحترمی

السلام علیکم

مزاج گرامی

آپ کا نوازش نامہ موصول ہوا جس سے علامہ اختر الحامدی صاحب کے انتقال پر ملال کی خبر معلوم ہوئی۔ یہ خبر پڑھ کر بیحد صدمہ ہوا مرحوم مخلص انسان تھے اور ان کی وفات سے بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ خداوند کریم مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین

میں خود حیران تھا کہ ان کا بہت دنوں سے کوئی خط نہیں آیا، اچانک اس خبر سے بڑا صدمہ ہوا۔ مشیت ایزدی میں انسان بے بس ہے، سوائے صبر وشکر کے کوئی اور چارہ نہیں۔ آپ نے یہ اطلاع دے کر بڑا احسان کیا

والسلام نیاز بند

محمد یونس سرور

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب۔ کراچی

۱۲ر جولائی ۱۹۸۱ء

اخی العزیز زید مجدکم

وعلیکم السلام

مولانا اختر الحامدی علیہ الرحمتہ کے سانحہء ارتحال کی خبر برق ناگاہی ثابت ہوئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ! اللہ تعالیٰ مرحوم کو درجات عالیہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر واستقامت۔ آمین ثم آمین۔ احقر کی جانب سے اہل خانہ کی تعزیت کریں۔

چند ماہ پہلے احقر پروفیسر فیاض کاوش صاحب کے ساتھ مرحوم کے دولت کدے پر گیا تھا اور کچھ دیر ملاقات رہی تھی۔ یہ پہلی اور آخری ملاقات تھی۔ انا للہ وانا الیہ

راجعون!

اللہ تعالیٰ ان کی خدمت جلیلہ کو قبول فرمائے اور رمضان المبارک میں اپنے پاس بلایا، وہ اس سعادت کے مستحق تھے۔ مولیٰ تعالیٰ اور درجات بلند فرمائے۔ آمین!

حضرت والد ماجد مدظلہ کو سلام کہہ دیں

فقط والسلام

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

حضرت سید اختر الحامدی علیہ الرحمۃ ہندوستان سے آ کر حیدر آباد میں بس گئے اور آخری سانس تک سخی الجیلانی کا یہ شہر نہ چھوڑا۔ ابتدائی زمانہ میں وہ دار العلوم احسن البرکات میں، اردو، دینیات اور حساب کے مدرس رہے۔ وہیں راقم نے حضرت سے حساب وغیرہ سیکھا اور یہیں سے شاعری کا آغاز کیا۔

حضرت اختر الحامدی علیہ الرحمۃ صوری اور ظاہری طور پر نہایت سادہ تھے اور جسمانی طور بہت کمزور، لگتا تھا کہ پھونک مارو تو اڑ جائیں گے، سردی میں گرم رنگین لباس پہنتے تھے، اس پر کالی شیروانی اور کالی جناح کیپ ان کا امتیازی نشان تھا، مشاعرے میں جاتے تو اسی لباس میں ہوتے اور بغل میں دیوان ہوتا تھا۔ گرمی میں سفید قمیض شلوار اور یہی جناح کیپ ہوتی تھی۔ قد لمبا تھا، رنگ زمانے کے حوادث کی چکی میں پس کر، کافی گہرا ہو گیا تھا۔ ان کا ظاہری حال دیکھ کر انجان آدمی ہرگز ان کو نہ پہچانتا۔ جب پڑھتے، خوشنما آواز سے جادو جگاتے تھے۔ ظاہری پور پر ان کو سننا یا ان کا کلام پڑھنا، ان کو دیکھنے سے زیادہ بہتر تھا۔ ان پر یہ مصرعہ صادق آتا تھا۔ ع

تسمع بالمعیدی خیر من ان تراہ

''معیدی کو سننا، اس کو دیکھنے سے بہتر ہے''

فقیر نے ان کو کامل الصحۃ نہیں دیکھا، ہمیشہ مریض رہے، تنگدستی اور محتاجی ہمیشہ ان

کالباس بنی رہی۔ان کے اکلوتے صاحبزادے سید نورالرضا سلمہ الباری،ان کی خصوصی توجہ یا لاڈ کی وجہ سے جوہر قابل نہ بن سکے۔

ان کی اہلیہ بھی نہایت سادہ تھیں،فقیران کو تعظیماً ''چچی'' کہتا تھا۔جب بھی جاتا،فوراً چائے بنانے رکھ دیتی تھی۔کبھی میں پینا نہ چاہتا تو ناراض ہو جاتیں۔بس اسی طرح،کرایہ کے کمروں میں رہتے رہتے،حضرت کی زندگی گزر گئی۔

آخری مشاعرہ جس میں وہ شریک ہوئے،لطیف آباد ۱۰ میں جمالی صاحب کے گھر تھا،اور اس کی خصوصیت یہ تھی کہ خلیل ملت حضرت مفتی محمد خلیل خاں خلیل مارہروی اس میں بحیثیت صدر مشاعرہ شریک ہوئے اور اپنا کلام پڑھا،جس کا پہلا مصرعہ ہے۔

کھنچا جاتا ہے دل سوئے حرم پوشیدہ پوشیدہ
تصور میں قدم بڑھنے لگے لغزیدہ لغزیدہ

سید اختر الحامدی علیہ الرحمتہ نے دارالعلوم احسن البرکات کے معارف ومحاسن پر بھی ایک نظم لکھی،جس کا مطلع ہے۔

ہوئی جہاں پہ عیاں شان احسن البرکات

جب حضرت خلیل ملت حج پر تشریف لے گئے،تو حضرت اختر الحامدی نے جاتے وقت اور آنے کے بعد بھی اشعار کے گلدستے پیش کیے اور فریم کروا کے حضرت کو پیش کیے۔

فقیر راقم الحروف کی نشرح پر بھی اختر الحامدی نے تیرہ اشعار پر مشتمل نظم لکھی،جس کا مطلع ہے۔

الطاف کبریا کی گھٹا چھا رہی ہے آج
گلزار آرزو میں بہار آرہی ہے آج

ایک شعر حاضر ہے،

احمد میاں نے پایا ہے اعزاز حفظ کا
تقدیر اپنے اوج پر اترا رہی ہے آج

مقطع یہ ہے،

سہرے کے پھول ہیں کہ مکمل بہشت عطر
اختر عروس حسن بھی شرما رہی ہے آج

تاریخ نکالنے میں بھی، حضرت اختر الحامدی کا جواب نہ تھا، وہ اس میدان میں اساتذہ کے اندر، اپنے رنگ کے منفرد اور یکتا ہیں۔ اسی تقریب نشرح کی دو تاریخیں اسطرح نکالیں

''جلسہ حکمت پناہ حفظ قرآن'' (۱۹۶۳ء)
''محفل غلام محی الدین'' (۱۳۸۲ھ)

فقیر کا اصل نام والد گرامی علیہ الرحمتہ نے ''غلام محی الدین خان'' رکھا اور عرفیت احمد میاں رکھی۔ جب فقیر راقم الحروف کے ہاں پہلے بیٹے حماد رضا کی ولادت ہوئی تو حضرت نے تاریخی نام ''معروف رضا/ ۱۳۹۷ھ'' تجویز فرمایا اور کہ ہمارے اور تمھارے مشائخ میں خواجہ معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ ہوتے ہیں، ان کی اور اعلحضرت ؒ کی نسبت پر یہ نام رکھو۔ بعد میں جب عزیزم مولانا حماد رضا خاں سلمہ یمن سے پڑھ کر ۲۰۰۱ء میں واپس آئے، تو خواب میں فقیر سے کہا گیا کہ، اس نوجوان کو ''معروف العلماء'' کا خطاب دو، چنانچہ فقیر نے اس کا اعلان کر دیا۔

حضرت اختر الحامدی علیہ الرحمتہ، نہایت سادگی کے ساتھ، تشریف لے گئے اور حضرت خواجہ بایزید کی طرح اپنی قبر بھی چھپادی ،خواجہ بایزید بسطامی ؒ نے اپنی قبر برف میں چھپالی تھی، پھر خود ہی پکار کر، نشان بتادیا مگر سید اختر الحامدی علیہ الرحمتہ، لطیف آباد ۱۱ کے قبرستان میں، ایسے چھپے ہیں کہ کسی کو اپنی قبر تک نہیں بتاتے، فقیر نے کئی بار چاہا کہ مرقد انور کو پختہ کرادوں مگر، پتہ نہ چلا، ہاں وہ حصہ تو معلوم ہے، جہاں آپ کی لحد بنی تھی، مگر قبر چھپ گئی ہے اور کوئی نشان نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص اس کے قریب جانا چاہے تو اس طرح جا سکتا ہے کہ

لطیف آباد ۱۱ کی پہاڑی پر چڑھے اور دائیں جانب جو اسکول بنا ہوا ہے، اس کے ساتھ گلی میں مڑ جائے تو قبرستان کا دروازہ بصورت محراب بنا ہوا ہے، وہیں سے سیڑھیوں سے اترے، اترتے ہی سامنے کی جانب پچاس قدم چلے، اسی جگہ حضرت کی آرام گاہ ہے بس یہیں سے فاتحہ پیش کرے۔

حضرت قاری محمد مصلح الدین صدیقی علیہ الرحمۃ

میرے استاذ مکرم ومحترم مصلح اہلسنت حضرت مولانا قاری محمد مصلح الدین صدیقی قادری علیہ الرحمۃ بروز پیر ۱۱؍ ربیع الاوّل ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۷ء قندھار شریف ضلع ناندیڑ، ریاست حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے۔ حافظ ملت کے زیر سایہ قرآن کریم حفظ کیا اور ان ہی کے زیر سایہ مبارک پور میں علوم دینیہ سے ۱۹۴۰ء میں فراغت حاصل کی۔ صدرالشریعۃ کے دست اقدس پر ۱۳۵۸ھ میں بیعت ہوئے اور بخاری شریف کی آخری حدیث صدرالشریعۃ سے پڑھ کر ان سے بھی شرف تلمذ پایا۔ آپ کو مفتی اعظم ہند اور حضرت مولانا ضیاء الدین ﷫ سے بھی خلافت حاصل ہوئی اور حضرت صدرالشریعۃ نے بھی خلافت سے نوازا۔ سقوط حیدرآباد کے بعد آپ ۱۹۴۹ء میں بحری جہاز کے ذریعہ کراچی آگئے۔ اخوند مسجد میں امامت و خطابت شروع کی اور آخر تک وہیں رہے۔ درمیان میں ضرورتاً آپ ڈیڑھ سال واہ کینٹ میں بھی خطیب رہے۔ آپ نے بارہ حج کئے، آخری عمر میں آپ میمن مسجد کھوڑی گارڈن میں خطیب مقرر ہوئے اور وہیں آپ کا مزار بنا، آپ کا وصال ۷؍ جمادی الاخری ۱۴۰۳ھ/ ۲۳؍ مارچ ۱۹۸۳ء بروز بدھ شام ساڑھے چار بجے ہوا۔ آپ کے روضے کا گنبد، بریلی شریف کے رضوی گنبد کا مثنیٰ، اہل محبت کی نگاہوں کا مرکز ہے۔ (برکاتی)

• وہ خاتون اپنی چادر میں لپٹ کر کراچی کے مدرسہ میں حاضر ہوگئیں اور اپنی مطلوب شخصیت کو پیغام بھجوایا کہ ملاقات کی متمنی ہوں۔ ساتھ ہی اپنا تعارف بھی بھجوادیا، شخصیت نے

جواباً فرمادیا کہ مدرسے میں خواتین سے ملاقات نہیں کرتا، آپ فقیر کے غریب خانے پر تشریف لائیں، چنانچہ شام کو وہ خاتون اپنی ایک اور ساتھی کے ہمراہ، شخصیت کے دولت خانہ پر حاضر ہوگئیں۔ یہ حضرت اپنے وقت کے ولی کامل اور بزرگوں کی صفات کا مظہر تھے۔

سب سے بڑے شہر کی ایک بڑی مسجد کے خطیب اور مرکز روحانیت تھے۔ ان کو مسجد میں پیغام بھجوایا گیا کہ صبح والی خاتون حاضر ہوگئی ہیں، حضرت بھاگے بھاگے تشریف لائے، دولت کدہ میں داخل ہوئے، گھستے ہی فرمایا ''گھر کے اندر چلیں آپ کا تعلق ہمارے پیروں کے شہر سے ہے۔'' اھل خانہ سے تعارف کرایا۔ آنے والی خاتون فقیہہ زماں مفتی اعظم سندھ و بلوچستان حضرت علامہ مفتی محمد خلیل خاں برکاتی قدس سرہ کی ماموں زاد بہن تھیں۔ اور شاہ فیصل کالونی میں رہتی تھیں اور بزرگ عارف باللہ، حضرت علامہ قاری مصلح الدین علیہ الرحمتہ تھے۔ خاتون نے اپنا تعارف کرایا اور بتایا، کچھ مسائل ہیں، حیدرآباد بھائی کے پاس گئی تھی، وہ سخت علیل ہیں لہذا انھوں نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ حضرت نے پوری توجہ سے مسائل سنے۔ فرمایا: ''آپ مارہرہ شریف کی رہنے والی ہیں، آپ خلیل العلماء کی ھمشیرہ ہیں، آپ کے ہم پر بہت حق ہیں'' اسی وقت پہلے نقوش وتعویذات ضرورت کے تحت عنایت فرمائے۔ پھر خوب خاطر تواضع فرمائی، تب جانے دیا۔ خاتون خلیل العلماء کی نہ صرف ماموں زاد بہن تھیں بلکہ ان کے برادرنسبتی وکیل احمد خان کی اہلیہ بھی تھیں۔ پھر تو راستہ کھل گیا اور اکثر ان کی حاضری، حضرت کے گھر ہو جاتی۔ خاتون بیان کرتی ہیں کہ جب بھی قاری صاحب کے گھر جاتی ہمیشہ اعلیٰ تواضع فرماتے اور سب سے پہلے مجھے وقت دیتے تھے۔ یہ خاتون خود، حضرت سید العلماء علامہ سید آل مصطفیٰ علیہ الرحمتہ سجادہ نشین حضرت سید شاہ ابوالحسن احمد نوری میاں قدس سرہ کے ہاتھ پر بیعت تھیں۔ جب قبلہ قاری صاحب سے ملاقات ہوتی تو مارہرہ شریف کے بہت سے واقعات سنایا کرتیں۔ حضرت قاری صاحب قبلہ نہایت، غور واطمینان سے سنتے تھے۔ فرماتے تھے۔ ''ان باتوں میں گلوں کی خوشبو آتی ہے۔''

یہ خاتون اب بھی شاہ فیصل کالونی میں رہائش پزیر ہیں۔ ان کے گھر حضرت احسن العلماء۔ حضرت سید العلماء۔ علامہ عبدالمصطفیٰ ازھری، خلیل العلماء علیھم الرحمتہ والرضوان اور بہت سے علماء تشریف لاتے رہے۔ حضرت امین البرکات ڈاکٹر سید امین میاں برکاتی مدظلہ کئی بار تشریف لائے۔ حضور احسن العلماء کی اھلیہ ''اماں جان'' جب جب پاکستان آتی ہیں، تو ضرور ان کے گھر، خود پہنچ جاتی ہیں اور ان کے باورچی خانہ میں، خود اپنے ہاتھ سے کھانا بنا کر کھلاتی ہیں۔ خاتون کا پورا گھر مشائخ مارھرہ شریف سے بیعت ہے۔ ان کے والد رفیق احمد خان مرحوم، خلیل العلماء کے حقیقی ماموں. ، وضعدار شخصیت تھے، مارھرہ شریف افغان روڈ پر ان کا مکان آج بھی موجود ہے، قبلہ قاری صاحب علیہ الرحمتہ بھی ان کے گھر شاہ فیصل کالونی میں کئی بار تشریف لائے۔ حضرت قاری صاحب ایک بہترین استاد اور اعلیٰ مدرس بھی تھے۔ بزرگوں کی نسبتوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ان کے پاس ضرور تمندوں کا، ہر وقت جھمگھٹا لگا رہتا تھا اور ہر شخص کو بلا کسی امتیاز آپ نقوش عطا فرماتے رہتے تھے۔ راقم الحروف جب کبھی، اسباق سے فارغ ہو کر امجدیہ میں، حضرت کے کمرہ درس میں حاضر ہوتا، تو آپ فارغ وقت میں اکثر تعویز لکھتے نظر آتے، قاری مصلح الدین علیہ الرحمتہ کو اپنے شاگردوں سے بھی بڑی محبت تھی، فقیر کو بھی ان سے نسبت تلمذ حاصل ہے۔ جلالین شریف کے تیس سپارے حضرت سے پڑھے، مشکوٰۃ شریف کا مکمل درس حضرت سے لیا۔ حضرت کا انداز تدریس خوب تھا۔ بر محفل اشعار بھی سنایا کرتے تھے اور جہاں ضرورت چاہتے، وہاں لطیفوں سے کام لیتے، ان کے پاس پڑھنے والا کوئی شاگرد بھی اکتاتا نہ تھا۔ فقیر جب دارالعلوم امجدیہ میں داخل ہوا تو یہ ۱۹۶۶ء کی بات ہے، پہلے ہی سال ششماھی امتحان کا موقع تھا۔ حضرت کے پاس امتحان کیلئے فقیر کا شرح جامی کا پرچہ تھا، وقت امتحان غالباً دو گھنٹہ تھا۔ فقیر راقم الحروف نے یہ پرچہ صرف تیس ۳۰ منٹ میں حل کر دیا۔ اور پیش کر دیا۔ حضرت نے فرمایا بھئی لکھ دیا۔ عرض کیا۔ ''جی حضور'' فرمایا، ''میاں ابھی تو بہت وقت ہے اور لکھ لو''، عرض کی حضور جو پوچھا تھا وہ تو لکھ دیا۔

اب کیا لکھوں، فرمایا تعجب ہے اور اسی وقت پرچہ چیک کرنا شروع کردیا۔ جواب پڑھتے جاتے اور مسکراتے جاتے۔ فرمایا جایئے میاں، ماشاء اللہ عمدہ لکھا ہے۔ پھر آپ نے سو نمبر دیئے، پرچہ پر نمبر ڈالے اور آخر میں ایک نوٹ لکھا۔ یہ لڑکا ایک سو ایک ۱۰۱ نمبر کا مستحق ہے، مگر میرے پاس، چونکہ صرف ایک سو نمبر ہیں اس لئے سب دے رہا ہوں۔ اس کے بعد تو حضرت کی خصوصی توجہ، ہمیشہ فقیر پر رہی اور تادم آخر فقیر پر شفقت فرماتے رہے۔ امجدیہ میں کئی مرتبہ اپنی چائے فقیر کو پلادیتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت قاری صاحب علیہ الرحمتہ علامہ مفتی محمد ظفر علی نعمانی مدظلہ کے ہمراہ سانگھڑ، مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں تشریف لے گئے۔ فقیر کو شرکت کا موقع مل گیا۔ اور یہ حضرت کا کرم تھا کہ فقیر باوجودیکہ ان دنوں طالب علم تھا۔ پھر بھی حضرت نے اپنے کمرہء خاص میں فقیر کو ساتھ رکھا۔ اسی کمرے میں رات گزری۔ فجر پڑھ کر فقیر کمرے کے باہر بیٹھ گیا۔ حضرت کمرے کے اندر تھے، کچھ دیر کے بعد کمرے کے اندر سے کسی کو مارنے کی آوازیں آنے لگیں...... میں چونکا صبح صبح کون پٹ رہا ہے، شاید کوئی بچہ پڑھ رہا ہو اور استاد سزا دے رہے ہیں؟ لیکن جلسہ کا موقع تھا، پڑھائی کی چھٹی تھی، جب مجھ سے رہا نہ گیا تو تجسس کے جذبہ سے کمرے میں داخل ہوگیا، کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت قبلہ قاری صاحب اپنے پیٹ پر مسلسل گھونسے مار رہے ہیں۔ آنکھیں بند ہیں کچھ دیر یہ منظر دیکھا، پھر باہر آ گیا۔ جب آواز آنی بند ہوگئی تو پھر اندر حاضر ہوا۔ اور بے دھڑک ماجرا پوچھا؟ حضرت کی پدرانہ شفقت نے فقیر کو اور دیگر تلامذہ کو بے تکلف بنا دیا تھا۔ حضرت نے جواباً فرمایا۔ میاں یہ نفس موٹا ہوگیا ہے اس کو مار رہا تھا تاکہ کچھ ہلکا ہوجائے، بزرگوں کی شان یہی ہوتی ہے۔ حضرت کا جسم چونکہ بھاری تھا۔ تو اس کو نفس کی موٹائی سے تعبیر فرما رہے تھے۔ حضرت قبلہ قاری صاحب علیہ الرحمتہ کے پاس جنات کا اکثر آنا جانا ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک صاحب کا تعارف ہمیں یوں کرایا یہ صاحب روزانہ عصر ہمارے یہاں پڑھتے ہیں۔ اور مغرب حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ

اللہ علیہ کے ہاں پڑھتے ہیں۔ اس وقت تو ہم کچھ نہ سمجھے کہ اس بات کا کیا مطلب ہے؟ جب وہ چلے گئے تو بتایا کہ یہ جنات میں سے تھے۔ اور تقریباً روزانہ حاضر ہوتے ہیں۔ ابدال زمانہ سے بھی، آپ کے روحانی رابطے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ مولوی فیض اللہ چاٹگامی نے پوچھا کہ حضرت ہر علاقہ کا ایک قطب ہوتا ہے جس کے ذمہ، اس علاقہ کے امور ہوتے ہیں۔ کراچی کا قطب آج کل کون ہے؟ اور کراچی کس کے حوالے ہے؟ فرمایا ٹاور سے آگے، نیٹی جیٹی کا پل ہے۔ وہاں پل پر ایک خاتون بیٹھی ہیں آج کل کراچی ان کے حوالے ہے، مولوی فیض اللہ اور چند ساتھی جستجو کے ساتھ وہاں پہنچے، دیکھا کہ بہت رش ہے، اور لوگ کھڑے ہوئے ہیں اور وہ بزرگ خاتون آڑھی ترچھی لکیریں بنا کر لوگوں کو دے رہی ہیں۔ یہ لوگ رش کی وجہ سے واپس آ گئے کہ پھر کسی دن فرصت سے آئیں گے۔ دوبارہ وہاں گئے تو وہ خاتون وہاں سے کہیں اور تشریف لے جا چکی تھیں۔ تلاش بسیار کے باوجود نہ ملیں۔

کھوڑی گارڈن کی مسجد میں خطابت سے پہلے آپ اخوند مسجد میں خطیب وامام تھے۔ یہ مسجد ان دنوں صرف نچلی جگہ میں تھی اور بہت چھوٹی سی تھی۔ آج بھی قدیم جگہ موجود ہے اور اوپر عظیم الشان مسجد ہے۔ جمعہ میں کثیر رش ہوتا تو آس پاس کی سڑکیں نمازیوں سے بھر جاتیں۔ جب بھی حضور احسن العلماء علیہ الرحمتہ مارہرہ شریف سے کراچی تشریف لاتے تو حضرت کے ہاں جمعہ ضرور پڑھاتے تھے۔ ایک بار جب جمعہ پڑھایا تو بعد جمعہ صلوۃ وسلام کے بعد دعا حضرت قاری صاحب نے فرمائی اور اس میں اعلیٰ حضرت کی مشہور مناجات پڑھی۔ بعد میں حضور احسن العلماء نے فقیر کے ہاتھ ایک پیغام قبلہ قاری صاحب کو بھجوایا۔ قاری صاحب نے اس کو قبول فرمایا اور بہت شکریہ ادا کیا۔ فقیر نے وہ سارا وقعہ بالتفصیل ''تذکرہ سید حسن میاں'' میں بیان کیا ہے۔

آہ! اب وہ محفلیں ختم ہو گئیں۔ بزرگوں کا سایہ ظاہری ہم سے اٹھ گیا۔ مگر حضرت کے عظیم الشان گنبد کو مصلح الدین گارڈن میں دیکھ کر آج بھی، ان کی عظمت کے نشان

زندہ نظر آتے ہیں۔ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

ابوحماد مفتی احمد میاں برکاتی

۱۹/ جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ

۸/ جولائی ۲۰۰۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

فقیہ ملت خواجہ مفتی امام الدین قادری رتوی قدس سرہ

سخاوت تیری جہان اندر
تعریف تیری ہر زبان اندر

(شجاع الدین)

علمائے ربانیین وہ ہوتے ہیں جن کے نقوش پا متعلقین کیلئے مشعل راہ ہیں ان کی روحانی تربیت اور تعلیم توکل، تقوی اور اخلاص پر مشتمل ہوتی ہے اور یہ خود ان اوصاف پر عمل کر کے اپنا جانشینوں اور حلقۂ متوسلین کیلئے ایسا نمونہ چھوڑ جاتے ہیں جو ذہن سے نہیں نکلتا۔ لیکن اب ایسے چاند تارے چھپتے جا رہے ہیں اور اہل دنیا ان کی کرنوں سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ جو جا رہا ہے، جگہ خالی چھوڑے جا رہا ہے۔ لیکن یہ لوگ ان صالحین کے زمرے میں ہیں کہ جن کے ذکر کے وقت رحمت خداوندی نازل ہوتی ہے۔ تو آیئے ایک ایسے ہی مرد صالح اور امام وقت کا تذکرہ کریں۔

پاکستان کے دارالخلافہ اسلام آباد سے تقریباً 99 کلومیٹر کے فاصلے پر ایک قدیم شہر چکوال بہت معروف ہے۔ یہ علاقہ دھنی کا مرکزی مقام ہے اور اب ضلعی ہیڈ کوارٹر اسی ضلع میں ایک زرخیز حصہ ''رتہ شریف'' کے نام سے مشہور ہے۔ جہاں اولیائے زمانہ آرام فرما ہیں۔ ''شان حضوری'' کے مصنف محمد اشرف گوندل رتہ شریف کے بزرگوں کے بارے میں کہتے ہیں۔

ہے چکوال تحصیل اندر دامن وچ پہاڑاں
بھونوں مغرب قطب کہاروں لاندے ہیں حطاراں

سوہنا روضہ سجیا ہو یا دروں پیار سیوے
ہیٹ ڈیرے اولیا نواں لائے قبر جہاں دی جیوے

اسی مردم خیز زمین میں ، امام اولیاء حضرت علامہ مفتی امام الدین نقشبندی تقریباً ۱۲۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وتربیت کے بعد حصول علم کا مزید شوق آپ کو کشاں کشاں للہ شریف لے گیا جہاں خواجہ غلام نبی صاحب سے تعلیم لینی شروع کی لیکن چونکہ آپ مادرزادولی تھے اس لئے سبق کے ہر جملے میں آپکو عرفان نظر آتا اور آپ عالم استغراق میں چلے جاتے۔ کئی دن تک یہ سلسلہ رہا، آخر حضرت خواجہ للہی نے فرمایا آپ درس نظامی کسی اور جگہ پڑھ لیں بعد میں کتب تصوف میں پڑھا دونگا۔ دراصل اہل اللہ کی تعلیم میں ہر تقریر وتحریر میں عرفان کے وہ چشمے پھوٹتے ہیں کہ سننے والا حقیقت ومعرفت کے دریا میں غوطے لگانے لگتا ہے اور وہ دنیا اور اہل دنیا سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ حضرت علامہ میر عبدالواحد بلگرامی جد اعلیٰ سادات مارہرہ شریف نے جب کافیہ کی شرح لکھی تو ان کی افتاد طبع نے اس بارے میں ایک نئی راہ نکالی جو شارحین کافیہ میں سے کسی کو آج تک نہ سوجھی تھی۔ یعنی انہوں نے متن نحو سے تصوف کے مسائل کا استخراج کیا۔ ان کی شرح دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ابن حاجب کی کتاب کافیہ نحو میں نہیں بلکہ عالم تصوف کا خلاصہ ہے جس کو فاضل

شارح اپنے زور بیان سے مفصل و مدلل کرتے چلے جا رہے ہیں یہ وہ کرامت ہے جو خود مصنف کتاب کے حاشیہ خیال میں بھی نہ آئی ہوگی بھلا نحو کے مسائل سے تصوف کے مسائل کا نکالنا کوئی آسان کام ہے؟ یہ خدمت صرف وہی شخص انجام دے سکتا ہے جس کو قدرت نے غیر معمولی طباعی اور ذہانت سے نوازا ہو۔ میر عبدالواحد سید السادات بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور تصنیف ''سبع سنابل شریف'' مقبول بارگاہ رسالت ہے اور بقول راقم الحروف کے والد ماجد مفتی محمد خلیل خاں برکاتی قدس سرہ اس کتاب میں تصوف کے بعض مسائل ایسے ہیں جنکو پڑھ کر پسینہ آجائے۔ حضرت مفتی امام الدین قدس سرہ بھی جب سبق سنتے تو وہ معرفت الٰہی کے ایسے جلووں میں گم ہوجاتے کہ اصل سبق رہ جاتا۔

بہر حال مفتی صاحب ارشاد عالیہ کی تکمیل میں میکی ڈھوگ جو کہ پنڈی گھیب سے نزدیک ہے تشریف لے گئے اور جملہ علوم وفنون کی کتب متداولہ کی تکمیل فرمائی۔ بعد میں آپ پھر حسب الارشاد حضرت خواجہ للہ شریف آگئے اور یہاں تصوف کی کتابیں پڑھیں عرصہ تک آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر رہے اور بالآخر شیخ کی محبت رنگ لائی اور مفتی صاحب خواجہ للہی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے، حضرت خواجہ للہی نے آپکو سلسلہ قادریہ نقشبندیہ میں خلافت و اجازت سے بھی نوازا۔ وہاں سے آپ واپس رتہ شریف تشریف لے آئے اور درس وتدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔ آپ کے درس میں ہر وقت بیس پچیس طلبہ رہا کرتے تھے جنکی مہمانداری آپ اپنی زمین سے آنے والے غلہ سے کیا کرتے تھے۔

منور ہو رہا ہے فیض سے رتہ کا ہر ذرہ

گدا کو تاجور کر دے یہ تیری شان ہے مفتی (رتوی)

مفتی امام الدین صاحب اپنی ذات میں انجمن تھے وہ متواضع، منکسر المزاج، دائم الذکر، دائم الفکر، صاحب استغراق، ہر دلعزیز عالم، اہل علم کے قدر دان اور قطب دوراں تھے۔ سینکڑوں تشنگان علم دور و دراز سے ان کے ہاں پہنچ کر علم و فن سے مستفید ہوتے۔

آپ نے رتہ شریف واپس آ کر اس جگہ کو مرکز خلائق بنا کر مخلوق خدا کی اصلاح و ہدایت کیلئے ظاہری علوم کے علاوہ باطنی علوم و فیوض کے وہ چشمے جاری فرمائے جن سے مخلوق خدا آج بھی مستفیض ہو رہی ہے۔ آپ کی یہاں آمد سے پہلے اس علاقہ میں مذہبی مشعلیں ماند پڑ چکی تھیں۔ ضلالت و ظلمت کا دور دورہ تھا شرک و بدعت پھیلتی جا رہی تھی۔ آپ نے اپنے مخصوص انداز اور جدت طبع سے عشق و محبت کی ایسی شمعیں روشن کیں کہ آپ کی تبلیغ سے مرد تو کیا عورتیں بھی حافظ قرآن ہو گئیں۔

علماء و مشائخ نے آپ کی ان ہی خوبیوں کی بناء پر آپ کو بہت سے القاب سے نوازا۔ امیر طریقت، رہبر شریعت، سراج السالکین، عظیم المرتبت، کریم النفس، صاحب روحانیت، محافظ الامور الشریعۃ، صالح شریعت، سالک طریقت۔ یہ وہ حسین تمغے ہیں جو مفتی صاحب پر جچتے ہیں۔ آپ کی ذات شرافت و نزاکت، ہمدردی و غمگساری، عجز و انکساری اور محبت و سادگی کا مجسمہ تھی؟ آپ کی ذات پر خود علم فصاحت کو ناز تھا۔ حکمت و دانائی آپ کے گلے کا ہار تھی۔ روحانیت کا دریا آپ کے سینے میں موجزن تھا۔ پیروں میں آپ نہ صرف مکمل بلکہ کامل بلکہ اکمل جانے جاتے تھے۔

بال بال میں رچی تھی حبیب کی خوشبو
دل و نگاہ میں عجز و نیاز رکھتا تھا

آپ نے نماز پنجگانہ کے علاوہ تہجد، اشراق، چاشت، اوابین، اور نوافل یوم ولیل کو عمر بھر قضا نہ ہونے دیا اور شروع سے تادمِ زیست اسی پر قائم رہے۔ آپ کا علم باطن علم ظاہری کے ساتھ ''نور علیٰ نور'' کے درجہ پر فائز تھا۔ فقہ حنفیہ کے عالم کامل تھے۔ دقیق سے دقیق مسئلے کو فوراً حل کر دیتے تھے۔ آپ ایک دل نشین مقرر بھی تھے۔ سامعین کے دلوں پر آپ کی تقریر دلپذیر کا ایک ایک لفظ اثر کرتا محسوس ہوتا۔ مرنج مرنجاں کی عملی تفسیر تھے۔ تشنگانِ علم وفقہ کے مرجع تھے۔ فرائض الٰہی کا مقام تو بہت بلند ہے، سنت کی ادائیگی میں بھی کبھی آپ سے کوتاہی نہیں ہوئی۔

مفتی امام الملت، بلند اخلاق کے مالک، اور اخلاق فاضلہ کے پیکر تھے۔ خودنمائی و خودستائی سے دور بھاگتے تھے۔ ایثار کا رنگ آپ پر غالب تھا۔

آپ کی کرامات

حافظ محمد سعید صاحب (سٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا) نے علامہ مفتی کفایت احمد صاحب مجددی کی موجودگی میں ایک واقعہ سنایا کہ:

ایک دفعہ مفتی صاحب اپنے مریدین کے ہمراہ بھیرہ شریف سے رتہ شریف کی طرف روانہ ہوئے۔ دوران سفر مغرب میں چند منٹ باقی اور سورج بالکل غروب ہونے کو تھا۔ اور ''کھارا شریف'' کا راستہ بھی چارمیل باقی تھا، مریدین نے عرض کی حضور مغرب کا وقت ہونیوالا ہے، لہذا نماز یہیں پڑھ لینی چاہئے۔ آپ نے فرمایا کہ کھارا شریف میں جا کر صحیح وقت پر نماز مغرب با

جماعت ادا کریں گے۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ چار میل کا سفر آناً فاناً طے ہو گیا اور کھارا شریف پہنچ کر سورج غروب ہوا اور سفر ذرہ بھر محسوس نہ ہوا۔ سب نے با جماعت نماز ادا کی۔ سچ ہے اولیاء را ہست قدرت از الہ

ایک مرتبہ آپ خدام اور چند مریدین کیساتھ دعوت میں تشریف لے جا رہے تھے کہ دوران سفر جنگل کی طرف سے اچانک ایک شخص پھٹے پُرانے کپڑوں والا نمودار ہوا۔ اس نے آپ سے کچھ راز و نیاز کی باتیں کیں۔ لیکن آپ کے جاہ وجلال کے آگے کسی کو کچھ پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ جب آپ اس گاؤں میں تشریف لے گئے اور عشاء کی نماز کے بعد آرام فرما ہوئے تو اس وقت ڈرتے ڈرتے آپ کے فرزند ارجمند حضرت مفتی دین محمد صاحب نے عرض کی کہ ”ابا جان وہ شخص کون تھا جس سے آپ نے راستے میں راز کی باتیں کی اور ہم اس کو سمجھنے سے قاصر رہے“۔ فرمایا وہ وقت کے ابدال تھے اور میرے پاس اپنی ڈیوٹی معلوم کرنے حاضر ہوئے تھے۔ میں نے ان کی ڈیوٹی دہلی شریف میں لگا دی ہے۔ عرض کی ابا جان اب وہ کس مقام پر ہوں گے۔ فرمایا اس وقت وہ دہلی میں گشت کر رہے ہیں۔ عرض کی ابا جان آپ کس مقام پر فائز ہیں؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل مجھے مقام قطبیت پر فائز فرمایا ہے۔

یار یار کردم دل من قرار نیست
عالم تمام گشتم مثل تو یار نیست

ایک وقت آیا کہ آپ خلفاء کے مشورہ سے بالاتفاق للہ شریف کے مسند نشیں مقرر ہوئے اور آپ نے سلسلۂ خانقاہ کو خوب پروان چڑھایا۔ جب

آپ آستانہ عالیہ للہ شریف میں معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسہ سے خطاب فرماتے تو سامعین پر ایسی کیفیت طاری ہوتی جو بیان سے باہر ہے حکیم بدرالدین نے آپ کے بارے میں خوب کہا ہے

مولوی صاحب رتے والے مسلے خوب سنائے
گویا شربت لذت والے بھر بھر جام پلائے

حضرت مفتی امام الدین صاحب قطب رتہ شریف کے مریدین کا سلسلہ دور دراز تک خوب پھیلا۔ بھیرہ شہر کے خواجگان خاندان کے اکثر لوگ آپ کے مرید ہو گئے چکوال کے مضاف کے دیہاتوں میں بھی آپ کے مریدین ومتوسلین ومتعلقین کا سلسلہ چل پڑا۔ آپ لوگوں کی ہدایت ورہنمائی فرماتے ہوئے ۷۳ سال کی عمر میں ۲۹ شعبان ۱۳۳۷ھ کو واصل بحق ہو کر رتہ شریف کی مسجد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ کا سالانہ عرس مبارک آپ کے پوتے حضرت پیر طریقت علامہ مفتی جمال الدین صاحب نقشبندی کے زیر نگرانی ۲۳-۲۴ جون کو رتہ شریف میں منایا جاتا ہے اور لوگ جوق در جوق شریک ہو کر اپنے قلوب کو منور کرتے ہیں اور اپنے پیر ومرشد کے حضور میں عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہیں۔

ہے اوتھاں شریفاں سنداتاں شریف سرسیذا
سوہنی مسجد وچ رتے دے عجیب نظارا تھیندا

آپ کے عرس شریف میں کراچی، فیصل آباد، سیالکوٹ اور چکوال کے اطراف کے معتقدین شریک ہوتے ہیں پہلی رات مفتی صاحب کے شاگردان حفاظ شبینہ کرتے ہیں دوسرے دن ظہر سے عصر اور عشاء سے فجر صادق

تک نعت خوانی اور تقاریر کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ حضرت مفتی امام الدین صاحب کے دو بڑے پوتے مفتی کفایت احمد صاحب اور صاحبزادہ مفتی شجاع الدین صاحب عرس شریف کے موقعہ پر اپنا آرام اور نیند قربان کر کے زائرین اور مریدین کے قیام وطعام میں مشغول رہتے ہیں۔ مؤخر الذکر راقم الحروف پر بڑے مہربان ہیں۔ جھوک شریف میں خطیب ہیں اور اعلیٰ خوبیوں کے مالک ہیں۔ جب بھی تشریف لاتے ہیں دعاؤں سے نوازتے ہیں اور تحائف کے ڈھیر ساتھ لاتے ہیں۔ موصوف الولد سر لابیہ کا نمونہ کامل ہیں اور کریم ابن الکریم ابن الکریم ہیں یہ چند ٹوٹی پھوٹی سطریں حضرت کے حکم پر تحریر کر دیں ورنہ کہاں میں اور کہاں یہ بزرگ ہستیاں۔ خدا کرے اسے شرف قبولیت حاصل ہو۔

مجاہد دین حنیف، سلطان العارفین، علامہ مفتی دین محمد قادری نقشبندی قدس سرہ

بظاہر آسماں کے سائے میں ہے مرقد انور
بباطن حشر تک اللہ کا مہمان ہے مفتی

(حبیب)

چاروں طرف خشک پتھریلے ٹیلے، اور ان کے دامن میں پھلاہی کے سرسبز درختوں کے جھنڈ، عجیب سماں ہے، دیکھنے والا محو حیرت ہے۔ یہ منظر ایک ٹیلے کا ہے، جو ناگن کی طرح بل کھانے والے، برساتی نالے ''دھراب'' کے مغربی کنارہ پر ہے اور اس پر ایک چھوٹا سا گاؤں ''رتہ شریف'' کے نام سے برسوں سے آباد ہے۔ جو ضلع چکوال کے مشہور تاریخی قصبہ ''بھون'' سے تقریبا مغرب کی جانب ہے۔ اسی آبادی میں ایک چھوٹی مسجد ہے، جس کے در و دیوار پر آج بھی قال اللہ وقال الرسول کے نغموں کے نقوش ثبت ہیں۔ اسی مردم خیز خطہ ''رتہ شریف'' میں بعض ایسی جامع الصفات کامل الاوصاف ہستیاں گزری ہیں جو اپنے دور میں منفرد اور ممتاز مقام پر فائز رہیں اور آج بھی ان کی جلائی ہوئی شمعوں سے دنیا کے علم و عمل جگمگا رہے ہیں۔ ماہتاب نقشبند مفتی دین محمد صاحب بھی ان ہی بزرگوں میں شامل ہیں جن کے فیض کے چشمے اپنی پوری رفتار سے جاری وساری ہیں۔

یہ حضرت خاندانی مفتی، واعظ اور عالم تھے۔ ان کے آبا واجداد تو علم و

فضل کا مینار تھے ہی اولاد واحفاد بھی اگلوں سے کم نہیں۔ آپ کی ذات میں وہ تمام اخلاق موجود تھے۔ جو بزرگان دین اور اسلاف کرام کا شیوہ ہوتے ہیں۔

اللہ رب کریم نے آپ میں عجز و انکساری کا وہ مادہ پیدا فرمایا تھا کہ زمین کی کاشت اور معاشی امور میں طلبہ کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے اور عار نہ سمجھتے تھے۔ اور یہی طرہ امتیاز ہے پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کا۔ ان علماء ربانی اور شیدائیوں کو وہ رفعت اور قدر و منزلت عطا ہوتی ہے کہ خاک کے جس ٹکڑے پر بیٹھ جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کی شان کو بھی سینکڑوں شانوں سے بلند فرما دیتا ہے۔ انیسویں صدی عیسوی کے یہ خدا رسیدہ، مرد حق، مرد قلندر، مرد کامل رضائے الٰہی اور رضائے مصطفیٰ کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ اور علم و معرفت کا گہوارہ تھے۔ ان کے دامن سے وابستہ ہزاروں عاشق با خدا ہو گئے۔ مفتی دین محمد صاحب محبت اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ابنائے آدم سے بے نیاز اور پیارے مصطفیٰ کے رنگ میں رنگ گئے تھے۔ اخلاق فاضلہ کے پیکر، طبیعت میں عجز و انکسار، خود نمائی اور ریاء سے نفرت، بے نیازی اور بے غرض صفات کے حامل، محفل محبت کا روشن چراغ، حق و صداقت کی تلقین فرمانے والے، ایسے شمس منیر جن کی تابانیوں سے فضائے عالم عرصہ دراز تک روشن و منور رہے گی۔

جن کا سینہ علم و حکمت اور معرفت الٰہی کا خزینہ جن کا تقویٰ، للّٰہیت، جن کے کشف و کرامات، ظاہری و باطنی علوم، عالم و عالمیان پر عیاں، استاذ الحفاظ، زبدۃ الحفاظ جن کا لقب، دنیائے تصوف کا بحر ذخار، غرضیکہ ان کے فضائل و مناقب کا شمار عام قلم کی گرفت سے دور ہے۔

زبدۃ العارفین مفتی دین محمد صاحب، اسی مذکورہ حسین وادی " رتہ

شریف'' میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں قرآن کریم حفظ کیا۔علوم دینیہ اپنے والد
ماجد اور مختلف اساتذہ سے حاصل کئے۔ والد محترم نے پچیس سال تک روحانی
تربیت بھی فرمائی۔ جس سے آپ سلطان العارفین کے لقب سے معروف
ہوئے۔آپ کی ولادت تقریباً ۱۳۰۳ھج میں ہوئی۔

زندگی کا ایک ایک سانس شریعت مصطفوی کی پیروی میں گذرا۔
تریسٹھ سال کی عمر میں ۲۳، ذی قعدہ ۱۳۶۶ ھج / ۱۲۵ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو اپنے معبود
حقیقی سے جا ملے۔آپ کو اپنے بزرگوں کے مسکن رتہ شریف سے بے حد محبت
تھی فرماتے تھے کہ یہ میرے آباء واجداد کا مولد ومنشا ہے۔ان کی قبور کا فیض
چھوڑ کر میں باہر کیوں جاؤں۔ جو سرور رتہ شریف کے ٹیلوں پر چلتے پھرتے نظر
آتا ہے وہ باہر کہاں نصیب ہوگا۔بعض ہستیاں خدائے بزرگ وبرتر کے یہاں
سے کسی خاص کام کیلئے منتخب ہو جاتی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن پاک کی
تعلیم وتدریس کیلئے چن لیا تھا۔اسلئے ساری زندگی آپ کا شغل قرآن اور تعلیم
قرآن رہا۔ جب آپ قرآن پڑھتے تو سامعین پر رقت طاری ہو جاتی۔آپ
نے زندگی کے آخری ایام تک حفظ قرآن کا درس جاری رکھا۔کتب درس نظامی
بھی جزوی جزوی پڑھایا کرتے تھے۔آپ سے سینکڑوں حفاظ نے فیض اخذ
کیا۔ایک مرتبہ رتہ شریف میں قرآن کریم تراویح میں پڑھنے والا کوئی نہ تھا۔
آپ ۲۸ رمضان کو واپس رتہ آئے تو ۲۹ ویں شب میں ہی تراویح میں مکمل
قرآن پاک ختم کیا۔

آپ کے وعظ میں سادگی اور اصلاحی پہلو غالب ہوا کرتے تھے زبان
میں ایسی تیزی تھی کہ پاس بیٹھنے والے اپنی دنیا بدل کر اٹھتے تھے۔ ہر وقت

استغفار، شکر خدا، دعا و مناجات میں رطب اللسان رہتے تھے۔ جب بھی مفتی صاحب کو دیکھا جاتا تھا ان کی زبان سے قرآن پاک کے حروف موتیوں کی طرح جھڑ رہے ہوتے۔ مفتی دین محمد صاحب نے عشق رسول کو زندگی کا حاصل بنا رکھا تھا اور یہی توشہ اپنے ہمراہ عالم برزخ میں لے گئے۔

قبر میں لیکے تیری دید کا ارمان گیا
کون کہتا ہے کہ میں بے سرو سامان گیا

(حافظ البرکاتی)

آپ کی کرامات

مفتی دین محمد صاحب قدس اللہ سرہ کے کشف و کرامات کے سینکڑوں واقعات ہیں جن کے ذکر کو ایک طویل مضمون چاہئے۔ لیکن در حقیقت ایک عارف باللہ کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ وہ متبع سنت ہو اور راہ مستقیم سے ذرا انحراف نہ کرے۔ بدعقیدہ گستاخوں سے سخت نفرت کرے، اپنے مسلک میں سخت ہو متصلب بلکہ متعصب ہو۔ علماء نے فرمایا: استقامت فی الدین ہزاروں کرامتوں سے بڑھ کر کرامت ہے اولیاء اللہ کی پاکیزہ زندگیاں ہی معتقدین میں احکام خداوندی کے اتباع اور سنت رسول پر عمل کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ بعض کتب میں حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کے متعلق آیا ہے کہ ان کا کوئی معتقد کافی عرصہ ان کے پاس رہ کر واپس جانے لگا تو انہوں نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کیوں جانا چاہتا ہے۔ معتقد نے کہا کہ اتنے عرصہ میں آپ سے کوئی کرامت ظاہر ہوتی نہ دیکھی۔ جس پر انہوں نے فرمایا کہ اتنی مدت میں ہم سے کوئی فعل سنت کے خلاف بھی دیکھا ہے؟ اس نے کہا نہیں! جس پر آپ نے

فرمایا ولی کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ وہ فرائض وسنت کا پابند ہو بلکہ مستحبات کا تارک نہ ہو۔ مفتی صاحب بھی آیت ثم استقاموا کا مصداق تھے۔

حضرت مفتی دین محمد صاحب سال میں دو مرتبہ کھارا سویر (چکوال) تشریف لے جاتے تھے ایک مرتبہ ایک خاتون نے جو حضرت کی معتقد تھی، عرض کیا کہ حضور اپنے رب سے عرض فرمائیں کہ بارش برسائے اسلئے کہ جانور، کھیت کھلیان عرصہ سے پیاسے ہیں آپ نے فرمایا وہ شان والا رب ہے میں کیسے اس کی مشیت میں دخل دے سکتا ہوں۔ مگر وہ عقیدت مند نہ مانی اور بار بار عرض کرتی رہی تو آپ نے حاضرین مجلس سے کہا کہ سب لوگ ہاتھ اٹھائیں تا کہ دربار خداوندی میں دعا کی جائے۔ حاضرین نے ہاتھ اٹھائے اور آپ نے یوں دعا فرمائی ''یا اللہ یہ تیری بندی کہتی ہے کہ میں بارش کیلئے دعا کروں تو اے اللہ تو بارش عطا فرما'' جوں ہی آپ نے یہ الفاظ ادا فرمائے تو آن کی آن میں بادل جمع ہو گئے اور بارش برسنا شروع ہو گئی۔

ایک اور صاحب حافظ منور دین بیان کرتے ہیں کہ حضرت نے میری والدہ صاحبہ کی خواہش کے مطابق اپنا ایک کرتہ میری والدہ صاحبہ کو عنایت فرمایا جو بہت ادب سے سنبھال کر رکھا تھا۔ ایک مرتبہ ہمارے گاؤں میں بہت بارش ہوئی کہ گاؤں کا بند پانی سے بھر گیا۔ گاؤں والوں کو بند ٹوٹنے کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ اسی پریشانی میں ہم لوگوں نے حضرت کے کرتہ شریف کا ایک ٹکڑا لکڑی سے باندھ کر بند کے کنارے پر گاڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اتنا کرم فرمایا کہ پانی مسلسل بند کے اوپر بہتا رہا لیکن بند کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ آپ کی اور بھی بہت سی کرامات منقول ہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوا کہ آپ وصال کے بعد بھی

مریدوں اور متوسلوں کے خواب میں تشریف لا کر بشارت دیتے یا مشکل کا حل بتاتے تھے۔اب تو ہمارے بداعمال کی وجہ سے بزرگوں نے ہم پر توجہ چھوڑ دی ہے۔

حضرت مفتی دین محمد صاحب کو طب و حکمت میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔حکمت یونانی آپ نے اپنے والد کے علاوہ غالباً مولانا دین محمد صاحب چکوالی سے پڑھی تھی اس فن کے بھی آپ ماہر تھے۔آپ اکثر موضع واڑے تشریف لے جاتے ، وہاں ایک شخص وریام نامی ٹی بی کا مریض تھا۔اس نے کافی حکیموں سے علاج کرایا مگر افاقہ نہ ہوا۔ایک مرتبہ حضرت کے پاس حاضر ہوا کچھ عرصہ ساتھ رہا آپ نے فرمایا جو کچھ کھانے کو دوں اسے منع مت کرنا۔آپ نے اسے وہ چیزیں کھلائیں جن سے اطباء نے پرہیز بتایا تھا، کچھ عرصہ کے بعد وہ بالکل تندرست ہو گیا۔آپ نے فارغ ہوتے وقت ایک شربت اس کو دیا اور فرمایا اب تم اپنا پرہیز جاری رکھنا اور جو میں کھلاتا رہا ہوں اس کو نہ کھانا۔وریام نے کہا ایسے شربت تو میں نے بہت پی ڈالے ہیں مجھے تو آپ کی محبت اور دعا سے فائدہ ہوا ہے۔

کرد رحلت مفتی دین محمد مصطفیٰ

حسرتا واحسرتا واحسرتا

وصال کے بعد حضرت کو آپ کی وصیت کے مطابق قبلہ مفتی امام الدین صاحب کی پائنتی سپرد خاک کیا گیا۔اگرچہ وہ جسمانی طور پر پردہ کر گئے مگر روحانی طور پر حیات ابدی حاصل کر گئے نہ تو مفتی صاحب میری تعریف کے محتاج ہیں اور نہ ہی میرے لئے ممکن ہے کہ ان کے تمام فضائل و کمالات کو کما حقہ

صفحہ قرطاس پر لاسکوں ۔ الفاظ میرے مافیہ کی ترجمانی سے قاصر ہیں۔
خلاصہ یہ کہ حضرت مفتی دین محمد صاحب کا چشمہ فیض پون صدی تک جاری رہا۔
آپ کی ذات بابرکات کا کمال تھا کہ بے آب وگیاہ پہاڑی علاقہ رتہ شریف
میں وہ رونقیں دیکھی گئیں کہ باید وشاید، علم کے پیاسے اور حقیقت ومعرفت کے
طالب یہاں ہزاروں کی تعداد میں جمع ہوئے اپنے ذہن ودلوں کو منور کیا اور پھر
دین متین کی خدمت کی خاطر اللہ کی زمین میں پھیل گئے اور یہ سلسلہ بحمد اللہ تعالیٰ
اب بھی جاری ہے اگرچہ آپ کو واصل حق ہوئے ۴۷ سال ہو چکے ہیں مگر آپ کا
دریائے فیض آج بھی موجزن ہے اور آپ کا لگایا ہوا علم وعرفان کا درخت اپنی
پوری توانائی کیساتھ چھاؤں اور پھل دے رہا ہے۔ آپ کا سالانہ عرس مبارک
شمسی تاریخ کے لحاظ سے ہر سال ۲۲ جون کو رتہ شریف میں ہوتا ہے۔ حضرت
صاحبزادہ مفتی شجاع الدین بھی اس عظیم الشان تقریب کے مہتمم ہوتے ہیں۔
جن کی برکت سے فقیر ایسی بلند ہستی کیلئے چند شکستہ جملے لکھنے کے قابل ہوسکا۔
گر قبول افتد زہے عز وشرف

فقیر قادری احمد میاں برکاتی
آستانہ عالیہ قادریہ برکاتیہ
خلیلیہ ۔ حیدرآباد
۲۲۔ مئی ۱۹۹۳ء

قلندرِ دوراں

مفتی جمال الدین رتوی رحمتہ اللہ علیہ

بیسویں صدی کے اختتام سے صرف تین برس پہلے 1997 کے آخری مہینے میں وہ خدار سیدہ بزرگ گلشنِ جنت کو روانہ ہو گئے۔ جنہیں لوگ ''پیراں دی نگری'' رتہ شریف کا والی خیال کرتے رہے۔ جب تک وہ نظر آتے رہے لوگ ''ہجوم عاشقاں مستاں جگر خستاں'' والا نظارہ دیکھتے رہے اور جب سے انہوں نے پردہ فرمایا ہے ان کے مرقد شریف پر مخلوق کا ہجوم ہوتا ہے۔

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

یہ رتبہء بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

سرکارِ دو عالم سے زمانہ کی دوری کے سبب بے راہ روی اور دھوکہ بازی عام ہے۔ لوگ پریشانی کے عالم میں ہیں۔ ادھر مخلوقِ خدا پریشانی کا شکار ہے اور ادھر مصیبتوں سے بچانے والے طالبانِ دنیا انہیں پریشانیوں سے بچانے کے عوض کالا بکرا طلب کرتے ہیں کوئی چالیس گز کپڑے کا طلبگار ہوتا ہے۔ اس تاریک دنیا کے ایک پرسکون کونے میں وادئ رتہ شریف کی ایک پُرکیف پہاڑی کی چوٹی پر ڈیرہ لگائے ایک نورانی شخصیت تشریف فرما ہوتی۔ جہاں پہنچ کر طلباء، حافظ اور علماء بنتے۔ دنیا دار، صوفی باصفاء اور جاہل مرد خدا بن جاتے۔ یہ فیض مفتی زماں اور قلندر دوراں جناب مفتی جمال الدین رتوی رحمتہ اللہ علیہ (المعروف سرکار رتوی) کا تھا۔ جو اس شعر کا مصداق تھے:

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

یہ ایک حقیقت بلکہ آپ کی زندہ کرامت ہے کہ جس کسی کو خوش قسمتی سے آپ کی زیارت نصیب

ہوگئی۔اس کی پریشانیاں اس کا پیچھا چھوڑ گئیں اور اس کی مصیبتیں دور ہو گئیں۔ وہ فقیر اور تنگ دست ہوتا تو آپ کی دعا کی برکت سے غنی ہو جاتا۔غرض یہ کہ ہر منگتے کی جھولی کو اس دربار پر بھرا جاتا۔ جو بھی آتا اسے خالی ہاتھ نہ لوٹایا جاتا۔ بے شمار لا علاج مریضوں کو انہی کی دعا اور توجہء مبارک سے شفاء ملی۔

ملت اسلامیہ کے لئے قرآن وسنت کے بعد جو چیز سرمایہ افتخار ہے وہ ایسے ہی اسلاف کا تابناک کردار ہے۔ جو ہر دور میں مسلمانوں کے قلوب میں نور ہدایت کی شمع فروزاں کرتا رہا اور اسلام کی ترویج واشاعت کیلیے سردھڑ کی بازی لگانے پر ابھارتا رہا۔

حضرت شیخ طریقت رہبر شریعت، حافظ وقاری، مفتی جمال الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے علم وعمل، شرافت وصداقت، ہمدردی ویگانگت، سخاوت وایثار، استقلال وہمت اور رحم دلی جیسے اوصاف کا زمانہ معترف ہے۔آپ دشمنانِ اسلام گستاخانِ نبی کے خلاف چٹان کی طرح ڈٹ جاتے اور اپنے مضبوط دلائل کے ذریعے مخالفین کو زیر فرماتے اور کثیر دلائل کے انبار لگا کر مبہوت فرمادیتے۔

آپ کو فارسی اور عربی پر خوب عبور تھا اور حکمت میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ آپ اپنے انداز گفتگو اور مسحور کن لہجہ سے لوگوں میں ہردلعزیز تھے۔آپ کا اندازِ گفتگو بڑا نپا تلا ہوتا تھا۔ سننے والے داد دیتے۔ بڑے سے بڑا مسئلہ آسان لفظوں میں سمجھا دیتے تھے۔

ایک مرتبہ سجادہ نشین للہ شریف کی فرمائش پر ڈیڑھ گھنٹہ تک خطاب فرمایا جس میں وہ اسرار ورموز بیان فرمائے کہ جنہیں سن کر صاحبزادہ صاحب نے بڑے والہانہ انداز میں فرمایا کہ مفتی صاحب آپ نے اپنے بیان میں بڑے قیمتی نکات بیان فرمائے ہیں جو قابل رشک ہیں۔ عجز وانکساری کے اس پیکر نے عرض کی کہ ”حضرت میں کچھ نہیں ہوں یہ سب للہ شریف کا ہی فیض ہے“۔

آپ مسلک اہل سنت وجماعت حنفی پر سختی سے کاربند تھے آپ بدعقیدہ لوگوں سے

انتہائی نفرت کرتے اور ان کے ہر چیلنج کا جواب دینے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے۔ موضع چک بھون میں ایک شر پسند نے مناظرہ کا چیلنج دیا اور کہا مناظرہ کا طریقہ یہ ہوگا کہ آگ جلائی جائے اس میں آپ اور میں داخل ہوں جو بچ جائے وہ سچا اور جو جل جائے وہ جھوٹا۔
آپ نے پورے گاؤں میں منادی کر دی کہ مناظرہ کا چیلنج منظور ہے۔ ہر سو اس بات کا چرچہ ہو گیا تو وہ شر پسند شدید انتظار کے باوجود آپ کے مد مقابل نہ آیا۔ اس طرح آپ کے فتح و نصرت کے نقارے ہر طرف بج گئے۔ آپ نے فرمایا اگر وہ آگ میں داخل ہوتا تو اللہ کے فضل سے بزرگوں کے صدقے وہیں راکھ کا ڈھیر ہو جاتا لیکن اس کا نصیب اچھا تھا کہ وہ بچ گیا۔

آپ کو رب کریم نے لحن داؤدی سے نوازا تھا۔ آپ مثنوی شریف کے اشعار جب پڑھتے تو فضا جھوم جاتی۔

حضرت بہت رحم دل انسان تھے۔ موضع واڑے (چکوال) کے دو بچے آپ کے پاس زیر تعلیم تھے۔ جو خارش کے مرض میں مبتلا تھے۔ اپنے بیگانے سب ہی ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے۔ مفتی جمال الدین صاحب ان کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے اور اپنے ساتھ ساتھ رکھتے۔ سب کو ان کے ساتھ ہمدردی اور محبت کا درس دیتے اور فرماتے جو ایسوں سے محبت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول بھی ان سے محبت کرتے ہیں۔

رتہ شریف کی گلی میں ایک کتا بھوکا پیاسا کراہ رہا تھا۔ تو آپ نے اس کی اس تکلیف کو دیکھ کر گھر سے ایک برتن میں دودھ لا کر اس کو پلایا۔ اچانک آپ کے چچا مفتی عطا محمد کا وہاں سے گزر ہوا۔ آپ نے اس عمل کو بہت پسند فرمایا اور کہا کہ ان کی رحم دلی ہی ان کی بخشش و مغفرت کے لئے کافی ہے۔

لوگوں کے ساتھ ہمدردی کا یہ عالم تھا کہ جنہوں نے اپنی زمینیں رہن رکھی تھیں۔ اپنی طرف سے پیسے دے کر ان کی زمین آزاد کروائی اور ایک کو تو اس کی ضرورت کے مطابق

چکوال (شہر) میں اپنا قیمتی پلاٹ بلامعاوضہ دے دیا۔

آپ کے صاحبزادے مفتی شجاع الدین، رتہ شریف سے رخصت ہونے لگے تو پوچھا کہ جھوک شریف سے اگر آنا پڑے تو کتنی دیر میں پہنچ سکتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ تقریباً اٹھائیس گھنٹے لگتے ہیں۔ تو پوچھا ہوائی جہاز پر آئیں تو؟ عرض کی کراچی سے اسلام آباد تک ڈیڑھ گھنٹہ لگتا ہے۔ بار بار تاکید فرمائی کہ اگر آنا پڑے تو دیر نہ کرنا۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ انہوں نے عرض کی اللہ پاک آپ کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے اور اس طرح کی اطلاع مجھے نہ پہنچے۔ پھر ایک دن ایسا آیا کہ آپ کے حکم کے مطابق قاضی محمد مظہر الحق صاحب نے فون کے ذریعے صاحبزادے کو مطلع کیا۔ اسی وقت کراچی سے بذریعہ ہوائی جہاز اسلام آباد اور اسلام آباد سے بذریعہ کار رتہ شریف پہنچ گئے۔ آخر وہ وقت آ گیا۔ جس کا سب سے وعدہ ہوا ہے۔ آپ کی وفات سے دنیائے علم و عمل میں جو خلا پیدا ہوا اس پر علماء و مشائخ اور شاگرد و مریدین سب ہی بے چین ہو گئے۔ 11 دسمبر 1997ء بروز جمعرات آپکا وصال ہوا اور آپ کو رتہ شریف کے قبرستان میں اپنی والدہ ماجدہ صاحبہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

رتہ شریف کے لوگوں کا کہنا ہے کہ اتنے لوگ اس جگہ اس سے پہلے کسی جنازہ میں دیکھنے میں نہیں آئے۔ آپ کے جنازے کا منظر کا یہ عالم تھا کہ:

از ماہ رمیدہ لحد آرمیدہ   خوب تو خوش کلفت یاراں نہ دیدہ

آپ کا نمازِ جنازہ حضرت مولانا محمد عثمان غنی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے پڑھایا۔ اس علم کے پیکر کو تمام عقیدت مندوں کے ہجوم میں سپردِ خاک کیا گیا۔ چالیسویں سے پہلے آپ کی قبر مبارک کے پاؤں کی جانب ایک سوراخ ہو گیا۔ جس سے کئی دن تک خوشبو آتی رہی۔ کئی لوگوں نے اس خوشبو کو محسوس کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر انور کو مرجع خلائق بنائے۔

آمین ثم آمین۔

امام ابو حنیفہ کا فقہ عصری تقاضوں کی کسوٹی پر

فقہ حنفی کے مقلدین کا ہمیشہ یہ دعوی رہا ہے کہ ان کا فقہ، دیگر تمام فقہوں سے ممتاز اور انسانی تمدن کے بہت زیادہ قریب ہے۔ یہ دعوی اپنی جگہ بالکل درست نظر آتا ہے، اسلئے کہ جب ہم تاریخ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو صاف دکھائی دیتا ہے کہ فقہ حنفی ہی، وہ واحد فقہ ہے ،جسکو ہر دور کے سلاطین اور حکومتوں نے خندہ پیشانی سے قبول کیا اور ملکی معاملات کو اسی فقہ پر چلایا۔

آسان فقہ :

اس تاریخی حقیقت کی روشنی میں ہم یہ کہنے میں بھی حق بجانب ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کا فقہ ہر دور کے تقاضوں کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے اور فقہ حنفی بہ نسبت تمام اور فقہوں کے نہایت آسان اور یسیر العمل ہے قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

يُرِيدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (۱) ''خدا تم لوگوں کے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا''۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''میں نرم اور آسان شریعت لیکر آیا ہوں''

امام اعظم نے اپنی فقہ کی تدوین میں ان دو ارشادات کو ملحوظ رکھ کر کام کیا، چنانچہ، عبادات، معاملات کا کوئی باب، کوئی فصل لے لیجئے ، یہ فرق صاف نظر آتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے بیان فرمودہ، مسائل ایسے آسان، نرم، اور تمدن و شائستگی کے موافق ہیں جو شریعت سہلہ کی شان ہے، اسکے برخلاف اور ائمہ کے احکام بہت سخت اور عسیر العمل ہیں۔

حنفی فقہا اور فقہ کی شہرت :

اور پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جو عروج اور شہرت حنفی فقہ کو حاصل ہوئی دیگر فقہاء کے مذاہب اس سے محروم رہے اور جس قدر کثرت سے فقہائے احناف روئے زمین پر پائے جاتے رہے، دیگر مذاہب اس پر رشک ہی کر سکتے ہیں۔ گیارہویں صدی ہجری تک صرف حنفی فقہ کے فقہاء کی تعداد بارہ سو سے زائد ہے۔ (۲) اسکے بعد بارہویں، تیرہویں اور چودھویں صدی میں فقہائے احناف گزرے وہ بھی لگ بھگ اتنے ہی ہیں۔ (۳)

حنفی ارباب سلطنت :

سلاطین اور ارباب سلطنت اکثر حنفی رہے اور انہوں نے اپنی حکومتوں کا مکمل دستور فقہ حنفی رکھا، اگر چہ عرب میں ان مسائل کو رواج نہ ہوا، کیونکہ مدینہ میں امام مالک اور دیگر ائمہ ان کے مقابل موجود تھے، لیکن عرب کے سوا، تمام ممالک اسلامیہ میں، جن کی وسعت سندھ سے ایشیائے کوچک تک تھی، عموماً احناف کا طریقہ جاری ہو گیا، ہندوستان، سندھ، کابل، بخارا وغیرہ میں تو ابو حنیفہ کے اجتہاد کے سوا کسی کا اجتہاد تسلیم نہیں کیا جاتا، افریقہ میں ۴۰۵ھ تک امام ابو حنیفہ کا طریقہ تمام طریقوں پر غالب تھا۔ (۴)

خلفاء عباسیہ اگر چہ کسی کے مقلد نہ تھے، لیکن ان میں سب سے بڑا ادیب اور شاعر عبد اللہ بن المعتز جو فن بدیع کا موجد تھا، حنفی المذہب تھا۔ (۵) عباسیہ کے تنزل کے بعد، جن خاندانوں کو عروج حاصل ہوا ان میں اکثر حنفی تھے۔ خاندان سلجوقی جو ایک طویل مدت تک وسیع علاقہ پر حکمراں رہا حنفی تھا۔ محمود غزنوی جس کے نام سے پاک و ہند کا بچہ، بچہ واقف ہے، فقہ حنفی کا بہت بڑا عالم تھا۔ نور الدین زنگی اور اسکا تمام خاندان مذہباً حنفی تھا، صلاح الدین فاتح بیت المقدس اگر چہ خود شافعی تھا، لیکن اسکے خاندان میں حنفی المذہب موجود تھے۔ (۶)

عیسیٰ بن الملک العادل ایک وسیع ملک کا بادشاہ تھا، علامہ ابن خلکان نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ''حنفی مذہب میں غلو رکھتا تھا'' (۷) چراکسہ مصر جو نویں صدی ہجری کے آغاز میں مصر کے حاکم ہوئے اور ۱۴۸ برس تک فرمانروا رہے، حنفی تھے، سلاطین ترک جو کم و بیش چھ سو سال تک روم کے فرمانروا رہے، عموماً حنفی تھے۔ خود ہندوستان کے فرمانروا، خوانین اور آل تیمور اسی مذہب کے پابند رہے۔

فقہ حنفی تمدن کے قریب:

امام اعظم کے فقہ کا تمام اسلامی ممالک میں اس وسعت اور ترقی کے ساتھ رواج پانا اس امر کی دلیل ہے، کہ ان کا فقہ، عصری تقاضوں کے مطابق، اور انسانی ضرورتوں کے لئے نہایت مناسب اور موزون ہے اور بالخصوص تمدن کے ساتھ جس قدر مناسبت اس فقہ کو ہے، کسی فقہ کو نہیں یہی وجہ ہے کہ اور ائمہ کے مذہب کو زیادہ تر ان ہی ملکوں میں رواج ہوا، جہاں تہذیب و تمدن نے زیادہ ترقی نہیں کی تھی۔

فقہ حنفی کا مجموعہ:

اما اعظم کے زمانے میں فقہ کا جو مجموعہ تیار ہو چکا تھا، اسمیں عبادات کے علاوہ، دیوانی فوجداری تعزیرات، لگان، مال گزاری، شہادت معاہدہ، وراثت، وصیت اور بہت سے قوانین شامل تھے، اسکی وسعت و خوبی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ہارون الرشید کی وسیع سلطنت، جو سندھ سے ایشیائے کوچک تک پھیلی ہوئی تھی ان ہی اصول پر قائم تھی اور اس کے عہد کے تمام واقعات اور معاملات ان ہی قواعد کی بناء پر فیصل ہوتے تھے۔ (۸)

فقہ حنفی کی بنیاد:

اگر یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ حنفی فقہ کی اصل بنیاد، حضور اکرم ﷺ کے صحابی خاص حضرت عبداللہ بن مسعود نے رکھدی تھی، کیونکہ حضرت ابن مسعود ہی، حضرت عمر کے

عہد مبارک میں، اہل کوفہ کی تعلیم پر مامور کیے گئے تھے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اسلام لانے والوں میں چھٹے نمبر پر ہیں، ان کے شاگرد خاص حضرت علقمہ بن قیس نخعی تھے، جن کے بارے میں خود ابنِ مسعود فرمایا کرتے تھے کہ میری معلومات علقمہ سے زیادہ نہیں۔ علقمہ کے شاگرد خاص، حضرت ابراہیم نخعی کوفی تھے اور ابراہیم کے تلمیذ ارشد سلیم حماد بن ابی سلیمان ہیں اور ان کے شاگرد حضرت امام اعظم ابوحنیفہ ہیں۔ گویا امام اعظم نے اپنی فقہ میں جو آسانیاں رکھیں وہ ابنِ مسعود کی تعلیمات کا اثر اور نتیجہ ہیں اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بہ روایت حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ، رسول کریم ﷺ سے طرز دروس میں قریب تر تھے۔(۹)

گویا یہ کہنا صحیح ہے کہ فقہ حنفی میں وہ تمام آسانیاں اور سہولتیں موجود ہیں جو نبی کریم ﷺ کی اختیار فرمودہ، پسندیدہ اور اللہ کی مقرر کردہ ہیں۔ اس اعتبار سے ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ فقہ حنفی دراصل فقہ نبوی ہے۔

چنانچہ حسن بن سلیمان، حدیث

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یَظْهَرَ الْعِلم (۱۰) "قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ علم ظاہر ہوگا"

کی تشریح میں فرماتے ہیں: کہ قیامت کے قیام سے قبل جس علم کے ظہور کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے وہ علم، ابوحنیفہ کا علم ہے اور اس سے مراد وہ تشریحات ہیں جو انہوں نے احادیث کی فرمائی ہیں (۱۱)

خلف ابن ایوب کا قول ہے: کہ "اللہ تعالیٰ سے علم حضور ﷺ کو پہنچا، آپ نے صحابہ کو پہنچایا، صحابہ نے تابعین کو، تابعین کے بعد ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کو ملا، اسپر کوئی خوش ہو یا ناراض" (۱۲)

بین الاقوامی فقہ:

محدث ابن الاثیر جزری شافعی کی مشہور کتاب جامع الاصول سے ایک روایت

صاحب مجمع البحار نے نقل کی ہے کہ ''امام ابوحنیفہ کے مذہب فقہ کا قبول عام ان کی پاکدامنی کی دلیل ہے، نصف یا اس کے قریب اسلام ان کی تقلید کے جھنڈے کے نیچے ہے، یہاں تک کہ ہمارے زمانہ تک جبکہ امام کے فقہ کو ساڑھے چار سو برس گزر چکے ہیں ان کی فقہ کے مطابق اللہ کی عبادت ہو رہی ہے اور ان کی رائے پر عمل ہو رہا ہے۔ (۱۳) اسمیں فقہ حنفی کی صحت کی اول درجہ کی دلیل ہے۔

حضرت شیخ مولانا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات المفاتیح میں فرماتے ہیں:

''ہمارے زمانے (گیارھویں صدی ہجری) تک روم ماوراء النہر اور ہندوستان کے کل اہلِ اسلام کی آبادی کے لحاظ سے حنفیوں کی تعداد مسلمانوں میں دو تہائی ہے'' (۱۴)

ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ امت مرحومہ سواد اعظم نے اپنی دنیا و آخرت کو فقہ حنفی کے دامن سے اسی لئے باندھا کہ یہ فقہ ان میں سے ہر ایک کے دور کے تقاضوں کو بہ خوبی پورا کرتا تھا اور یہ سب فیض ہے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہُ کے علم کا، حضرت مسروق کا قول ہے کہ ابن مسعود کا علم وہ نہر ہے کہ اگر اسپر روئے زمین کے پیاسے بھی وارد ہو جائیں تو سیراب ہو سکیں گے۔ اسی کے ساتھ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ کشف بھی ملایا جائے کہ ''مذہب حنفی بہ شکل دریائے ذخّار عرش سے گر رہا ہے'' تو فقہ حنفی کی اہمیت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے، دوسرے مذاہب حقہ، عموماً یا تو کسی ملک سے متعلق رہے یا کسی نسل سے، بین الاقوامی مرتبہ صرف فقہ حنفی ہی کو حاصل ہوا۔

امام صاحب کا طرز استدلال:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ مسائل میں معتبر لوگوں کے کلام کو اختیار کرتے ہیں اور برائی سے دور رہتے ہیں، اور یہ بھی ان کی خصوصیت ہے کہ لوگوں کے معاملات میں اور جس پر وہ قائم رہ سکیں، نظر رکھتے ہیں، اسی وجہ سے ان کے معاملات درست ہیں وہ مسائل میں قیاس فرماتے ہیں لیکن جہاں قیاس میں کوئی برائی نظر آتی ہے تو

استحسان پر فیصلہ کرتے ہیں اور جب استحسان سے بھی کام نہیں چلے تو پھر اس چیز کی طرف رجوع کرتے ہیں جس پر مسلمانوں کا عمل رہا ہے، یعنی امام صاحب پہلے حدیث مشہور کی سند، جس پر سب کا اتفاق ہو رسول اللہ ﷺ تک پہنچاتے ہیں پھر قیاس کرتے ہیں اور استحسان پر نظر ڈالتے ہیں اور ان میں جو زیادہ قابل قبول ہو اسکو اختیار کرتے ہیں (۱۵)

امام اعظم کے ہاں فقہ کے اصول میں سے ایک چیز تعامل سلف بھی ہے، جسکو عرف کہا جاتا ہے۔ امام مالک کے ہاں اسی عرف کا نام مصلحت عامہ ہے۔ جبکہ امام صاحب کے اجتہاد میں استحسان بھی داخل ہے، یعنی مجتہد کا ایسی تجویز کو اختیار کرنا جو انسانی فلاح و بہبود کو بہ خوبی پورا کر سکے (۱۶)

جزئیات کا خزانہ:

اسی استحسان کی روشنی میں امام اعظم مسائل میں بڑی وسعت اختیار فرماتے ہیں،

امام صاحب کے فقہ میں پچانوے فیصد مسائل جزئیات کی شکل میں حل نظر آتے ہیں جبکہ دیگر آئمہ کے فقہ ان سے کُلیۃً محروم تو نہیں لیکن بہت زیادہ تشنہ ہیں۔ امام مالک کے ہاں تو سب سے بڑی دلیل تعامل اہل مدینہ ہوا کرتی ہے اور اسی وجہ سے انہوں نے اہل مدینہ کے عمل کو معیار قرار دیکر ان پر احکام کی بنیاد رکھی۔ (۱۷)

امام شافعی کے ہاں چند جزئیات مل جاتے ہیں، جبکہ امام احمد بن حنبل کے ہاں کوئی بھی ایسا جزیہ مشکل سے ملیگا جو عصری تقاضوں کو پورا کر سکے، کیونکہ ان کا مذہب اجتہاد سے دور ہے۔ (۱۸)

لاکھوں مسائل:

دراصل امام اعظم نے مسائل کا ایک شاندار مجموعہ تیار فرمایا تھا جس میں بے شمار مسائل فرض کر کے ان کے جوابات لکھے، ''قلائد عقود العقیان'' کے مصنف نے کتاب الصیانۃ کے حوالے سے لکھا ہے:

''امام ابو حنیفہ نے جس قدر مسائل مدون کئے ان کی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار سے کچھ زیادہ ہے'' شمس الائمہ کروری نے لکھا ہے کہ ''یہ مسائل چھ لاکھ تھے'' اگر چہ اس خاص تعداد پر ہی زور نہیں دیا جا سکتا، لیکن یہ بات ثابت ہے کہ ان مسائل کی تعداد لاکھوں سے کسی طور کم نہیں، امام محمد کی جو کتابیں آج موجود ہیں ان سے اسکی تصدیق ہو سکتی ہے۔

حنفی فقہ عقل کے قریب:

حنفی فقہ کو بمقابلہ اور فقہوں کے جو بہت بڑی خصوصیت حاصل ہے وہ یہی ہے کہ اسکے قوانین عموماً ان ہی قاعدوں پر مبنی ہیں جو ان احادیث سے ثابت ہیں، جن میں نبی کریم ﷺ نے اپنی قوم کے گمان کے مطابق مسائل بیان فرمائے مثلاً حدیث ام زرع اور حدیث خرافہ۔ امام صاحب کی حیثیت ایک مفسر اور ایک مستنبط کی ہے۔ امام صاحب نے جو کام کیا وہ کل دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہے، امام ابو حنیفہ علانیہ تمام مجتہدین سے ممتاز ہیں امام صاحب اسلام کی وہ واحد شخصیت ہیں جنہوں نے قوانین کو واضح فرمایا:

حنفی فقہ کے مسائل کا دوسرے فقہوں کے مسائل سے مقابلہ کیا جائے تو یہ فرق صاف نظر آتا ہے کہ حنفی فقہ جس قدر اصول عقلی کے مطابق ہے اور کوئی فقہ نہیں۔ معاملات تو معاملات، عبادات میں بھی جسکے بارے میں ظاہر بینوں کا خیال ہے کہ اسمیں عقل کو دخل نہیں، امام صاحب کے مسائل عموماً عقل کے موافق معلوم ہوتے ہیں۔

جز نیات کا جائزہ:

مندرجہ بالا تاریخی حقائق سے یہ ثابت ہوا کہ امام صاحب کا فقہ عصری تقاضوں کے عین مطابق ہے اور اسی لئے ہر دور کے لوگ اسے قبول کرتے چلے آئے ہیں۔ اگر اسی عنوان کے تحت امام اعظم کے فقہی جزئیات کا مقابلہ دوسرے آئمہ کے جزئیات سے کیا جائے تو یہ بات مزید واضح ہو جائے گی کہ فقہ حنفی ہی عصری تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ مثلاً عبادات میں نماز کو لیں،

امام صاحب کے نزدیک تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کے علاوہ، اور الفاظ سے بھی ادا ہو سکتی ہے جو اس کے ہم معنی ہیں، مثلاً اللہ اعظم، اللہ اجل، امام شافعی کے نزدیک نہیں ہو سکتی۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک تکبیرِ تحریمہ اگر فارسی میں کہی جائے تو بھی جائز ہے امام شافعی کے نزدیک اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ (۱۹)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک قرآن مجید کی کسی بھی آیت کے پڑھنے سے قرأت کا فرض ادا ہو جاتا ہے، امام شافعی کے نزدیک بغیر سورۃ فاتحہ کے نماز ہو ہی نہیں سکتی (۲۰) اب دیکھ لیجیے کہ ان مسائل میں سہولت امام ابوحنیفہ کے مذہب میں ہی ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ امام ابوحنیفہ یا کسی اور امام نے صرف عقل و قیاس سے نماز کے مسائل متعین کر دئے، دلائل کتب فقہ میں بہ تفصیل مذکور ہیں، ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ امام اعظم کے ہاں نقلی دلائل کے علاوہ عقلی وجوہ بھی ان کے مسائل کی صحت پر شاہد ہیں، جیسا کہ صاحب ھدایہ علامہ ابوالحسن علی بن ابوبکر الفرغانی نے پوری کتاب الھدایہ کو اس نہج پر لکھا کہ وہ ہر مسئلہ کے ساتھ دلیل نقلی کے علاوہ دلیل عقلی بھی لاتے ہیں اور امام اعظم اور دیگر آئمہ کے دلائل کا موازنہ بھی کرتے ہیں۔

زکوٰۃ اور اسکے مصارف:

زکوۃ کے مسئلہ میں بھی امام صاحب کا موقف سہل اور آسان ہے، زکوۃ کا جو مصرف قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے اسمیں آٹھ اصناف کا ذکر ہے، امام شافعی نے ان اصناف کے ذکر سے یہ خیال فرمایا کہ یہ سب اشخاص زکوٰۃ کے ادا میں لازمی ہیں، یعنی جب تک ان آٹھوں اقسام کے لوگوں کو زکوٰۃ نہ دی جائے، فرض ادا ہی نہ ہوگا۔ جبکہ امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ زکوٰۃ ان میں سے کسی کو بھی دی جائے ادا ہو جائے گی۔ (۲۱)

امام شافعی کے مذہب میں آج کے مشینی دور کا انسان ان آٹھوں اقسام کے اشخاص کو ڈھونڈتا پھریگا اور پھر بھی اسے ان سب اقسام کے مستحقین مشکل ہی سے ملیں گے،

لیکن امام اعظم کے مذہب کا پیروکاران میں سے جسے چاہیگا آسانی سے زکوٰۃ پہنچادیگا، ظاہر ہے کہ ان آٹھوں اقسام کے افراد ہر ملک، ہر شہر، اور ہر گاؤں میں نہیں پائے جاسکتے، بلکہ بعض تو تعداد میں اتنے قلیل ہوں گے کہ جب ہر صاحب نصاب انہیں زکوٰۃ دیگا تو یہ خود آئندہ سال صاحب نصاب ہوں گے اور ان پر بھی زکوٰۃ فرض ہو جائے گی، علاوہ ازیں فقہا کا فیصلہ ہے کہ ان میں سے ایک قسم صرف اسلام کے ابتدائی دور تک تھی اب اس صنف کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ اب صرف سات اقسام مصرف زکوٰۃ میں ہیں۔(۲۲) ان میں سے بھی ایک بتدریج ختم ہو چکی ہے۔

جانوروں کی زکوٰۃ:

یوں ہی جانوروں کی زکوٰۃ کے مسئلے میں امام اعظم کا موقف یہ ہے کہ زکوٰۃ میں جانور کے علاوہ اسکی قیمت بھی دی جاتی ہے، امام شافعی کے نزدیک قیمت دینے سے زکوٰۃ ادا ہی نہیں ہوسکتی (۲۳) چونکہ اس سلسلہ میں خود شارع علیہ السلام نے کوئی تخصیص نہیں فرمائی اسلئے اسکے دونوں پہلو برابر ہیں اور اس وجہ سے امام اعظم نے وہ راہ اختیار فرمائی جسمیں لوگوں کیلئے آسانی ہے۔ ورنہ آج اس مصروف ترین دور میں، لوگوں کے پاس اتنا وقت کہاں ؟ کہ وہ زکوٰۃ کے جانور لیکر مستحقین کو تلاش کرتے پھریں۔

یوں ہی مستحقین زکوٰۃ کو بھی اتنی سکت کہاں ہوگی کہ وہ ان جانوروں کو پالیں یا ان کی فوری فروخت کا اہتمام کریں لہذا سیدھا سادھا مسئلہ یہ ہے کہ اگر جانور دینا ممکن نہ ہو تو اس کی قیمت دینے میں کوئی حرج نہیں۔

چوری کا مال:

اب ذرا معاملات کا جائزہ لیں تو وہاں بھی امام اعظم کا مذہب آسان اور عصری تقاضوں کے مطابق نظر آتا ہے مثلاً سرقہ کے احکام میں:

امام صاحب کے نزدیک نصاب سرقہ کم از کم دس درہم (ایک اشرفی) ہے

(۲۴) دیگر آئمہ کے ہاں چوتھائی اشرفی۔امام ابوحنیفہ کے ہاں اگر ایک نصاب چرانے میں متعدد چوروں کا ساجھا ہے تو ان میں سے کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا، اسلیئے کہ ہر ایک کے حق میں وہ نصاب ایک نصاب سے کم ہے جبکہ امام احمد کے نزدیک ہر ایک کا ہاتھ کاٹا جائیگا۔

امام اعظم کے نزدیک نادان بچہ کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا (۲۵) امام مالک کے نزدیک کاٹا جائیگا۔

امام اعظم کے نزدیک زوجین میں سے اگر ایک، دوسرے کا مال چرائے تو قطع ید نہیں (۲۶) امام مالک کے ہاں ہے۔امام اعظم کے مذہب میں قرآن مجید کے چور پر قطع ید نہیں (۲۷) جبکہ شافعی اور مالک کے ہاں ہے۔امام اعظم کے نزدیک لکڑی یا جو چیزیں جلد خراب ہو جاتی ہوں، ان کی چوری سے ہاتھ کاٹنا لازم نہیں آتا (۲۸) جبکہ اور آئمہ کے نزدیک لازم آتا ہے۔مندرجہ بالا تمام چیزیں وہ ہیں جو عموم بلوئی میں شامل ہیں یعنی ہر شخص ان میں سے کسی نہ کسی چیز میں مبتلا ہے۔مثلاً نادان بچے جو اپنے والدین کے ساتھ کسی کے گھر تقریب میں جاتے ہیں یا ویسے ہی پڑوسی یا رشتہ دار کے گھر تفریحاً چلے جاتے ہیں تو عموماً ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے گھر سے کوئی کھلونا یا کوئی برتن چھپا کر اٹھا کر لے آتے ہیں یا کوئی گیند بلا وغیرہ فٹ بال لے آئے اور لاکر چھپادی۔اسی طرح زوجین میں ہر ایک دوسرے کی جامہ تلاشی لیتا ہے اور اکثر بیویاں اپنے شوہروں کی جیب سے یا ان کے پرس سے کبھی کبھی رقم نکال لیا کرتی ہیں، یوں ہی بہت سے نالائق شوہر اپنی بیویوں کے صندوق یا بٹوے کھنگال ڈالتے ہیں کہ شاید انہیں کچھ مل جائے تو محنت کر کے کھانے سے بچ جائیں۔

یوں ہی بعض لوگ قرآن مسجد سے اٹھالیتے ہیں، بعض بچے مدارس و اسکولوں میں اپنے ساتھیوں کے قرآن کریم چپ چاپ اٹھالیتے ہیں۔لکڑی بھی ان چیزوں میں شامل ہے جسے لوگ عام طور پر چرالیتے ہیں، بالخصوص کسی درخت کے کٹتے وقت، یا اگر کہیں دیگوں میں کھانا پک چکا ہے اور چولہوں کے آس پاس کچھ لکڑیاں پڑی ہیں، یا کسی بڑھئی کی دوکان کے نزدیک یا کسی ٹال کے قریب یہ وہ صورتیں ہیں کہ لوگ عام طور پر یہ لکڑیاں اٹھا کر چل دیتے

ہیں۔

لہذا ان صورتوں میں اگر ان تمام چوروں کے ہاتھ کاٹے جانے لگیں تو ''ہتھ کٹوں'' کا ایک شہر آباد ہو جائے گا اور اسطرح نظام کائنات میں بری خرابیاں پیدا ہو جائیں گی، جبکہ اسلام کا مقصد، قطع ید سے یہ ہرگز نہ تھا۔ ہاں ان سب لوگوں کو تنبیہ، یا اور کوئی سزا ضرور دی جائے گی۔

خریدو فروخت اور استعمال کی چیزیں:

اسی طرح حرام وحلال، جائز و نا جائز کے باب میں بھی بڑی تفصیل ہے اور وہاں بھی اگر دوسرے آئمہ کے مذاہب پر عمل کیا جائے تو زندگی دشوار ہو جائے۔ بخلاف اسکے امام ابو حنیفہ کے احکام یہاں بھی نہایت آسان اور سھل ہیں۔ مثلاً شافعی کے نزدیک جو پانی اُپلوں کی آگ سے گرم کیا گیا ہو اس سے وضو وغسل جائز نہیں۔ اسی طرح مٹی کے برتن جو اپلوں کی آگ سے پکائے گئے ہوں ان میں کھانا، نا جائز ہے۔ رانگ، کانچ، شیشہ، اور عقیق کے برتنوں کا استعمال بھی ان کے ہاں نا جائز ہے (۲۹) یوں ہی پشمینہ، سمور، پوستین وغیرہ کا استعمال بھی نا جائز قرار دیتے ہیں کہ ان کو پہن کر نماز نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح خرید و فروخت کا وہ طریقہ جو آج عام رائج ہے، کہ مال اٹھایا جو قیمت لکھی ہے وہ دیدی زبان سے بعت اشتریت کے الفاظ یعنی ''بیچا'' اور ''میں نے خریدا'' نہ کہا تو امام شافعی کے نزدیک یہ سودا نا جائز ہے۔

ان تمام مسائل میں امام اعظم کا مذہب، امام شافعی سے اختلاف رکھتا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حنفی فقہ دوسرے فقہوں کی طرح تنگ اور سخت گیر نہیں ہے۔ ایک شخص کے پاس بھینس گائے وغیرہ موجود ہیں لیکن وہ پانی گرم کرنے کیلئے اپنے جانوروں کے اپلے استعمال نہ کر سکے اور بازار سے اس سخت گرانی میں لکڑی، کوئلہ یا تیل خرید کر لائے تو یہ سخت تکلیف دہ بات ہے۔ امام شافعی کا مقلد آج بازار میں مٹی کے برتن ڈھونڈتا پھریگا جبکہ امام اعظم کے مذہب پر چلنے والا بازار کی جس دوکان سے چاہے، شیشے کانچ وغیرہ کے برتن بہ

آسانی خرید کر استعمال کر سکتا ہے پھر شیشے کانچ اسٹیل وغیرہ کے برتن دھونے اور صاف کرنے میں جتنے آسان ہیں، مٹی کے برتن اس سے بہت دور ہیں۔

یوں ہی خرید وفروخت کا وہ عام طریقہ جو تمام شہروں اور دیہاتوں میں رائج ہے کہ خریدنے والا اور بیچنے والا دونوں خاموش ہیں اور سودا ہو گیا، جبکہ امام شافعی کے ہاں تو وہ شخص بھی جو ایک روپیہ ہر مال کی آواز لگا کر بیچ رہا ہے۔ خرید وفروخت کے الفاظ کہنے کا پابند ہے۔

جامع القوانین:

امام ابوحنیفہ کے زمانہ تک معاملات کے احکام ایسے ابتدائی حالات میں تھے، جو تمدن اور تہذیب یافتہ ممالک کیلئے قطعاً ناکافی تھے، نہ معاہدات کے قاعدے تھے نہ دستاویزات کی تحریر کے اصول تھے، نہ فصل قضایا اور ادائے شہادت کا کوئی باقاعدہ طریقہ تھا۔

امام اعظم وہ پہلے شخص ہیں جو ان ضروری چیزوں کو قانون کی شکل میں لائے اور یہ وہ چیزیں ہیں کہ آج کے ترقی یافتہ ممالک میں ان کے بغیر زندگی مشکل ہے۔

ہبہ، شفعہ، شہادت:

امام شافعی ہبہ کیلئے قبضہ کو ضروری نہیں سمجھتے، ہمسایہ کے شفعہ کو جائز نہیں رکھتے (۳۰) تمام معاملات میں مستور الحال کی شہادت کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ گواہان نکاح کیلئے ثقہ اور عادل ہونے کی قید ضروری سمجھتے ہیں (۳۱) ذمیوں کے باہمی معاملات میں بھی ان کی شہادت، جائز قرار نہیں دیتے (۳۲) لیکن امام ابوحنیفہ ان مسائل میں امام شافعی کے خلاف ہیں۔

ہبہ میں اگر قبضہ کی شرط نہ لگائی جائے تو بڑی خرابیاں پیدا ہوں گی، اس مسئلہ میں بھی امام اعظم نے وہ راہ اختیار فرمائی جو آج کے تعلیم یافتہ حضرات کی عقل میں بھی فوری سماتی ہے۔ پڑوسی کو حق شفعہ دیکر امام صاحب نے آج کے پڑوسیوں پر احسان فرمایا۔ مستور الحال کی شہادت کو

اگر امام اعظم بھی ناجائز قرار دیتے تو آج گواہان دنیا میں نہ ملتے۔ نکاح کے گواہوں میں بھی عادل اور ثقہ ہونے کی شرط ایسی چیز ہے، جو اس دور میں لوگوں کو مشکلات میں ڈال سکتی ہے کیونکہ اکثریت اس تعریف پر پوری نہیں اترے گی، ظاہری اعتبار سے بھی لوگوں کی صورت و لباس ایسا نہ ملیگا کہ انہیں عادل اور ثقہ کہا جائے بارات آئی ہوئی ہے اور لوگ گواہان عادل کی تلاش میں گھوم رہے ہیں، لیکن امام اعظم کے ہاں چونکہ ایسی کوئی پابندی نہیں، اسلئے لوگوں کے واسطے آسانی ہے۔

نکاح کیلئے عورت کی خود مختاری:

ایک دوسری بحث میں آئمہ کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ نکاح کے معاملہ کا مختار کون ہے؟ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک، عورت اگرچہ عاقلہ، بالغہ ہو نکاح کے بارے میں خود مختار نہیں ہے، یعنی کسی حال میں وہ اپنا نکاح خود نہیں کرسکتی بلکہ ولی کی محتاج ہے ، ایک طرف تو ان بزرگوں نے عورت کو اس قدر مجبور کردیا، دوسری طرف ولی کو ایسے وسیع اختیارات دیدیئے کہ وہ زبردستی جس شخص کے ساتھ چاہے نکاح کردے، عورت کسی حال میں انکار نہیں کرسکتی۔ امام اعظم کے نزدیک بالغہ عورت اپنے نکاح کی آپ مختار ہے (۳۴) آج کے اس مہذب دور میں جبکہ بہت سے لوگ اس مسئلہ میں گرفتار ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہر روز کوئی نہ کوئی عورت کورٹ میں جاکر اپنی پسند کی شادی، اور خود مختاری کا اعلان کردیتی ہے ، امام اعظم کا مذہب ہی ان کے تقاضہ کو پورا کرتا ہے۔ اور پسند کی شادی اور خود مختاری کے اعلان کے باوجود یہ عورتیں کسی گناہ کی مرتکب نہیں ہوتیں۔

طلاق اور مہر کا معاملہ:

طلاق اور مہر کے معاملہ میں امام اعظم کا مذہب لوگوں کے لیے آسانی فراہم کرتا ہے، مثلاً امام صاحب کے نزدیک مہر کی مقدار کسی بھی حالت میں دس درھم کی قیمت (دو تولہ

سات ماشہ چار رتی) یا تقریباً 500 ,30 ساڑھے تیس گرام سے کم نہیں ہونی چاہیے (۳۴) اس سے مقصد یہ ہے کہ مرد کو طلاق دینے پر آسانی سے جرأت نہ ہو کیونکہ یہ کم سے کم مقدار اور تعداد غریب مفلس کے لیے ہے اور اس کے لیے اتنی رقم ادا کرنا بھی مشکل ہے جبکہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک ایک (حبہ) دانہ بھی مہر ہو سکتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مرد بے دریغ بغیر سوچے سمجھے بھی طلاق دینے پر جرأت کر بیٹھے گا۔

آج کے دور میں جبکہ لوگوں میں طلاق کی وباء عام ہو چکی ہے امام اعظم کے مذہب میں عورت کے لیے کتنی رعایت ہے کہ وہ تفریق کے بعد محض مفلس اور نادار نہ رہے گی۔

امام اعظم کے نزدیک خلوتِ صحیحہ سے پورا مہر واجب ہو جاتا ہے (۳۶) جبکہ امام شافعی نصف مہر واجب قرار دیتے ہیں۔ امام اعظم کے مذہب میں شوہر خلوتِ صحیحہ کے بعد طلاق دیتے وقت سوچنے پر مجبور ہوگا اور اس طرح عورت کو ایک اور موقع فراہم ہوگا کہ وہ اپنے گھریلو حالات کو درست رکھ سکے جبکہ امام شافعی کے ہاں ایسا ہونا موہومات میں سے ہے۔

مسِ عورت: (چھپانے والی چیز کو چھونا)

امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ عورت (یہاں عورت سے مراد شرم گاہ ہے، مگر لفظ عام مان کر بات کی جائے تو غلط نہیں) کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا (۳۷) امام شافعی اسکے مخالف ہیں آج بازاروں، سڑکوں، بسوں اور ٹرینوں میں لوگوں کے لیے یہ بات بہت مشکل ہے کہ وہ عورت کے مس سے بچ سکے کہیں نہ کہیں ضرور عورت سے بدن چھو جائیگا، بالخصوص آج کے زمانہ میں جبکہ لاکھوں افراد ایک وقت میں خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں اور وہاں مرد اور عورت ساتھ ساتھ ہوتے ہیں، ضرور مرد کا بدن عورت سے چھو جاتا ہے، امام شافعی کے ہاں طواف کرنے والا یا تو اس جمِ غفیر سے نکل کر وضو کرنے بار بار جاتا رہے، جو ناممکن ہے، یا

پھر بے وضو طواف کرتا رہے جبکہ امام اعظم کے ہاں کوئی مسئلہ پیدا ہی نہیں ہوگا۔

ایک تیمم کتنی عبادت:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ ایک تیمم سے کئی فرض اور نفل ادا ہو سکتے ہیں امام مالک اور امام شافعی کی رائے ہے کہ ہر فرض کے لیے نیا تیمم کرنا چاہیے (۳۸) امام اعظم کا استدلال بالکل واضح ہے کہ جب تیمم وضو کا قائم مقام ہے تو جو حکم وضو کا ہے وہی فرض یعنی تیمم کا ہوگا آج لوگوں کے پاس اتنا وقت کہاں کہ وہ اپنے دفتری، گھریلو اور دیگر کاموں کو چھوڑ کر ہر عبادت کے لیے الگ الگ تیمم کر سکیں۔

فقہ حنفی تفسیرِ حدیث:

اس قسم کے مسائل فقہ میں بے شمار مذکور ہیں جن میں امام اعظم اور دیگر ائمہ کا اختلاف ہے لیکن امام اعظم کا مذہب اتنا سہل اور آسان ہے کہ ہر دور میں بغیر کسی حیل و حجت کے عام آدمی اسے قبول کرتا چلا جاتا ہے، جس سے ہمارا یہ مدعا ثابت ہے کہ امام اعظم کا فقہ عصری تقاضوں کی کسوٹی پر پورا اُترتا ہے۔

یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ ان تمام مسائل میں امام صاحب کی اپنی ذاتی رائے نہیں ہے بلکہ آپ نے ان مسائل کی تدوین کے لیے اپنے تلامذہ میں سے چالیس اہل کمال کی مجلس بنائی جس کے سامنے ایک ایک مسئلہ بحث کے لیے پیش ہوتا تھا اگر وہ سب متفق ہو جاتے تو وہ مسئلہ فوراً لکھ لیا جاتا اور اگر اختلاف ہوتا تو آزادانہ بحث ہوتی اور پھر امام صاحب آخر میں اپنے دلائل سے مسئلے کو واضح فرماتے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ تین دن تک ایک ہی مسئلہ پر بحث ہوتی رہتی تھی شیخ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ ان مسائل میں امام ابو حنیفہ کی رائے مت کہو تفسیر حدیث کہو۔ (۳۹)

آئمہ ثلاثہ فقہ حنفی کے پیرو:

درحقیقت امام ابو حنیفہ کا فقہ کامل فقہ ہے امام مالک نے انہی کی طرز پر کام کیا، ابن

خلدون لکھتے ہیں امام احمد بن حنبل اتنے بڑے محدث ہونے کے باوجود فقہ حنفی کے خوشہ چیں بنے (۴۰) امام شافعی کے متعلق لکھا کہ انہوں نے اھل حجاز (امام مالک) کا طریقہ اور اھل عراق (امام ابوحنیفہ کا مذہب) ملا جلا کر اپنا فقہی مسلک الگ قائم کیا (۴۱)۔

امام کی ایک اور فضیلت:

امام ابوحنیفہ اجلہ تابعین سے ہیں، انہوں نے پچیس سے زائد اصحاب کو دیکھا اور کئی صحابہ سے حدیثیں روایت کی ہیں (۴۲) اسپین کے سوا کوئی خطہ امام صاحب کی شاگردی سے خالی نہیں رہا۔ امام صاحب سے سات سو مشائخ نے روایت کی ہے (۴۳) محدثین نے امام صاحب کے شاگردوں کی تعداد مع نام ونسب آٹھ سو لکھی ہے (۴۴) اسکے علاوہ اور بھی کئی ہوں گے۔ محدثین عالم کا سلسلہ امام صاحب پر منتہی ہوتا ہے، عالم اسلام میں سب سے زیادہ مذہب حنفی کے پیروکار ہیں۔ ایک مفسر کا قول ہے کہ دنیا میں ستر فیصد مسلمان حنفی ہیں۔ حنفی مذہب نہ صرف یہ کہ عراق و ہند، چین اور تمام ممالک عجم میں پھیلا ہوا ہے بلکہ عرب کے اکثر علاقوں میں بھی حنفی فقہ رائج ہے۔ (۴۵)۔

اللہ تعالی امام اعظم کی مرقد منور پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے

(جون ۱۹۷۲ء)

(۱) سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۸۵ پ ۲، القرآن

(۲) ناظم، تاریخ الفقہ ص ۱۱ مطبوعہ لاہور ۱۹۶۴ء

(۳) چودھویں صدی کے فقہائے احناف میں مجدد اعظم علامہ مفتی شاہ احمد رضا خان بریلوی، ممتاز و منفرد نظر آتے ہیں۔

(۴) شبلی نعمانی، امام اعظم (سیرت النعمان) ص ۲۶۱ مطبوعہ لاہور

(۵) علامہ ابن خلکان، تاریخ ابن خلکان،

(۶) الجواہر المضیہ

(۷) شبلی، امام اعظم ص ۲۶۲، لاہور

(۸) شبلی نعمانی، امام اعظم ص ۲۶۸ لاہور

(۹) صارم تاریخ الفقہ ص ۴۳ لاہور ۱۹۶۴ء

(۱۰) تاریخ بغداد ص ۳۳۶ ج ۱۳۔ کراچی

(۱۱) ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی م ۴۶۳ھ تاریخ بغداد ص ۳۳۶ ج ۱۳ کراچی، و حبیب الرحمٰن خاں شروانی، امام ابوحنیفہ اور ان کے ناقدین ص ۴۲ کراچی۔

(۱۲) حبیب الرحمٰن ایضاً

(۱۳) حبیب الرحمٰن خاں شروانی ایضاً ۵۲

(۱۴) ملا علی قاری، علامہ، مرقاۃ المفاتیح ص ۲۴ جلد ۱، طبع مصر

(۱۵) شیخ محمد خضری بک، علامہ، ترجمہ تاریخ فقہ ص ۲۴۷ طبع کراچی جنوری ۱۹۶۵ء

(۱۶) ظہور الحسن ناظم، تاریخ الفقہ ص ۶۲ لاہور ۱۹۶۴ء

(۱۷) عبدالرحمٰن بن خلدون، علامہ م ۸۰۸ھ مقدمہ ابن خلدون ص ۴۳۰

(۱۸) عبدالرحمٰن بن خلدون، علامہ م ۸۰۸ھ مقدمہ ابن خلدون ص ۴۳۰

(۱۹) ابوالحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی، علامہ م ۵۹۳ھ الھدایہ ص ۱۰۲ ج ۱

(۲۰) ابوالحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی، علامہ م ۵۹۳ھ الھدایہ ص ۱۰۴ ج ۱

(۲۱) ابوالحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی، علامہ م ۵۹۳ھ الھدایہ ص ۲۰۵ ج ۱ طبع کراچی

(۲۲) ابوالحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی، علامہ م ۵۹۳ھ الھدایہ ۲۰۴ ج ۱ طبع کراچی

(۲۳) ابوالحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی، علامہ م ۵۹۳ھ الھدایہ ۱۹۲ ج ۱

(۲۴) علی ابن ابی بکر الفرغانی م ۵۹۳ھ الھدایہ ص ۵۳۷ ج ۲

(۲۵) علی ابن ابی بکر الفرغانی م ۵۹۳ھ الھدایہ ۵۴۰ ج ۲

(۲۶) ابوالحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی، علامہ م ۵۹۳ھ الھدایہ ۵۴۴ ج ۲

(۲۷) ابوالحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی، علامہ م ۵۹۳ھ الھدایہ ۵۴۰ ج ۲

(۲۸) ابوالحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی، علامہ م ۵۹۳ھ الھدایہ ۵۳۹ ج ۲

(۲۹) علی ابن ابی بکر الفرغانی ، الھدایہ ص ۴۵۳ ج ۴

(۳۰) علی ابن ابی بکر الفرغانی، الھدایہ ص ۳۸۹ ج ۳

(۳۱) علی ابن ابی بکر الفرغانی، الھدایہ ص ۳۰۲ ج ۲

(۳۲) علی ابن ابی بکر الفرغانی، الھدایہ ص ۱۶۳ ج ۳

(۳۳) علی ابن ابی بکر الفرغانی، الھدایہ ص ۳۱۴ ج ۲

(۳۴) مفتی محمد خلیل خان برکاتی، سنی بہشتی زیور ص ۲۵۳۔ لاہور

(۳۵) علی ابن ابی بکر الفرغانی، الھدایہ ص ۳۲۴ ج ۲

(۳۶) علی ابن ابی بکر الفرغانی، الھدایہ ص ۳۲۵ ج ۲

(۳۷) عبدالرحمٰن الجزیری، الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص ۸۱ ج ۱ ترکی استنبول ۱۹۷۵ء

(۳۸) علی بن ابی بکر الفرغانی، علامہ، الھدایہ ص ۵۴ ج ۱

(۳۹) حقیقۃ الفقہ

(۴۰) امام عبدالرحمٰن بن خلدون ، علامہ مقدمہ ابن خلدون ص ۴۳۰

(۴۱) ایضاً ص ۴۳۰

(۴۲) صارم، تاریخ الفقہ ص ۶۱

(۴۳) مناقب الامام

(۴۴) حدائق الحنفیہ

(۴۵) ایضاً عبدالرحمٰن، ---- مقدمہ ابن خلدون ص ۴۳۰ و تاریخ الفقہ ص ۸۹

یہ مقالہ ریڈیو پاکستان حیدرآباد سے نشر ہوا۔

عربی فارسی سے اردو میں ترجمہ شدہ کتب سیرت طیبہ کا اجمالی جائزہ

حضور اکرم، سرور دین محترم، شافع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ سے صحابہ کرام کی رغبت ومحبت نہ صرف دوسری نسل کو منتقل ہوئی ہے بلکہ یہی جذبہ خلوص اور پیانِ وفا سیرت نگاری کی اساس بھی بنا۔

چنانچہ تابعین کی ایک نوخیز اور نوجوان نسل نے جن میں عروہ بن زبیر ابان بن عثمان، شرجیل بن سعد اور وہب بن منبہ شامل ہیں۔ سیرت طیبہ پر اہم مضامین قلم بند کئے۔ ان کے بعد دوسرے طبقہ میں عاصم بن عمر بن قتادہ، اور محمد بن مسلم ابن شہاب الزہری، نمایاں نظر آتے ہیں۔ آج کی گفتگو میں ہم صرف ایسے چند مصنفین اور سیرت نگاروں کا تذکرہ کر رہے ہیں جنہوں نے عربی یا فارسی زبان میں سیرت پر کتابیں لکھیں اور بعد میں اردو زبان میں ان کا ترجمہ ہوا اور اس طرح اردو ادب میں سیرت طیبہ پر گرانقدر اضافہ بھی ہوا۔

(1) ''سیرت بن ہشام''، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر لکھی جانے والی ابتدائی کتب میں ہے اصل میں یہ کتاب ابن اسحاق کی ہے مگر ابن ہشام نے اس پر کام کر کے مزید بڑھایا ہے۔ اس کی پذیرائی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتاہی کہ یہ کتاب ہر دور میں، سیرت طیبہ کے مصنفین کیلئے بنیادی اہمیت کی حامل رہی ہے۔ ابو محمد عبدالملک بن ہشام بصرہ میں پیدا ہوئے اور عمر کا بیشتر

حصہ مصر میں گذارا، ۲۱۳ھ یا ۲۱۸ میں وفات پائی۔ اس کا عربی سے اردو ترجمہ، دہلی کے ایک عالم سید محمد یٰسین علی حسنی نظامی نے ۱۳۲۹ھ میں مکمل کیا اور ۱۹۱۵ء میں یہ پہلی مرتبہ لاہور سے شائع ہوا۔ اردو میں اس کے تقریباً ایک ہزار صفحات ہیں۔ (2) ''طبقات ابن سعد'' شہرۂ آفاق کتاب الطبقات الکبریٰ ہے کتاب کا مصنف ابو عبداللہ محمد بن سعد بن منیع البصری ہے، یہ کتاب مصنف نے بیس سال میں لکھی اور یہ دور ہارون الرشید اور مامون الرشید کی بادشاہت کا ہے مصنف کا انتقال ۲۳۰ھ میں ہوا۔ کتاب کے آٹھ حصے ہیں، پہلے دو حصے سیرت طیبہ سے متعلق ہیں پہلی بار اس کے حصوں کا ترجمہ عربی سے اردو میں حیدرآباد دکن سے ۱۹۴۴ء میں شائع ہوا، مترجم کا نام عبداللہ عمادی ہے۔ ہر حصہ تقریباً پانچ سو صفحات کا ہے۔ (3) پانچویں صدی ہجری میں عربی میں سیرت پر ایک معتبر کتاب ''الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ'' ہے، جس کے مصنف امام قاضی ابوالفضل عیاض بن عمرو بن یحصبی مالکی ہیں، یہ ۴۷۶ھ میں مغرب کے ایک شہر سَبتہ میں پیدا ہوئے، بے شمار محدثین کرام نے، ان کی اس تصنیف سے استفادہ کیا ہے۔ جن میں علامہ بن شرف النووی، امام بدرالدین عینی، علامہ ابن حجر عسقلانی جیسے جلیل القدر محدثین شامل ہیں۔ بارگاہ رسالت میں اس کتاب کی مقبولیت مشہور ہے۔ ایک دفعہ آپ کے بھتیجے نے دیکھا کہ آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ سونے کے ایک تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر ان پر ہیبت طاری ہوگئی، حضرت قاضی عیاض قدس سرہ نے ان کی حالت کو محسوس کیا اور فرمایا: بھتیجے! میری کتاب شفاء کو مضبوط سے پکڑے رہو، اور اسے اپنے لئے دلیل راہ بناؤ، گویا یہ اشارہ تھا کہ مجھے یہ منصب وکرامت اس کتاب کی بدولت ملی ہے۔ اردو میں پہلی

مرتبہ اس کتاب کا ترجمہ مولانا غلام معین الدین لاہور نے کیا، دوسری بار اس کا ترجمہ مزید فصاحت کیساتھ علامہ عبدالحکیم اختر شاہجہان پوری مرحوم نے کیا، جو فروری ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا، دو جلدوں میں بارہ سو کے قریب صفحات ہیں۔

(4) فارسی زبان میں ایک مکمل مستند ترین سیرت کی کتاب مدارج النبوت، گیارہویں صدی ہجری کے آغاز پر لکھی گئی، جس کے مصنف شیخ محقق، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا زمانہ ۹۵۸ھ سے ۱۰۵۲ھ کا ہے۔ حضرت شیخ کے معاصرین میں، حضرت مجدد الف ثانی بھی ہیں۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ کئی اہم علم نے کیا۔ کتاب بڑے سائز کے تقریباً چودہ سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ حال ہی میں اس کا ایک ترجمہ علامہ عبدالمصطفیٰ محمد اشرف نے کیا ہے، کتاب کی ہر سطر سے عشق و محبت ٹپکتا ہے۔ (5) فارسی ہی میں ایک اور کتاب معارج النبوۃ فی مدارج الفتوہ ہے، جو تین جلدوں پر مشتمل ہے، ہر جلد میں تقریباً چھ سو صفحات ہیں۔ اس کے مصنف علامہ معین واعظ الکاشف الہروی ہیں۔ اس کا اردو ترجمہ پہلی مرتبہ ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا جو مولانا اطہر نعیمی کراچی اور مولانا محمد اصغر فاروقی صاحب نے کیا ہے۔

ساتویں صدی ہجری میں، مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ نے بھی اپنی مشہور زمانہ تصنیف ''مثنوی مولوی معنوی'' میں جا بجا، سیرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمائی ہے۔ جن سے سیرت کے پہلوؤں پر استفادہ کیا گیا ہے۔ مثنوی شریف کا ترجمہ اردو مکمل موجود ہے۔ جو پہلی مرتبہ ۱۹۷۴ء میں شائع ہوا۔

(7) بارہویں صدی ہجری میں ایک مدنی عالم امام جعفر بن حسن حسینی برزنجی نے سیرت طیبہ پر ایک مختصر رسالہ ''مولود برزنجی'' کے نام سے لکھا، جس کا پورا نام

''عقد الجوھر فی مولد النبی الازھر'' ہے۔ عرب میں اس کتاب کی بڑی دھوم ہے حتی کہ علامہ نبہانی لکھتے ہیں: ھذا المولود الشھیر الذی لیس له نظیر وھو مخترعة فی ما اعلم ۔ یہ مولود مبارک، مشہور و معروف ہے اس کی کوئی مثل نہیں اور یہ مصنف کا نہایت ہی عمدہ اور شاندار کارنامہ ہے۔ علامہ نور بخش توکلی نے اس کا اردو ترجمہ کیا اور اس پر حاشیہ لکھا ہے، حال ہی میں یہ نسخہ لاہور سے دوبارہ شائع ہوا ہے۔ (8) دور جدید کے مصنفین میں، ایک مشہور مصنف امام یوسف بن اسماعیل نبہانی ہیں ۔ یہ ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۹ء میں فلسطین میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے چار ضخیم جلدوں میں فضائل مصطفوی کا عظیم الشان مجموعہ تیار کیا جس کا نام جواھر البحار فی فضائل النبی المختار ہے۔ محدث بریلوی امام احمد رضا کے خلیفہ مولانا ضیاء الدین مدنی کا بیان ہے کہ جواھر البحار کی تصنیف کے کچھ عرصہ بعد، مصنف کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، سرکار نے جواھر البحار کو بہت پسند فرمایا اور ازراہِ لطف و کرم علامہ کو سینے سے لگایا، علامہ بارگاہ رسالت میں عرض گذار ہوئے کہ '' حضور اب جدائی کا صدمہ برداشت کرنے کی تاب نہیں رہی'' آخر اسی حالت میں وصال ہوا، ایک شاگرد رشید کو علامہ کی زیارت نصیب ہوئی، جن سے علامہ نے اپنی وفات کا یہ واقعہ بیان کیا اور اس طرح عوام و خواص میں مشہور ہوا۔ کتاب کا اردو ترجمہ ۱۹۷۵ء میں پہلی مرتبہ طبع ہوا، مترجمین میں علامہ غلام رسول، اور اختر شاہجہاں پوری شامل ہیں۔ کتاب کے ۱۴۰۰ صفحات ہیں۔ (9) الانوار المحمدیہ یہ عربی زبان میں، ان ہی علامہ یوسف نبہانی کی تصنیف ہے جو ساڑھے سات سو صفحات پر مشتمل ہے۔ سیرت طیبہ پر ایک مثالی کتاب ہے۔ اس کا اردو ترجمہ ۱۹۸۲ء میں غلام

ربانی عزیز نے کیا جو شائع ہو چکا۔ (10) ان ہی کی ایک اور کتاب ''وسائل الوصول الی شمائل الرسول'' عربی میں ہے، جس کا اردو ترجمہ شمائل رسول کے نام سے ۱۹۷۲ میں شائع ہوا۔ صفحات تقریباً ڈیڑھ سو ہیں، سیرت کی مختصر کتابوں میں یہ ایک عمدہ اور لاجواب کتاب ہے۔ (11) پندرہویں صدی ہجری کے آغاز پر، مسجد الحرام مکہ مکرمہ کے ایک استاذ علامہ محمد بن علوی، المالکی الحسنی نے عربی میں سیرت طیبہ پر ایک شاندار کتاب ''الانسان الکامل'' لکھی ہے، اس کتاب کے ذریعہ حیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان پہلوؤں کو نہایت خوبصورتی سے جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے، جن کی آج ہر مسلمان اور تاریخ کے تمام طالب علموں کو ضرورت ہے۔ ساڑھے چار سو صفحات پر مشتمل اس کا اردو ترجمہ سید اسرار بخاری نے کیا ہے، جو پہلی مرتبہ ۱۹۸۸ میں شائع ہوا ہے۔ عربی فارسی سے اردو میں منتقل ہونے کا یہ سلسلہ، ہنوز جاری ہے، مستقبل میں سیرت طیبہ پر اردو میں ایک بڑا ذخیرہ موجود ہوگا۔

احمد میاں برکاتی

۸، ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

۱۴ جولائی ۱۹۹۷ء

فہرست مآخذ ومراجع

اس کتاب کی تیاری میں درج ذیل کتب سے مدد لی گئی

۱۔ القرآن الکریم، تنزیل رب العالمین جل جلالہ

۲۔ محمد بن اسماعیل بخاری امام، الصحیح للبخاری، مطبوعہ کراچی

۳۔ مسلم بن حجاج قشیری امام، الصحیح لمسلم، مطبوعہ کراچی

۴۔ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، جامع للترمذی، مطبوعہ کراچی

۵۔ ابوعبداللہ امام، سنن ابن ماجہ، مطبوعہ کراچی

۶۔ نسائی، امام، سنن النسائی، مطبوعہ کراچی

۷۔ سلیمان بن اشعث، امام، سنن ابی داؤد، مطبوعہ کراچی

۸۔ محمد بن عبداللہ، علامہ، مشکوۃ المصابیح، مطبوعہ کراچی

۹۔ ابوعیسیٰ ترمذی، امام، شمائل ترمذی، مطبوعہ کراچی

۱۰۔ محمد شریف الحق، مفتی امجدی، علامہ، نزھۃ القاری مطبوعہ اعظم گڑھ/کراچی

۱۱۔ طبرانی، علامہ، امام، طبرانی، مطبوعہ بیروت

۱۲۔ سید سعادت علی قادری، علامہ، مقالات قادری، مطبوعہ کراچی

۱۳۔ ابن عبدالبر، امام، الاستیعاب

۱۴۔ محمد بن اسماعیل بخاری، امام، الادب المفرد مطبوعہ کراچی

۱۵۔ محاضرات

۱۶۔ اتمام الوفاء

۱۷۔ طٰہٰ حسین، ڈاکٹر، مصری، ابوبکر صدیق اور فاروق مطبوعہ کراچی

۱۸۔ ظہور الحسن شارب ڈاکٹر، دلی کے بائیس خواجہ مطبوعہ لاہور

۱۹۔ سید محمد میاں قادری، مفتی علامہ، اصح التواریخ مطبوعہ کراچی

۲۰۔ ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی، امام، شیخ الاسلام محی الدین، ریاض الصالحین مطبوعہ لاہور

۲۱۔ احمد رضا خاں، امام، حدائق بخشش مطبوعہ کراچی صفحہ ۵۵

۲۲۔ محمد مسعود احمد، پروفیسر، ماھنامہ استقامت کانپور، مفتی اعظم نمبر مئی ۱۹۸۳

۲۳۔ محمد خلیل خاں برکاتی، مفتی، نور علیٰ نور، مطبوعہ لاھور ۱۹۸۶ء

۲۴۔ حسن الاعظمی، المعجم الاعظم، مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۹۴۶ء/ ۱۳۶۵ھ

۲۵۔ عبدالنعیم عزیزی، ڈاکٹر، معارف رضا کراچی شمارہ ۱۴۰۹ھج/ ۱۹۸۸ء

۲۶۔ احمد میاں برکاتی، راقم الحروف، ملفوظات مشائخ مارھرہ، کراچی

۲۷۔ احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ جلد سوم، مطبوعہ سنی دارالاشاعت مبارکپور

۲۸۔ احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، مطبوعہ سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ فیصل آباد

۲۹۔ سید محمد میاں قادری، علامہ، تاریخ خاندان برکات، کراچی ۱۹۸۷ء

۳۰۔ احمد رضا خاں، امام فتاویٰ رضویہ جلد دوم کراچی

۳۱۔ احمد رضا خاں، امام، محدث فتاویٰ رضویہ دھم کراچی

۳۲۔ احمد میاں برکاتی، راقم الحروف، مقدمہ اصح التواریخ

۳۳۔ احمد میاں برکاتی، راقم الحروف، مفتی اعظم سندھ حیدر آباد

۳۴۔ محمد خلیل خاں، مفتی، علامہ، بیاض مفتی محمد خلیل خاں قلمی، حیدر آباد

۳۵۔ محمد خلیل خاں، مفتی، علامہ، ہماری نماز، مطبوعہ لاہور

۳۶۔ احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ، جلد اوّل، مطبوعہ کراچی

۳۷۔ احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ، جلد سوم، مطبوعہ کراچی

۳۸۔ احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ، جلد ششم، مطبوعہ کراچی

۳۹۔ احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ، جلد چہارم مطبوعہ اعظم گڑھ

۴۰۔ احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ، جلد دھم، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور

۴۱۔ احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ، جلد پنجم، مطبوعہ فیصل آباد

۴۲۔ محمد اظہار اشرف، مولانا سید اشرفی، ماھنامہ استقامت، کانپور، مئی ۱۹۸۳ء

۴۳۔ عبدالمجتبیٰ رضوی مولانا، تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، مطبوعہ بنارس ۱۹۸۹ء

۴۴۔ عبدالمجتبیٰ رضوی مولانا، تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، مطبوعہ، لاہور ۱۹۹۲ء

۴۵۔ محمد خلیل خاں، مولانا، مفتی، جمالِ خلیل، مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۹۵ء

۴۶۔ سید محمد امین، قادری، ڈاکٹر، ماھنامہ استقامت کانپور، مئی ۱۹۸۳ء

۴۷۔ سید شاہ محمد امین، قادری، ڈاکٹر، اہلسنت کی آواز، مارھرہ شریف ۱۹۹۵ء

۴۸۔ احمد میاں برکاتی، راقم الحروف، برکات محل، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۹ء

۴۹۔ احمد میاں برکاتی راقم الحروف، تذکرہ سید حسن میاں، مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۹۵ء

۵۰۔ مدیر، ماھنامہ اعلحضرت، بریلی شریف، جولائی ۱۹۷۰ء

۵۱۔ صارم، تاریخ الفقہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۴ء

۵۲۔ ظہور ناظم، تاریخ الفقہ لاہور، ۱۹۶۴ء

۵۳۔ شبلی نعمانی، سیرت النعمان، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۴ء

۵۴۔ ابن خلکان، علامہ، تاریخ ابن خلکان

۵۵۔ مصنف، الجواہر المضیۃ

۵۶۔ ابوبکر احمد بن علی، خطیب، بغدادی، تاریخ بغداد، مطبوعہ کراچی

۵۷۔ حبیب الرحمٰن خاں، شروانی، امام ابوحنیفہ اور ان کے ناقدین، کراچی

۵۸۔ علی قاری، علامہ، مُلّا، مرقاۃ المفاتیح مطبوعہ کراچی ۱۹۶۵ء

۵۹۔ محمد خضری بک، شیخ علامہ، تاریخ فقہ (ترجمہ) مطبوعہ کراچی ۱۹۶۵ء

۶۰۔ عبدالرحمٰن ابن خلدون، علامہ، مقدمہ ابن خلدون،

۶۱۔ ابوالحسن بن علی ابن ابوبکر الفرغانی، الھدایہ، مطبوعہ کراچی

۶۲۔ محمد خلیل خاں، مفتی برکاتی، سنی بہشتی زیور، مطبوعہ لاہور

۶۳۔ عبدالرحمٰن الجزیری، الفقہ علی المذاھب الاربعہ، ترکی، استنبول ۱۹۷۵ء

۶۴۔ مناقب الامام

۶۵۔ حدائق الحنفیہ

۶۶۔ امین الحق شروانی، قلمی بیاض، کوٹری ۱۹۷۷ء

۶۷۔ احمد میاں برکاتی، راقم الحروف، امیر اہلسنت، مطبوعہ حیدرآباد

۶۸۔ وقار الدین، مفتی، علامہ، وقار الفتاویٰ، مرتب محمد شعیب قادری، مولانا، مطبوعہ کراچی

۶۹۔ سید آل رسول حسنین، نظمی، علامہ، مصطفٰے سے مصطفٰے، مع اضافہ از احمد میاں برکاتی، راقم الحروف مطبوعہ کراچی

۷۰۔ سید عبدالواحد بلگرامی، میر، علامہ، سبع سنابل (جد سادات بلگرام) ترجمہ محمد خلیل خاں، مفتی، برکاتی، مطبوعہ لاہور

۷۱۔ محمد خلیل خاں، مفتی، برکاتی، علامہ، ''جمال خلیل''، مطبوعہ کراچی

درصفتِ دولت کدہ پیر طریقت حضرت ابوحماد احمد میاں برکاتی مدظلہٗ

بینک ہیں دو مُتّصل ان کے اِدھر اور اِک اُدھر
ہے در دولت ہمارے حضرت والا کا در
جس قدر جی چاہے لیجے فیضِ عقبیٰ عام ہے
راستہ خُلدِ بریں کا ہے یہاں سے بے خطر

از: سید شجاعت علی طالبؔ
بہ فرمائش حافظ محمد اسحاق صاحب برکاتی (مرحوم)
(۲۰۰۱ء)

یہ قطعات برخوردار مولانا حماد رضا خاں نوری سلمہٗ کی دستارِ فضیلت پر کہے۔

ہر اک رفعت انہیں شام و سحر دے
متاع علم و معراج ہنر دے
بنا حمّاد کو حمادِ ثانی
الٰہی سوزِ دل ذوقِ نظر دے

÷..........÷..........÷..........÷..........÷

جہاں میں سر خرو و شادماں رکھ
فلک کی ان کو ہم دوشی عطا کر
الٰہی آج گل پوشی کے باعث
تری الفت کی مدہوشی عطا کر

(۱۹۹۶ء)

سلام بدرگاہِ خیر الانام علیہ الصلوٰۃ و السلام

صَلوٰۃٌ یَارَسُوْلَ اللہ عَلَیْکُمْ
سَلَامٌ یَارَسُوْلَ اللہ عَلَیْکُمْ

حبیب رب امام المرسلین ہو — تم ہی تو عرش کے مسند نشیں ہو
تم ہی تو سرورِ دنیا و دیں ہو — تم ہی تو رحمۃ للعالمین ہو

صَلوٰۃٌ یَارَسُوْلَ اللہ عَلَیْکُمْ
سَلَامٌ یَارَسُوْلَ اللہ عَلَیْکُمْ

نبیِّ مصطفٰے حامد مجد — خدا نے کردیا جن کو محمد
فرشتوں سے ہوئے ہیں وہ مؤید — خدا کا حکم آیا ہے مؤکد

صَلوٰۃٌ یَارَسُوْلَ اللہ عَلَیْکُمْ
سَلَامٌ یَارَسُوْلَ اللہ عَلَیْکُمْ

مثال مصطفٰے آیا کوئی کب — عیاں تھا مرتبہ اسریٰ کی اس شب
سلامی دے رہے تھے انبیاء جب — تھے اہلِ عرش بھی نغمہ سرا سب

صَلوٰۃٌ یَارَسُوْلَ اللہ عَلَیْکُمْ
سَلَامٌ یَارَسُوْلَ اللہ عَلَیْکُمْ

تم ہی ہو راز دارِ سر وحدت — تم ہی ہو مالکِ ہر جمع و کثرت
تم ہی تو ہو جہاں میں رب کی نعمت — دو عالم کے لئے ہو تم ہی رحمت

صَلوٰۃٌ یَارَسُوْلَ اللہ عَلَیْکُمْ
سَلَامٌ یَارَسُوْلَ اللہ عَلَیْکُمْ

جہاں میں بول بالا ہو رہا ہے   رَفَعۡنَا ذِکۡرَکَ کا شور سا ہے
عجب نوری سماں سا بندھا گیا ہے   ہر اک اب جھوم کر یہ پڑھ رہا ہے

صَلٰوۃٌ یَارَسُوۡلَ اللّٰہ عَلَیۡکُمۡ
سَلَامٌ یَارَسُوۡلَ اللّٰہ عَلَیۡکُمۡ

تمھارے در پہ سر میرا جھکا ہے   نظر کے سامنے عرش علیٰ ہے
زمیں سے آسماں تک نور سا ہے   ہر اک جانب سے بس یہ ہی صدا ہے

صَلٰوۃٌ یَارَسُوۡلَ اللّٰہ عَلَیۡکُمۡ
سَلَامٌ یَارَسُوۡلَ اللّٰہ عَلَیۡکُمۡ

عجب کچھ نور سے پھیلے ہوئے ہیں   حجابات نظر اُٹھے ہوئے ہیں
تھے جتنے فاصلے سمٹے ہوئے ہیں   در آقا پہ ہم آ ہی گئے ہیں

صَلٰوۃٌ یَارَسُوۡلَ اللّٰہ عَلَیۡکُمۡ
سَلَامٌ یَارَسُوۡلَ اللّٰہ عَلَیۡکُمۡ

شہ ہر دوسرا تشریف لائے   حبیب کبریا تشریف لائے
امام الانبیاء تشریف لائے   محمد مصطفےٰ تشریف لائے

صَلٰوۃٌ یَارَسُوۡلَ اللّٰہ عَلَیۡکُمۡ
سَلَامٌ یَارَسُوۡلَ اللّٰہ عَلَیۡکُمۡ

فضا پر کیف ہے نوری جھڑی ہے   تبسم ریز ہر گل کی لڑی ہے
دوشالا ہر کلی اوڑھے کھڑی ہے   نبی تشریف لائے وہ گھڑی ہے

صَلٰوۃٌ یَارَسُوۡلَ اللّٰہ عَلَیۡکُمۡ
سَلَامٌ یَارَسُوۡلَ اللّٰہ عَلَیۡکُمۡ

امام اعظم کا صدقہ شاہِ امکاں　　بہ فیض سیدی احمد رضا خاں
ہر اک کے دل کا پورا ہو یہ ارماں　　پہنچنا ہو درِ اقدس پہ آساں

صَلٰوۃٌ یَارَسُوْلَ اللّٰہ عَلَیْکُمْ
سَلَامٌ یَارَسُوْلَ اللّٰہ عَلَیْکُمْ

شہ برکات حافظؔ پر نظر ہو　　بہ لطف غوث، طیبہ کا سفر ہو
سنہری جالیوں پر جبکہ سر ہو　　زبان پر بس یہ، شاہ بحر و بر ہو

صَلٰوۃٌ یَارَسُوْلَ اللّٰہ عَلَیْکُمْ
سَلَامٌ یَارَسُوْلَ اللّٰہ عَلَیْکُمْ

(مفتی احمد میاں حافظؔ البرکاتی)

٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪٪

1Z-93